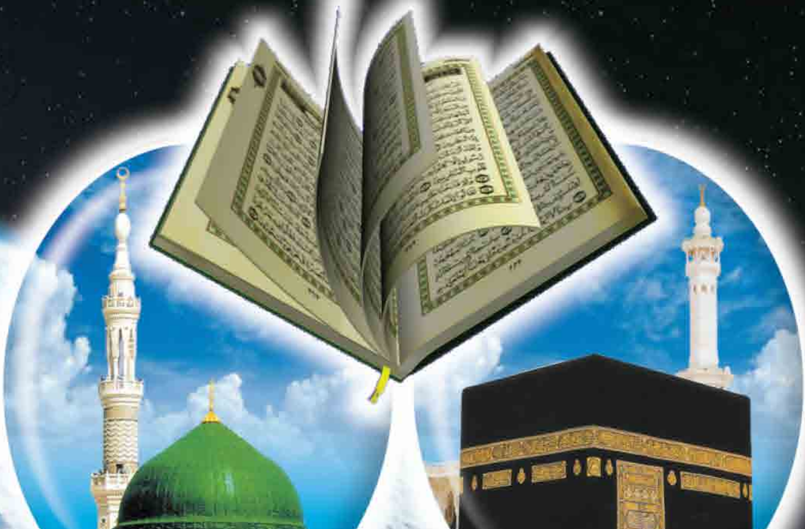
قرآن کی
دعوتِ فکر



ترتیب و تالیف:

ملک اللہ بخش کلیار

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل حکومتِ پاکستان

Designed & Printed by:
+923317005399
mub.artist@gmail.com

ویتفکرون فی خلق السماوات والأرض...الخ

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی جو صفات بیان کی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق میں غوروفکر کرتے ہیں اور غوروفکروہی محمود ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔

چنانچہ حضرت حسن بصری کا ایک قول ہے کہ مصنوعات اِلٰہیہ میں ایک ساعت غوروفکر کرنا رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔

اسی طرح حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ غوروفکر ایک نور ہے جو تیرے دل کو منور کردے گا۔ زیر نظر کتاب بعنوان 'قرآن کی دعوت فکر' جس کے مؤلف ملک اللہ بخش کلیار صاحب ممبر اسلامی نظریاتی کونسل حکومتِ پاکستان ہیں۔ کلیار صاحب نے حرمین شریفین کی پُرنور فضاؤں میں رہتے ہوئے اس کتاب میں قرآن کریم کے موتیوں میں سے وہ موتی چُن چُن کر جمع کئے جن میں غوروفکر کی دعوت ہے۔

غوروفکر اور عقل کو استعمال کرنے پر دلالت کرنے والی آیات کریمہ کو چار ابواب میں ذکر کیا ہے۔ اللہ ربُّ العالمین سے دعا ہے کہ وہ مؤلف کی اس سعی کو قبول فرمائے اور قارئین کو پڑھ کر اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔

والسلام

مع الاکرام ڈاکٹر قاری عبدالرشید الازہری (تمغہ امتیاز)
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
رکن مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان
بانی و مہتمم مدرسۃ البنات بلوچستان
رکن بورڈ آف گورنرز الحمد اسلامک یونیورسٹی کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم



قرآن کی دعوتِ فکر

ترتیب و تالیف

ملک اللہ بخش کلیار

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل حکومتِ پاکستان

ایم اے اسلامیات (اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور)

مقیم: بجوار المسجد النبوی الشریف ﷺ

المدینة المنورة، المملکة العربیة السعودیة

ضابطہ

نام کتاب : قرآن کی دعوت فکر

ترتیب و تالیف : ملک اللہ بخش کلیار +92 303 238 3321

ناشر : کلیم پرنٹرز و پبلشرز۔ وحید پلازہ، حسن پروانہ روڈ، ملتان۔
+92 331 700 5399

طبع اوّل : اگست ۲۰۱۸ء

مشینی خطاطی و ڈیزائن : مبشر کلیم بن ابنِ کلیم احسن نظامی (وحید پلازہ، حسن پروانہ روڈ، ملتان)۔
+92 306 124 1415

تعداد : ایک ہزار

ملنے کے پتے:

(۱) کلیار سی این جی، بہاولپور روڈ، لودہراں، پنجاب

(۲) اذن حج و عمرہ آفس نمبر (۸۱) بہاولپور۔

(۳) ملک اللہ بخش کلیار۔ مدینة المنورة (جوال: ۰۵۰۲۸۵۸۷۹۱)

(۴) مؤسسة مختار احمد جان، مكة المكرمة
(جوال: ۰۵۰۵۰۳۴۷۷۰۵)

(۵) ذیشان احمد حجہ ہاؤس ۱۳-A، بلاک X، سیٹلائیٹ ٹاؤن، بہاولپور
0092 3336367673

اجمالی فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
1	انتساب	6
2	پیش لفظ	7
3	حرفِ تحسین (از : جسٹس سید منظور حسین گیلانی)	9
4	تقریظ (از: جناب مولانا قاری حنیف جالندھری)	14
5	عرضِ مصنف	16
	باب اول: مظاہرِ قدرت میں دعوتِ فکر	
7	مظاہر قدرت میں دعوتِ فکر	21
8	قرآن پاک زندہ و جاوید معجزہ	24
9	قرآن کے دلائل تمام عالم کے لیے تذکرہ و تنبیہ ہیں	26
10	مطالعۂ فطرت کی اہمیت	31
11	تخلیقِ کائنات اور تدبر	34
12	اہلِ عقل کون ہیں؟	42
13	قرآن پاک میں عقل کا مقام	43
14	قرآن مجید کے دلائل، فطرت سے قریب	52
15	عقل اور شریعت میں کوئی تعارض نہیں	54
16	کیا جاہلیت آج بھی زندہ ہے؟	56
17	عصرِ حاضر کی جاہلیت	61
18	قدرت نے یہ محفل کیوں سجائی؟	63
19	کائنات میں صفاتِ الٰہی کے جلوے	65
20	خالقِ کائنات کے علم کا آفاقی نظارہ	70

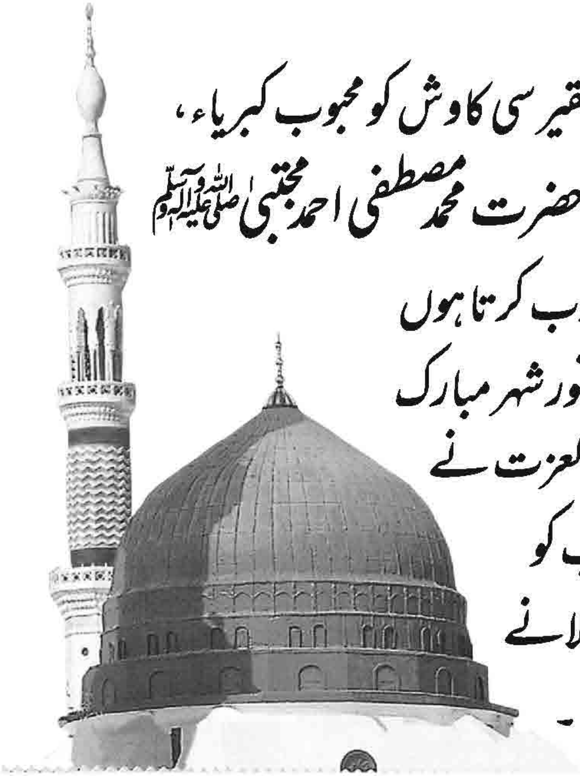
نمبر	عنوان	صفحہ
21	اختلاف لیل و نہار کے بعض اشارات	80
22	خالق نے نظام کائنات بیکار پیدا نہیں کیا	85
23	جذبۂ عبادت اِنسان کی فطرت میں	87
	باب دوم : آیاتِ الٰہی پر غور و فکر کی دعوت	
24	قرآنِ عظیم میں اہلِ عقل کیلئے نشانیاں ہیں	93
25	علم کی اقسام	96
26	قرآن انسانیت کیلئے ہدایت کا سرچشمہ	101
27	اولوالالباب کون ہیں؟	111
28	عقل و شعور انبیاء و مومنین کا وصف	115
29	وہ آیاتِ کریمہ جن میں "اُولوالالباب" کا ذکر آیا ہے	118
30	قرآن اور کائنات میں مطابقت	120
31	شرعی اور طبیعی میزان	122
32	قرآن وحدیث اور جدید سائنس میں مطابقت	123
33	قرآن سائنس کی کتاب نہیں	125
34	قرآنِ حکیم کتاب دلیل و برہان	130
35	دلائل و براہین قرآنی کا کلیدی موضوع	135
36	اصل کسوٹی قرآن ہے نہ کہ سائنس	136
37	قرآن مجید کا انقلابی تصورِ حیات	137
38	قرآنِ حکیم کا نظریۂ آفاقیت	145
39	توحید کے حق میں تاریخ کی شہادت	148
40	انبیاءؑ کی بعثت اور کتابِ الٰہی	151

نمبر	عنوان	صفحہ
41	کتاب اور میزان نازل کرنے کی علت عدل وقسط	156
42	قرآنِ عظیم کا کُھلا چیلنج	156
43	کتابِ الٰہی کی اِنقلابی دعوتِ فکر ونظر	159
44	زمین کے عجائبات کی طرف نظر	164
45	مطالعۂ کائنات سے علم ویقین میں اِضافہ	170
46	مظاہرِ فطرت پر غور وفکر کرنے والوں کے لیے القاب	174
47	ذکر وفکر سے انسان کی روحانی ترقی وتکمیل	183
48	فہم دین رکھنے والے کون ہیں؟	188
49	اہم قرآنی معلومات	200
	باب سوئم : آیات کے معنی اور لفظ آیت کا قرآن عظیم میں بیان	
50	آیاتِ بینات کیا ہیں؟	207
51	قرآنی آیات کی تقسیم	210
52	زمینی نشانیوں کی طرف اِنسان کی توجہ	213
53	حضرت عزیرؑ کا دوبارہ زندہ ہونا بطورِ آیت	221
54	بنی اِسرائیل کا دسترخوان بطورِ آیت	224
55	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت، قدرت کی نشانی	226
56	انبیاء کے تمام معجزات بطورِ نشانی	227
57	سابقہ انبیاء کی پیشین گوئیاں بطورِ نشانی	229
58	سابقہ اقوام پر نازل عذاب کا اثر بطورِ نشانی	231
59	سفینۂ نوح اہلِ بصیرت کیلئے نشانی	235
60	سابقہ اقوام پر نازل ہونے والے عذاب بطورِ نشانی	237
	باب چہارم : قرآن کریم کی فکری دعوت اور مظاہرِ قدرت	
61	آسمان وزمین معجزات اور نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں	243
62	آسمان اور زمین میں اہلِ فکر کیلئے نشانیاں	244
63	کائنات کے ذرہ ذرہ میں مظاہرِ قدرت اور دعوتِ فکر	247
64	جانوروں کے منافع قدرت کی نشانی ہے	252
65	عالمِ حیوانات میں قدرت کی نشانیاں	259
66	مختلف رنگ، زبانیں اور وسعتِ کائنات، اہلِ عقل کیلئے نشانیاں	262
67	رنگوں کے اختلاف میں مظاہرِ قدرت کی نشانیاں	264
68	قرآنِ حکیم میں مختلف رنگوں کا ذکر	269
69	انسان کو دعوتِ تفکر وتذکیر	278
70	تخلیقِ کائنات کی حکمتِ عملی میں قدرت کی نشانی	279
71	فطرت وشریعت میں مطابقت قدرت کی نشانی	285
72	قرآن اور اسرارِ کائنات قدرت کی نشانی	288
73	نظامِ ہدایت میں قدرت کی نشانی	294
74	کائنات کی بے مثل منصوبہ بندی قدرت کی نشانی	298
75	نیند میں قدرت کی نشانیاں	302

نمبر	عنوان	صفحہ
76	قیامت اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی	307
77	بجلیاں دکھانا، بارش برسانا، قدرت کی نشانیاں	311
78	بارش کی مقدار قدرت کی نشانی	316
79	بادل قدرت کی عظیم نشانی	321
80	رِزق کا اِنتظام قدرت کی عظیم نشانی	324
81	رزق کے انتظامات کا ذکر قرآنِ حکیم میں	328
82	فراخ اور تنگ رزق میں قدرت کی نشانیاں	336
83	خوشخبریاں دینے والی ہواؤں میں نشانیاں	343
84	شہد کی مکھی، غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی	344
85	سورج کا مقررہ راستے پر چلنا قدرت کی نشانی	348
86	رات اور دِن کی آمد و رفت قدرت کی عظیم نشانی	350
87	سمندر کی تسخیر میں قدرت کی نشانی	354
88	سمندر کے جہاز قدرت کی نشانی	361
89	عذابِ آخرت سے ڈرنے والوں کیلئے نشانی	364
90	ہواؤں کی گردش، قدرت کی عظیم نشانی	366
91	سورج اور چاند گرہن قدرت کی نشانی	370
92	انسان کے اپنے اندر قدرت کی نشانیاں	373
93	خانۂ کعبہ زمین پر قدرت کی عظیم نشانی	377
94	مقام ابراہیم قدرت کی نشانی	383
95	حجرِ اسود قدرت کی نشانی	385
96	آبِ زم زم قدرت کی نشانی	388

نمبر	عنوان	صفحہ
97	جمرات شعائر اللہ	396
98	حضرت عیسیٰؑ کے چار معجزات بطورِ نشانی	398
99	حضرت صالحؑ کی اُونٹنی اللہ کی نشانی	400
100	چیونٹی قدرت کی نشانی	402
101	پرندوں کی پرواز میں قدرت کی نشانیاں	407
102	لوہا قدرت کی عظیم نشانی	413
103	میٹھا اور کھارا پانی قدرت کی نشانی	417
104	انسانی خوراک میں قدرت نشانیاں	421
105	نباتات کے نظام زوجیت میں قدرت کی نشانیاں	423
106	میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت قدرت کی نشانی	426
107	صابرین و شاکرین کیلئے قدرت کی نشانیاں	434
108	منکرینِ آیاتِ الٰہی (نشانیوں) کا انجام	436
109	بنی اسرائیل کے لیے نو (۹) نشانیاں	442
110	اصحابِ کہف کا واقعہ قدرت کی نشانی	444
111	اختتامیہ	448

انتساب



میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو محبوب کبریاء،
امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی طرف منسوب کرتا ہوں
کہ جن کے پر نور شہر مبارک
میں اللہ رب العزت نے
مجھے اس کتاب کو
ضبط تحریر میں لانے
کے قابل بنایا۔

پیش لفظ

از محترم جناب جسٹس عبدالرحمٰن اَورنگ زیب
سابق جج عدالت العالیہ لاھور پاکستان

نحمدہ، و نصلی علی رسولہ الکریم!

میرے عزیز دوست ملک اللہ بخش کلیار ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے دیارِ حبیب میں اپنی کتاب ''مستجاب دعائیں'' لکھیں جو مجھ سمیت بے شمار لوگوں نے بڑی دلچسپی سے پڑھ کر انہیں دُعائیں دیں جو یقیناً قبول ہوئیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں دل کے اسرار و رموز سمجھنے کا موقعہ عطاء کیا تو انہوں نے اسرارِدل یکجا جمع کر کے اپنے قارئین کے لیے اپنا دوسرا مجموعہ ''اسرارِدل'' کے نام سے شائع کیا جو پڑھنے والوں کو دلوں کے راز و نیاز سمجھنے میں خاصی مدد دیتا ہے یقیناً ملک صاحب نے جب دل کے اسرار جانے تو اَب کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر غور و فکر شروع کیا قرآن عظیم میں رَبُّ العِزَّت نے انسان کو آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

کائنات میں موجود عجائبِ کائنات سے متعلق معلومات کا شوق ہر دور میں انسان کے اندر موجود رہا یہ اسی غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ انسان کو

کائنات کی بہت سی تفصیلات کا علم ہوا اور یہ انسانی جستجو رہتی دنیا تک جاری رہے گی۔

اللہ تعالی 'عزیز محترم' ملک اللہ بخش کلیار کو جزائے خیر عطاء فرمائے، جنہوں نے اس اہم ترین موضوع پر قلم اٹھایا اور ''قرآن کی دعوتِ فکر'' کے نام سے ایک بہت جامع کتاب مرتب کی۔ جو یقیناً پہلی دو کتابوں کی طرح مقبول انام ہوگی۔ کلیار صاحب سے گفتگو کے دوران یہ احساس ہوتا کہ دین کے بارے میں اور تاریخ اسلام کے حوالے سے موصوف کی استعداد قابلِ ستائش ہے اور وہ اپنی گفتگو میں بڑا مدلّل اور واضح موقف پیش کرتے ہیں۔

رَبُّ العزت سے دعا گو ہوں کہ موصوف کی جملہ کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر اجرِ عظیم عطا فرمائے اور قارئین کو اس کتاب سے بھرپور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

عبدالرحمٰن اورنگ زیب

سابق جج عدالت العالیہ لاھور پاکستان

حرف تحسین

از محترم جناب جسٹس سید منظور حسین گیلانی صاحب

(سابق) چیف جسٹس سپریم کورٹ آزاد کشمیر و ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم!

ملک اللہ بخش کلیار صاحب نے اپنی کتاب قرآن کریم کی دعوت فکر پر تبصرہ کرنے کو کہا تو سوچا' نہ معلوم کیا ہوگی اور اس پر کیا لکھ سکوں گا، لیکن جب گھر پر سرسری طور ورق گردانی کی تو محسوس ہوا جیسے میرے ہی ادراک کے لئے لکھی گئی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جب تک کوئی کتاب عقل، ذہن اور ضمیر کو تحریک نہ بخشے، انگیخت نہ کرے وہ کتاب پیغام پہنچانے میں ناکام ہے۔ کتاب کے پڑھنے کے بعد مجھے خوشی ہوئی کہ یہ اپنے اندر فکر کو انگیخت کرنے لئے کے بھرپور مواد رکھتی ہے۔

ہر پیغمبر پر اپنے اپنے زمانے کے حالات، لوگوں کی ذہنی وسعت اور ضرورتوں کے مطابق وحی نازل ہوتی رہی اور معجزے بھی ویسے ہی عطا ہوتے رہے جو اللہ کی بندگی سے شروع ہو کر کھیتی باڑی، کاریگری، ہنرمندی، جادوگری، علم وفنون، سپہ گری، شعر و سخن کے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے کائنات کے ہر شخص پر برتر اور ہر علم پر محیط، نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو آخری پیغمبر کے طور تمام انبیاء اور پیغمبروں کی الہامی کتابوں، ادیان اور علوم کے آخری ایڈیشن قرآن پاک کے ساتھ بھیجا گیا۔ ان پر پہلی وحی بھی پڑھنے کے حکم سے نازل ہوئی اور اس کے تسلسل میں آنے والے سارے احکامات اُمُ الکتاب میں عمل کرنے کیلئے نازل ہوئے۔ اس کے بعد تاقیامت تحقیق، تفتیش، جستجو اور علم سے تسخیر کائنات کا عمل جاری وساری رہیگا، اور یہی انسانیت کی معراج ہوگی۔

عمل ، اُمُ الکتاب کے صرف پڑھنے یا تلاوت کرنے سے نہیں ، بلکہ اس کو عقل سے سمجھنے، غور کرو فکر کرنے اور اس کا ادراک حاصل کرنے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے اور یہی قرآن پاک کا منتہیٰ نظر اور وجہ نزول بھی ہے جو قرآن پاک کی ہر آیت سے مترشح ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا!

{هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ}

ترجمہ: یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کیلیئے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ اُن کو اِس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔ (ابراہیم:۵۲)

This [Qur'an] is notification for the people that they may be warned thereby and that they may know that He is but one God and that those of understanding will be reminded.

دوسرے مقام پر تفکرو تدبر کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

{وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا}

ترجمہ: جنہیں ان کے رب کی آیتوں (احکام وقوانین) کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور و فکر بھی کرتے ہیں)۔ (الفرقان۔ ۷۳)

جو ان کو اس فہم سے پڑھ نہ سکے یا سمجھ نہ سکے جس کے لئے یہ احکامات دئیے گئے ہیں، وہ یقیناً اندھے اور بہرے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا:

{قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ}

ترجمہ: کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے (الانعام۔ ۵۰)

"Is the blind equivalent to the seeing? Then will you not give thought?"

اور مقام پر فرمایا:

{وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ}

ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔ (الاعراف۔ ۱۷۹)

اللہ پاک نے محض تمثیلی طور انسان کی تخلیق اور تحقیق سے پہلے ہونے والے جغرافیائی عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے "کہ زمین و آسمان باہم ملے جلے تھے ہم نے انہیں جدا کیا، ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا، آسمان کو محفوظ چھت بنایا، زمین میں پہاڑ بنا دیئے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے۔ رات، دن، سورج چاند کو پیدا کیا' ان میں سے ہر ایک اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں'' (الانبیاء۔ ۲۳)

ان سب سائنسی حقائق کو سائنس دانوں نے تحقیق کر کے حق پایا ہے، گوکہ یہ کسی ثبوت اور تائید کے محتاج بھی نہیں تھے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق، ان کے درمیان، ان کے اوپر اور نیچے، شب و روز، دریاؤں، سمندروں، ہواؤں، فضاؤں، سورج اور چاند کی گردشوں، پرندوں کی پرواز، میٹھا اور کھارا پانی، انسانوں اور حیوانوں کے جوڑوں کی طرح نباتات کے نظام زوجیت، غرضیکہ ہر چیز اور ہر ذرہ صرف علم و عقل، غور و فکر کر کے تسخیر کیلئے مسخر کئے گئے ہیں جن میں سے اکثر پر غور فکر والوں نے کمند ڈال دی ہے اور قیامت تک یہ سب آشکارہ ہو جائیں گے۔

قرآن محض تلاوت، ثواب، تکریم یا حلف کے لیے نہیں بلکہ ان تمام مقاصد کے حصول کیلئے اللہ کی آخری کتاب ہے جو انسانی علم و فکر کے دریچے کھولنے کیلئے کائنات کے ہر ذرے پر محیط ہے۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں جس کو سمجھ کر انسان نتائج مرتب نہ کر سکے۔ اس وقت تک جتنی علمی یا سائنسی ایجادات اور دریافتیں سامنے آئی ہیں وہ علم القرآن کی تشریح، تعبیر، سچائی اور حقانیت کی تصدیق کرتی ہیں۔ سائنس دانوں نے ٹیکنالوجی کے ذریعہ انسانی فلاح و بہبود کی ہر چیز کو اپنی دسترس میں لے لیا ہے، جن میں بد قسمتی سے تباہی کے اسباب بھی موجود ہیں۔ سمندروں، دریاؤں اور پہاڑوں سے چھپے خزانے، فضاؤں اور ہواؤں، برقی اور حرکتی لہروں، چاند ستاروں کو بھی قابو کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ کی حکمتوں سے ہے اور ہر علم کا احاطہ قرآن پاک نے کیا ہے، صرف سمجھنے، سوچنے اور اس پر عمل کرنے کی بات ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہم اپنے اسلاف کے کارناموں اور فتوحات پر بجا ناز کرتے ہیں، ابن تیمیہ، ابن کثیر، ابن ہشام، ابن اسحاق، ابن رشد، امام غزالی، مولانا روم، شاہ ولی اللہ کے علوم یقیناً ہماری میراث ہیں لیکن ان کی تھیوریز پر عمل کر کے نتائج ہم نے نہیں، بلکہ ہم جیسی کتاب اور اس کی دعوے داری نہ کرنے والوں نے ان کی صداقت اور حقانیت کے ثبوت ٹیکنالوجی کے ذریعہ ہم تک پہنچائے ہیں۔ ہم ان کے شرعی اور غیر شرعی (حلال و حرام) ہونے کے دلائل میں پھنسے رہنے کے باوجود ان کے بغیر اپنی زندگی کو مکمل نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ قرآن پڑھے اور سمجھے بغیر اللہ کی دی ہوئی عقل اور نشانیوں کو عمل میں لا کر اس کے الہامی فرمودات کو سچ ثابت کر کے 'ینفع الناس' بن گئے ہیں۔ اسی لئے اسلام کو دین فطرت کہتے ہیں یعنی عقل سلیم رکھنے اور اس سے کام لینے والا شخص خود بخود جستجو کر کے نتائج حاصل کر لیتا ہے۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے زمانے سے گزر رہے ہیں جو ایجادات، دریافتوں، ٹیلی کمیونیکیشن، سیٹلائٹ، میزائل کا زمانہ ہے۔ فی زمانہ علمی ترقی جانچنے کا معیار یہ ہے کہ کس نے انسانی زندگی کو سہل، دنیا اور اس میں بسنے والوں کو منسلک،

انسانی اور قدرتی وسائل کو ہم آہنگ بنا کر زیر تسرف لایا ہے۔ بقا صرف اس قوم کی ہی ممکن ہے جو ان علوم میں مہارت حاصل کرے گی۔ ہم چونکہ اس علمی خزانے کے دعویدار ہیں اس میں کمال حاصل کرنا ہماری ذمہ داری اور حق ہے۔ اب اس بڑھک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہر نئی دریافت پر ہم کہیں کہ قرآن میں یہ چودہ سو سال پہلے بیان کی گئی تھی۔ اب بقا اس کے عملی مظاہرے میں ہی ہے۔

ملک اللہ بخش کلیار صاحب کی کاوش قرآن کریم کی دعوت فکر اس سمت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ صاحب کتاب نے قرآن کریم کی کماحقۂ ان تمام آیات کا احاطہ کر کے عقل، فکر اور تدبر رکھنے والوں کو اس طرف دامے، درمے، سخنے اور فی النفس عملی اقدامات اٹھانے کیلئے دعوت فکر دی ہے۔ اس کے فروغ اور ترویج کی ذمہ داری ہر ذی شعور مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن کریم کا محض پڑھنا یا حفظ کرنا قاری یا حافظ کے لئے یقیناً ثواب و بخشش کا باعث ہو سکتا ہے جو اس کی ذات کی حد تک محدود ہے لیکن اللہ کے حکم کی تعمیل و تکمیل اس کا مقصد حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے جو تسخیر کائنات ہے۔ مصنف نے نہ صرف تسخیر کائنات کی آیات کی طرف دعوت فکر دی ہے بلکہ کردار سازی کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی قربت حاصل کرنے والی آیات کا ادراک حاصل کرنے کی طرف بھی قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب بے شک قرآن حکیم اور اس کے مقصد عظیم کو سمجھنے اور اس کے عملی پہلوؤں کی طرف راغب ہونے کی طرف بہت بڑی پیش رفت ثابت ہوگی۔ ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو اس سمت توجہ دینے اور نصابِ تعلیم ان خطوط پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

جسٹس (ر) سید منظور حسین گیلانی
(سابق) چیف جسٹس سپریم کورٹ آزاد کشمیر (پاکستان)
ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

تقریظ

از: حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری (صدر: جامعہ خیر المدارس ملتان)

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، اس کی مخلوقات اور کائنات میں غور و فِکر قلبی عبادتوں میں افضل اور مفید ترین عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فِکر کریں، اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔'' (ص:۲۹)

نیز یہ انسان کے لیے عملی عبادات کی طرف آنے کا زینہ بھی ہے، حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''غور و فِکر اصل میں حصولِ رحمت کی کنجی ہے، آپ دیکھتے نہیں کہ انسان جیسے ہی غور و فِکر شروع کرے تو توبہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔'' (حلیۃ الأولیاء و طبقات الأصفیاء: ۷/ ۳۶۰)

لوگوں کو نصیحت اور راہِ راست پر لانے کے لیے غور و فِکر و تدبیر کی دعوت دینا تبلیغِ دین کا ایک بہترین عمل ہے، اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُل إنما أعظكم بواحدة أن تقوموا لله مثني وفرادي ثم تتفكروا"

ترجمہ: آپ کہہ دیں، میں تمہیں ایک ہی چیز کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے تنہا یا دو، دو کھڑے ہو کر غور و فِکر تو کرو۔ (سبا:۹)

جب انسان اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور کائنات کے اسرار و رموز میں غور و فِکر کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے دِل میں گھر کر جاتی ہے، یوں اسے بتدریج اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا رہتا ہے، دین و شریعت پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

''دعوت و تبلیغِ دِین'' کے عمل کی ایک کڑی زیرِ نظر کتاب بھی ہے، جس کے مرتب و مؤلف ملک اللہ بخش کلیار صاحب مدظلہ (ممبر اِسلامی نظریاتی کونسل پاکستان) کو اللہ تعالیٰ نے فہمِ دین کے پاکیزہ ذوق سے نوازا ہے، مدینہ طیبہ

کی پُرنور فضاؤں میں رہتے ہوئے انہوں نے دین سے اپنے رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کی ہے، اسی کوشش ولگن کا ایک نمونہ ان کی حال ہی میں مرتب کردہ کتاب 'قرآن کی دعوتِ فکر' ہے، اس کتاب میں مؤلف نے قرآن کریم میں بکھرے وہ موتی چُن چُن کر دئیے ہیں جن میں غور وتدبر کی دعوت ہے۔

غور و فکر اور عقل کو اِستعمال کرنے پر دلالت کرنے والی ان آیاتِ کریمہ کو محترم اللہ بخش کلیار صاحب نے تین ابواب میں یکجا کیا ہے : ۔ مظاہرِ قدرت میں دعوتِ فکر، آیاتِ اِلٰہی پر غور و فکر کی دعوت، قرآن کریم کی فکری دعوت اور مظاہرِ قدرت۔ البتہ چوتھا باب 'آیات' کے معنی اور لفظ 'آیت' کا قرآن پاک میں بیان ہے۔ ان ابواب میں موضوع کی مناسبت سے آیاتِ کریمہ، ان کا اُردو، انگریزی میں سلیس و بامحاورہ ترجمہ اوران آیات سے حاصل ہونے والی نصیحت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اُمید واثق ہے کہ کتاب 'قرآن کی دعوتِ فکر' اُردو زبان کے بیش بہا قرآنی لٹریچر میں نہ صرف ایک اہم اور مستند اضافہ شمار ہوگی بلکہ ان نام نہاد دانشوروں کے لیے بھی برہانِ قاطع ثابت ہوگی جو قرآن و اِسلام کو علم و عقل کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ گردانتے ہیں۔

اللہ ربُّ العزت سے دُعا ہے کہ وہ مؤلف کی اس کاوِش کو قبولِ عام عطا فرمائیں، اوران کے جذبۂ فہمِ دِین میں روزافزوں ترقی نصیب فرمائیں، آمین یاربُّ العالمین۔

والسلام

محمد حنیف جالندھری

(ناظمِ اعلیٰ : وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

(شیخ الحدیث ورئیس جامعہ خیر المدارس ملتان)

(ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

عرض مصنف

قرآن عظیم علمی و منطقی دلائل سے آراستہ صحیفہ کائنات ہے جو انسان کو جذبات سے نہیں بلکہ اس کی عقل سے اپیل کرتے ہوئے اسے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ وہ اپنے دعوے کے اثبات میں نظام کائنات اور اسرار کائنات سے استدلال کرتا ہے۔ ملت اسلامیہ باہمی انتشار و خلفشار کا شکار ہے، مسلم ممالک کی بگڑتی ہوئی سیاسی و معاشی صورت حال، کفر کی یلغار، عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور دنیا کے ہر خطہ سے اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنے ملت اسلامیہ کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ خیر القرونِ کی طرح آج بھی کتاب الٰہی سے اہل ایمان کی وابستگی بہت ضروری ہو چکی ہے۔ اہل اسلام نے کلام اللہ پر تدبر کرنے کی بجائے اسے پس پشت ڈال دیا ہے 'فہم قرآنِ کی بجائے قرآن اور اپنے درمیان مسلکی دیواریں کھڑی کر لیں کتاب اللہ پر غورو فکر کرنے کی بجائے اُسے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔جس کا خمیازہ امت مسلمہ بھگت رہی ہیں۔

قرآن عظیم کی شان و عظمت نمایاں و ممتاز ہے۔ ''ھدی للمتقین'' اور ''ھدی للناس'' والی کتاب کا دعویٰ ہے جو اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہیں، وہ کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ اہل عرب نے جب اسے گلے سے لگایا تو روم اور فارس کی سلطنتیں ان کے قدموں میں آکر گریں۔ غلاموں نے جب آنکھوں سے لگایا تو تاج شاہی کی دستاریں ان کی زینت بنیں۔ کلام الٰہی کا

ایک وصف یہ ہے کہ اس کے اندر اصلاح قلوب و تزکیہ نفس کی زبردست قوت ہے، اہل ایمان کے روح و قلب کی یکساں تربیت کرتی ہے، اہل ایمان کے اعمال اور اخلاق کو اس انداز سے سنوارتی ہے کہ ان کے قول و فعل سے نیکیوں کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ کلام اللہ میں جذب و تاثیر کا عالم یہ ہے قاری و سامع دونوں اس کے اندر ڈوب جاتے ہیں۔ یعنی آفاق میں گم نہیں ہوتے، بلکہ آفاق ان میں گم ہو جاتا ہے۔ کتاب اللہ کا پیغام علم و عرفان، حکمت و دانش مندی اور نظام فطرت کے اصولوں سے بھرپور مضبوط و مستحکم عقلی دلائل سے مزین ہے۔

قرآن عظیم معانی، مطالب اور حقائق و معارف کا ایک ایسا عمیق سمندر ہے، جس کے معانی و مطالب، حقائق و معارف کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ کلام علم و حکمت کا ایک بے پایاں خزانہ ہے جو تاقیامت انسانیت کے لیے رہنماء اور بے مثال دستورالعمل ہے اس کے اصول و ضوابط میں کبھی بھی کسی ترمیم کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ ہر دور کے مسائل کا حل معجزاتی طور پر اس میں ملے گا۔ دنیا کی باقی سب کتب معانی اور مفاہیم کے لحاظ سے پرانی ہو جاتی ہیں۔ مگر اس کتاب کے معانی اور مطالب قیامت تک تر و تازہ ہیں اسی لیے کہ یہ کتاب زندہ جاوید ہے۔ یہ مرتبہ صرف کتاب اللہ کو حاصل ہے۔ دوام اور ثبات صرف اور صرف اسی کتاب کو حاصل ہے۔ اسی لیے کہ کائنات میں جتنے نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے ان سب کا حل اس سے ملتا رہے گا۔ انسانی علوم و فنون جتنی بھی ترقی کر لیں قرآن ہر زمانے میں انسانی فکر و نظر کی گرہیں کھول کر صحیح راہنمائی کرتا رہے گا۔

کوئی بشر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فلاں تفسیر یا تشریح حرف آخر ہے یا اب کسی جدید تفسیر کی ضرورت نہیں ہے، یہ دعویٰ حقیقت کے برخلاف ہے، اس لیے کہ سوالات ہر زمانہ میں وقت کی ضرورت کے مطابق پیدا ہوتے رہیں گے اس لیے ہر مفسر اپنے عہد کے مطابق سوالات کے جوابات دیتا ہے، زمانہ مستقبل کے سوالات جو حال میں پیدا نہیں ہوئے ان کے جواب تو مستقبل کے مفسر یا اہل علم ہی دے سکیں گے، لہٰذا ہر زمانہ کے اہل علم کو اپنے زمانہ کے مطابق جواب تلاش کرتے رہنا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ}

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے (نحل۔۹۸)

And We have sent down to you the Book as clarification for all things.

حیات انسانی کے تمام شعبوں کے بارے میں واضح ارشادات قرآن عظیم میں موجود ہیں۔ قانون، سیاست، معاشیات، معاشرہ، اخلاق، بین الاقوامی تعلقات، غرض یہ کہ ہر وہ علم جس کا تعلق انسان کی حیات کے ساتھ ہے۔ ان سب کو کلام الٰہی میں بیان کر دیا ہے۔ اب ان علوم سے استفادہ کرنا ہر ایک کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔ اس لیے نئے ماحول، نئے سوالات اور نئے چیلنجز کے جواب کے لیے قرآن حکیم کو اسی پس منظر میں پڑھ کر جواب تلاش کرنا ہوگا، لہٰذا اہل علم کے سامنے جس زمانے میں مسائل در پیش ہونگے، حل بھی انہی کے زمانہ میں قرآن کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔ موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے۔ جیسے جیسے عالم آفاق و عالم انفس کے بارے

میں ان کی کارکردگی کے بارے میں انسان تحقیق کرتا جارہا ہے، اسی لحاظ سے سوالات پیدا ہورہے ہیں، جو آج سے چند سال قبل نہیں تھے، اسی لیے موجودہ زمانہ کے سوالات کے جوابات کو تلاش کی ضرورت ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ کائنات مادی سے متعلق قرآن کے اسرار و معارف جو اس کے اصلی جواہر ہیں وضاحت کے ساتھ نوع انسانی کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ عصر حاضر کا انسان قرآن عظیم کا روشن چہرہ بصیرت کی نظر سے دیکھ کر اس پر ایمان لاسکے۔ اسکی معجزانہ رہنمائی پر یقین کر سکے۔ کیونکہ عصر حاضر کا انسان مادی علوم سے آراستہ ہونے کی بنا پر مادیت زدہ ہے۔ اسی لیے اسے متاثر کرنے کے لیے جدید علوم کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے اور یہ بار بار پڑھنے کے باوجود پرانی نہیں ہوگی'' (طبرانی)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرمایا'' جسے علم چاہے وہ قرآن کو لازم کرلے، اس میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں''۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ امت کے سارے علوم حدیث کی شرح ہیں اور حدیث قرآن کی۔ غرض یہ کتاب جامع ہے جمیع علوم کی جس کسی کو اس کا جتنا علم ملا ہے اتنا ہی جانتا ہے

ارشاد باری تعالی ہے:

{اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا}

ترجمہ: یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان

والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے۔ کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے (الاسراء۔ ۹)

قرآن انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انہی اصول و قوانین کی تعلیم دیتا ہے جو ہر لحاظ سے دوسرے قواعد و ضوابط سے احسن اور نافع ہیں۔ اس لیے انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور معاشی، تمدنی اور اخلاقی راہنمائی کی روشنی اس سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جو انسان کتاب الٰہی کی دعوت کو صدق دل سے قبول کر کے سچائی سے عمل کرتے ہیں انہیں یہ خوشخبری سناتی ہے کہ تمہارا کوئی عمل ضائع اور کوئی محنت رئیگاں نہیں ہوگی بلکہ تمہیں اس جدوجہد کا عظیم صلہ ملے گا۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر میں کتاب الٰہی کے رموز و حقائق کو عصری علوم کی روشنی واضح کر کے پیش کیا جائے تاکہ اس کتاب سے گمراہ انسانوں کو ہدایت اور رہنمائی حاصل ہو سکے اور لوگ اس سرچشمہ حیات کی طرف آ سکیں۔ کیونکہ یہ کتاب حکمت ہر زمانے انسانوں کی عقلیت و ذہنیت کے مطابق رہنمائی کرنے زبردست صلاحیت رکھتی ہے جو اس کتاب کے منجانب حق تعالی ہونے کی روشن دلیل ہے۔

محتاج دعا!

ملک اللہ بخش کلیار (مقیم مدینہ منورہ)

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

Mobil NO- 00966502858791
00923032383321

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب : ۱

مظاہر قدرت میں دعوت فکر

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین

محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد!

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتا وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا
جہاں کی تخلیق ہی نہ ہوتی جو وہ امام امم نہ ہوتے
زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا

کائنات میں غور و فکر اور اس کے متعلق معلومات کا شوق ہر دور میں انسان کے اندر موجود رہا یہ اسی غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ انسان کو کائنات کی بہت سی تفصیلات کا علم ہوا اور یہ انسانی جستجو رہتی دنیا تک جاری رہے گی۔ ایک زمانے میں انسان صرف اپنی آنکھوں کی بصارت سے آسمان کی سیر کرتا، اور راتوں کو تارے گننے کی کوشش کرتا تھا۔ پھر اللہ تعالی نے دوربین بنانے

کی صلاحیت سے اسے نوازا جس کے ذریعے بہت سی پوشیدہ حقیقتیں نظر آنے لگیں۔ دراصل کائنات میں غور وفکر اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی قدرت کاملہ کے عجیب و غریب مناظر انسان کے اندر ایمان و یقین پیدا کرنے کا بڑا ہی مفید و موثر ذریعہ ہیں۔ اسی لیے رب العزت نے اپنی کتاب میں انسان کو آفاق و انفس اور کائنات میں ہر طرف بکھری ہوئی نشانیوں پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ}

ترجمہ: ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات (ان کے جسمانی و نفسیاتی نظام) میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے (حم السجدہ۔53)

We will show them Our signs in the universe and within their own beings until it will become manifest to them that it is the truth.

آسمان و زمین کے کناروں میں قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں جیسے سورج، چاند، ستارے، رات اور دن، ہوا اور بارش، گرج چمک، بجلی، کڑک، نباتات وجمادات، اشجار، پہاڑ اور انہار وغیرہ۔ اور آیات انفس سے مراد انسان کا وجود ہے وہ کن کن اخلاط و مواد اور حقیقت سے مرکب ہے۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں آفاق کی نشانیوں سے مراد آسمان چاند ستارے اور عناصر اربعہ کے اجزاء ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں جو

عجائبات رکھے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر دور میں نئے عجائبات دکھاتا رہے گا۔ (تفسیر کبیر)

آفاق ارض و سماء تو بلاشبہ وہی ہیں جنہیں انسان ہمیشہ سے دیکھ رہا ہے، اور انسان کا اپنا وجود بھی اسی طرح کا ہے جیسا ہر زمانے میں دیکھا جا رہا ہے، لیکن ان چیزوں کے اندر اللہ کی نشانیاں اس قدر بے شمار ہیں کہ انسانی عقل کبھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتی، نہ کبھی کر سکے گی۔ ہر زمانے میں انسان کے سامنے نئی نئی نشانیاں آتی رہیں اور قیامت تک آتی رہیں گی۔ دنیا میں جتنے انسان بھی آئے ہیں سب کی کہانی زمانہ حال کی کہانی ہے، کسی کی کہانی زمانہ مستقبل کی کہانی نہیں۔ اس لیے کہ کسی کا مستقبل بھی اس کے حال کی تصدیق کرنے والا نہ بن سکا۔ چودہ سو سال پہلے یہ پیشین گوئی کی گئی کہ قرآن پاک کے بعد ظاہر ہونے والے واقعات و حقائق اس کتاب کی تصدیق کرتے چلے جائیں گے۔ قرآن ہی واحد کتاب ہے جو آنے والے تمام زمانوں میں اپنی حقانیت کو نہ صرف باقی رکھے گی بلکہ مزید واضح اور مدلل کرتی جائے گی۔ قرآن ہی ہمیشہ وقت کی کتاب رہے گی۔ یہ بات آج حیرت انگیز طور پر درست ثابت ہوئی۔ علمی و سائنسی تحقیقات، تاریخی واقعات، زمانی انقلابات سب کے سب قرآن کی صداقت میں جمع ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آج غیر مسلم محققین بھی گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن اپنی نادر خصوصیات کی بنا پر خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی برحق کتاب ہے۔ کسی انسانی تصنیف میں ایسی ابدی خوبیاں پائی جانی ممکن نہیں۔ اس روشن حقیقت کے باوجود کوئی قرآن عظیم کی صداقت کو تسلیم نہ کرے تو یہ اس کی کم عقلی ہے۔

عرب شاعر کہتا ہے:

وفی کل شئی لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

ترجمہ: کائنات کی ہر چیز میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ وہ (اللہ) ایک ہے۔

{قرآن پاک زندۂ جاوید معجزہ}

قرآن پاک رب تعالیٰ کا کلام اور ایک زندہ جاوید معجزہ ہے۔ یہ صحیفۂ ہدایت تمام علوم و فنون کا مرکز و منبع ہے، اس کے اندر بیان کردہ علوم کی وسعت و گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی عقل سے بعید ہے۔ البتہ جس قدر غور وفکر اور گہرائی سے آیات الٰہی کا مطالعہ کیا جائے گا نئے نئے علوم و معانی اور حقائق و مضامین انسان پر منکشف ہوتے جائیں گے۔ فلکیات، نفسیات اور کائنات کے بارے میں صدیوں پہلے قرآن پاک نے جن تفصیلات سے آگاہ کیا تھا، اس وقت ان انکشافات کا عقل میں آنا محال تھا مگر عصر حاضر کی سائنسی تحقیقات و ایجادات نے ان کا سمجھنا انسان کے لیے سہل کر دیا ہے۔ مثلاً واقعہ معراج کے موقع پر براق نامی سواری کی جس تیز رفتاری کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے، اس وقت اہل عقل اسے محال اور بعید از قیاس سمجھتے تھے لیکن آج کی ایجادات اور سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تیز رفتاری ایسی صفت ہے جس کو کسی حد میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح روز بروز مختلف النواع سائنسی ایجادات کے ذریعے قرآنی آیات کی توثیق و تصدیق ہو رہی ہے

قرآن پاک نے ہر ہر قدم پر تسخیر کائنات کے انسانی جوہر کی جو نشاندہی کی ہے اس کے مظاہر کے تحت انسان آفاق میں جوہری اور خلائی ٹیکنالوجی (Nuclear and Space Technology) کے ذریعہ چاند ستاروں پر کمند ڈالنے کے ساتھ علم نفسیات اور علم الاعصاب کے ذریعے اپنے آپ میں بھی جھانکنے کی کوشش کررہا ہے۔ اب انسانی جنین (Genes) ،ڈی این اے اور نینو ٹیکنالوجی (Nano Technology) کے ذریعہ آفاق کے خُردبین مطالعہ و تحقیق سے ہر روز نئے حقائق بھی منظر عام پر آتے جارہے ہیں۔ ڈی این اے کا پتہ سائنس دانوں نے 1950میں لگاکراس پر کام شروع کردیا۔ ڈی این اے کی تھیوری نے اس نظریہ کو بالکل بے بنیاد ثابت کرکے مسترد کردیاکہ انسان کے آباؤاجداد بندر تھے کیوں کہ ڈی این اے کے نظریہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش یا تخلیق بالکل اسی طرح ہے جیسے قرآن عظیم نے صدیوں پہلے بتایا ہے۔

قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں! "کہ قرآن حکیم میں باعتبار بلاغت سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں"۔ قرآن مجید دراصل دلیل و برہان کی کتاب ہے جسے رب تعالی نے عالم انسانی کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے اسی لیے اسے پوری انسانیت کے لیے ہدایت نامہ فرمایا گیا:

{شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ}

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جوانسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ

راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں (البقرہ۔۱۸۵)

The month of Ramadan in which was revealed the Qur´an, a guidance for mankind, and clear proofs of the guidance, and the Criterion (of right and wrong).

یہ عظیم کتاب کسی خاص قوم یا ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے رشد و ہدایت ہے۔ اور اس کی روشنی اتنی واضح ہے کہ حق و باطل بالکل نمایاں ہو جاتے ہیں۔ہدایت سے مراد علمی و عقلی دلائل ہیں جو اس مبارک کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔

قرآن حکیم کو معجزہ اس لیے کہا گیا کہ اس کی نظیر اور مثال پیش کرنے سے عرب کے فصحاء اپنی تمام ترلسانی صلاحیتوں اور زبان و ادب پر مکمل عبور رکھنے کے باوجود قاصر رہے تھے۔ قرآن حکیم نے کھلا چیلنج دیا کہ اس کی مثال پیش کی جائے اس جیسی ایک سورت اور ایک آیت دکھائی جائے لیکن وہ اصحاب علم و ادب یہ چیلنج قبول نہ کر سکے جو چیزیں انہوں نے اس کے مقابلے میں لکھی انہیں فصاحت و بلاغت کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ناکارہ قرار دے دیا گیا۔ ہر دور میں باطل پرست جماعتیں یہ ناپاک کوششیں کرتی رہیں اور ہمیشہ انہیں منہ کی کھانی پڑی اور ابد تک وہ نامراد ہی رہیں گی۔ انشااللہ۔

قرآن کے دلائل تمام عالم کیلیئے تذکرہ و تنبیہ ہیں

قرآن عظیم عالم انسانی کے لیے تذکرہ اور تنبیہ کا بھی درجہ رکھتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ}

ترجمہ: یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لئے نصیحت (وعبرت) ہے۔ (ص۔۸۷)

It is but a reminder to the worlds.

بے شک کتاب الٰہی کے یہ دلائل تمام علوم میں مذکور ہیں لیکن ان کا زیادہ اطلاق نظام فطرت میں موجود مظاہر قدرت میں ہے جنہیں کلام اللہ کی زبان میں آیات بینات کہا گیا ہے۔ بے شک یہ کتاب زندہ معجزہ ہے. جس کے اندر نظام فطرت کے بارے میں وسیع آیات بینات موجود ہیں جو انسانی عقل و فکر کے لیے نئی نئی راہیں کھولنی والی ہیں اس اعتبار سے یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد و یکتا کلام کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن حکیم علوم ہدایت کا مرکز ہے جو انسان اس کے علوم کا تحقیقی مطالعہ کریگا اسے اس میں عقائد واعمال، تہذیبِ اخلاق، معاشرت ومعاملات، حکومت وسیاست، روحانی ترقی، تزکیہ نفس، عدل وانصاف، قرب الی اللہ کے تمام قواعد اور ضابطے نظر آئیں گے، جسے دیکھ کر بے اختیار دل اور زبان شہادت دیں گے کہ بیشک یہ کلام الٰہی ہے، ایسے علوم ومعارف کا خزانہ سارے جہاں کے حکماء مل کر بھی پیش نہیں کر سکتے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ '' امکانی طور پر ایسے بہت سے علوم ہو سکتے ہیں جو ابھی تک وجود میں نہیں آئے۔ مگر ان تک انسان کے پہنچنے کا امکان ہے اور ایسے بھی علوم ہیں جن کا انسانی عقل ادراک نہیں کر سکتی مگر قرآن میں

ان تمام علوم کا تذکرہ پایا جاتا ہے اور وہ ایک بحر بے کراں ہے جس کے ساحل کا پتہ ہی نہیں چلتا وہ معرفت الہی اور اس کے افعال کا ایک سمندر ہے (جواہر القرآن)۔

قرآن ایک ایسا صحیفہ ہے جسکی مثال انسانی لٹریچر میں نہیں مل سکتی یہ ازل سے ابد تک کے تمام علوم و معارف کا جامع اور رازہائے قدرت کا امین ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ}

ترجمہ: ہم نے اس کتاب (قرآن) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جسے صراحةً یا اشارةً بیان نہ کردیا ہو) (االانعام۔۳۸)

We have not missed anything in the Book

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

{وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ}

ترجمہ: ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہرچیز کا بیان (مفصل) ہے) (النحل۔ ۸۹)

We have revealed to you the Book, an exposition of everything,

سرور دوعالم کا ارشاد گرامی ہے " قرآن میں تم سے پہلے کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے بعد کی بھی اور اس میں تمہارے آپس کے معاملات کے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز بھی موجود ہے (ترمذی)

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی علم کی توسیع اور ذخیرہ معلومات میں اضافے

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی خلقت کے عجیب و غریب مظاہر انسانوں پر نمایاں ہوتے جائیں گے اور ان عظیم نشانیوں کو دیکھ کر انسان حیرت زدہ ہوکر زبان سے اقرار کرے گا

{رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ}

ترجمہ: اسے پروردگار تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے (آل عمران۔ ۱۹۱)

Our Lord, You have not created all this in vain. We proclaim Your purity. So, save us from the punishment of Fire.

ان نشانیوں پر غور فکر کر کے ہر باشعور انسان بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ غافل نہ ہو، اور آثارِ کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ تدبر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔ جب انسان نظامِ کائنات کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں تو ان پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ ایک حکیمانہ نظام ہے۔ اور یہ امر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق کو خالق نے اخلاقی حِس عطا کی ہو، اور اسے تصرّف کے اختیارات عنایت کیے ہوں، عقل و تمیز بھی دی ہو، اُس انسان سے اُس کے اعمال کی پوچھ گچھ نہ ہو، اور اسے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا نہ ملے۔ اس طرح نظامِ کائنات پر غور و فکر کرنے سے اہل ایمان کو آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک کے مطالعے سے ہمیں اس طرح کی اور بھی بے شمار مثالیں ملیں گی جن میں قدرت کے بے شمار مظاہر و عظیم الشان نشانیاں نظر آئیں

گی۔ خالق کائنات نے انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ وہ آسمانوں ،زمینوں ،پہاڑوں ، ستاروں، پودوں ،جانوروں ،رات اور دن کے رد و بدل اور بہت سی دیگر مخلوقات پر تحقیق کر کے اپنے گردو پیش میں پھیلے ہوئے کمال ہنر کے نمونے دیکھ کر اس حقیقی احسن الخالقین کی ذات پاک کو پہچان سکیں جو اس ساری کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش اور ان میں بیشمار چیزوں کا وجود، انسان کو یہ باور کراتا ہے کہ ان کا ایک خالق ہے،.جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو اس کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ صدیوں سے یہ نظام احسن طریقے سے چل رہا ہے اور کبھی آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوا لیکن انسان ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتا ہے نہ ان پر غور و فکر کرتا ہے اور نہ ہی ان سے معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ}

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ سے لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں (یوسف۔۱۰۵)

How many a sign there are in the heavens and the Earth, which they pass by and they are heedless to them

اگر انسان کارخانہء قدرت کو، جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے ، جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ بصیرت سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے ، اور ضد یا تعصب سے پاک ہو کر فکر و تدبر کرے ، تو یہ آثار جو اس

کے مشاہدے میں آتے ہیں اسے اس نتیجے پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک قادرِ مطلق حکیم کے حکم سے چل رہا ہے، تمام اختیار و اقتدار ایک ہی ذات کے ہاتھ میں ہیں۔ قرآنی تعلیمات کا مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے مفید ہے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی آفاقی اور عالمگیر صداقتوں کے باعث قرآن حکیم سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

مطالعہ فطرت کی اہمیت

خالق کائنات نے اپنی برحق کتاب میں مطالعہ فطرت کی اہمیت پر بار بار تاکید فرمائی ہے تاکہ ان قوانین فطرت سے توحید، رسالت اور یوم آخرت پر موثر انداز میں استدلال کیا جا سکے اور منکرین کو راہ راست پر لانے کے لیے حجت قائم ہوسکے۔ اہلِ ایمان اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ قرآن حکیم مظاہر فطرت کو قدرت کی نشانی قرار دیتا ہے، جیسے اس کا اپنا نفس بھی قدرت کی نشانی ہے۔ انسان جب کتابِ کائنات کا قاری بن جاتا ہے، اور اس کے اسباق یعنی مظاہر فطرت میں غور و فکر کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اس کتابِ کائنات کے خالق کی معرفت و عرفان حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو کتاب فطرت اس کے لیے کائنات کے خالق کی پہچان کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جیسا ارشاد ربانی ہے:

{إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ}

ترجمہ: یہ تو ایک نصیحت اور صاف پڑھی جانے والی کتاب ہے تاکہ وہ ہر شخص کو آگاہ کر دے جو (ذہنی طور پر) زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔ (یس۔ ۷۰)

ہم نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمے اور اجمال کے ساتھ خطاب نہیں فرمایا جس میں مراد کے مخفی رہنے کا احتمال ہو بلکہ صاف صریح کلام فرمایا ہے۔ جس سے تمام حجاب اٹھ جائیں اور علوم روشن ہو جائیں ۔قرآن عظیم کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ ان انسانوں کو بروقت متنبہ کیا جائے جن کے ضمیر ابھی مردہ نہیں۔ جن میں قبول حق کی قوتیں ابھی موجود ہیں اور اسی طرح جن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں ان میں قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے ان پر عذاب الٰہی کے نزول کی حجت تمام کر دی جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۱}

ترجمہ: وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے۔ جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے۔ (الفرقان۔ ۱)

Glorious is the One who has revealed the Criterion to His servant, so that he may be a warner to all the worlds,

فرقان کے معنی ہیں حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، قرآن پاک نے کھول کر ان امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لئے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔ قرآن حکیم میں فکری و شرعی لحاظ سے ہر چیز کا تذکرہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ مطالعہ فطرت سے

اعراض کرتے ہیں اس کائنات میں موجود اسباق و بصائر سے سبق حاصل نہیں کرتے وہ قابل گرفت ہیں اور اپنی لاپرواہی اور غفلت کے باعث اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَوَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ وَّاَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُہُمۡ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ}

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں اور اس بات (غفلت اور کوتاہی) میں ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آپہنچی ہو پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ (اعراف۔۱۸۵)

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی محکم و مضبوط نظامِ فطرت بلکہ ہر تخلیق میں جو اس نے پیدا کی ہے میں تدبر و تفکر کرے تو یہ آیات تکوینیہ اور آیات تنزیلیہ اس کے لیے تصدیق کا سبب بنیں گی۔ اب آیات الٰہی کو تسلیم کرنے میں کیا عذر باقی ہے۔ اگر آیات الٰہی پر ایمان نہیں لاتے اور اس نظام فطرت میں غور و فکر نہیں کرتے تو پھر اس کے علاوہ کونسی بات اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ مطالعہ کائنات سے انسان اپنے خالق کی عظمت و حکمت کا تعارف حاصل کرتا ہے۔ یہ عظمت و حکمت اتنی واضح ہے کہ اس کے مقابلہ میں انسان کو دوبارہ پیدا کرنا نسبتاً ایک بہت زیادہ آسان کام ہے اس طرح کائنات کی تخلیق انسان کی تخلیق ثانی کو ثابت کرتی ہے۔ قرآن حکیم

میں مطالعہ فطرت پر بار بار زور دیا گیا ہے یہی وہ طریقہ ہے جس پر کاربند ہونے سے اس کائنات کی گتھیاں سلجھتی چلی جاتی ہیں اور حقائق کائنات انسان کی چشم بصیرت پر واہو جاتے ہیں۔

تخلیق کائنات اور تدبر

(Thinking & Creation Of Universe)

تخلیق کائنات پر غور و فکر سے خالقِ کائنات کے وجود اور عظمت کی نشانی اور بعث بعد الموت کی تذکیر جو تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بنیادی عظیم مقاصد رہے ہیں۔ انسان کے لیے سمجھنا آسان ہو جاتے ہیں۔ تخلیق کائنات سے مراد اس کی وہ پیدائش ہے جس سے خالق کی عظیم قدرت واضح ہوتی ہے، اس کی وہ ساخت بھی ہے جس سے اس کی بے مثال کاریگری اور حیرت میں ڈال دینے والی حکمت کی شہادت ملتی ہے اور وہ نفع اور فیض بھی ہے جس سے خالق کی رحمانیت اور پروردگاری ثابت ہوتی ہے، اور وہ مقصد عظیم بھی ہے جو گواہی دیتا ہے کہ اتنی حکمتوں سے معمور یہ کارخانہ عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس میں ایک عظیم حکمت اور مقصد ہے جس کے ظہور کے لئے ایک دن مقرر ہے اور وہ موافقت اور سازگاری بھی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں کائنات اور انسان ایک ہی خالق کے حکم سے ظہور میں آئے ہیں اور اسی ایک کے حکم کے تحت چل رہے ہیں، ان کے

تصرف میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں ہو سکتا ہے۔ کوئی انسان کائنات پر غور وفکر کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانا اور پھر اس تدبر سے بعض اضافی فوائد بھی حاصل کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی تفکیر کا بنیادی مقصد ہی تبدیل جائے تو کائنات پر تدبر کا عنوان مشترک ہونے کے باوجود ایک کے لیے جنت اور دوسرے کے لیے جہنم کی راہ ہوگی۔ اسی طرح سائنسی تحقیقات اس وقت قابل مذمت ہونگی، جب ان کا مقصد موجوداتِ کائنات کو ان کے اصل مقاصد رجوع الیٰ اللہ و تذکیر آخرت سے بدل کر صرف دنیوی مفادات و مقاصد حاصل کرنا رہ جائے۔ اگر اصل مقاصد کے حصول اور ایمان باللہ کے بعد سائنسی تحقیقات سے دنیوی تصرفات و مقاصد حاصل کرنے کی کوشش غلط نہ ہوگی۔ خالق کائنات کی صفت رحمت جس کے ظہور کے لیے انسان کی تخلیق کی ہے۔ شمس و قمر، نجم و شجر اور آسمان و زمین کی دوسری مخلوقات پابند اطاعت ہیں مگر انسان کو آزادانہ قول و فعل کی اجازت ہے۔ خالق ارض وسماوات کی منشا تو یہ ہے کہ جو حسن وجمال اور مقاصد اس نے کائنات کی تخلیق میں کیے۔ پھر اس نے یہ حسین کائنات اس عاجز مگر خودمختار مخلوق انسان کے حوالے کردی اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقصد امانت کی اپنی ہوس کے ہاتھوں خیانت نہ کرے بلکہ اعتراف، شکر گزاری، اطاعت الہی کے احساس میں زندگی بسر کرے۔

کائنات مادی، برقی، مقناطیسی اور سائنسی قوانین قدرت کا مجموعہ ہے مگر قوانین قدرت اور مظاہر فطرت ان سب پر حاوی ہیں۔ قرآن حکیم ان تمام

مظاہر کو جو کائنات کے جلوے ہیں خالق کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور نوع انسانی کو دعوت فکر دیتا ہے کہ نوع کے عاقل 'بالغ' باشعور افراد قدرت کے ان تمام زمینی اور آسمانی مناظر اور مظاہر کا مطالعہ کریں اور عقل و دانش کی گہرائیوں سے ان پر غور کریں۔ قرآن حکیم انسان کو دعوت فکر دیتے ہوئے باربار فرماتا ہے کیا تم مشاہدہ نہیں کرتے؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا تم تدبر نہیں کرتے؟۔

خالق کائنات کی قدرت اور علم وسیع کا اندازہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ یہ اس کی قدرت حکیمانہ ہے کہ اس نے تمام جانوروں اور پرندوں کو الگ الگ مخلوقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر ایک کی پیدائش اور موت کے مختلف اصول و ضوابط مقرر فرما دیے ہیں۔ ہر ایک کے لیے اختلاف مزاج کے مطابق خوراک کا انتظام و بندوبست فرما دیا ہے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے انہیں مختلف قسم کے اعضا عنایت فرما دیئے ہیں۔ جس خطہ زمین اور آب و ہوا میں وہ زندگی بسر کریں گے ان کی کھالیں، بال، جسم کی ساخت بھی اسی طرح عطا فرما کر ہر ایک کے فرائض کے مطابق اسے شعور اور آگہی عطا فرمائی ہے۔ قرآن پاک نے یہ باتیں مختلف پہلوؤں اور مختلف اسلوبوں سے واضح کی گئی ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

يَّعۡقِلُوۡنَ﴾

ترجمہ: (اِس حقیقت کو پہچاننے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت درکا رہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے ادل بدل میں اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اِسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں (وجود باری تعالی اور اس کی قدرت) ہیں (البقرہ۔۱۶۴)

Indeed, in the creation of the heavens and earth, and the alternation of the night and the day, and the [great] ships which sail through the sea with that which benefits people, and what Allah has sent down from the heavens of rain, giving life thereby to the earth after its lifelessness and dispersing therein every [kind of] moving creature, and [His] directing of the winds and the clouds controlled between the heaven and the earth are signs for a people who use reason.

یہ آیت پاک بہت جامع ہے کہ اس میں کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و ضبط کے متعلق سات اہم امور کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ ساتھ ہی عقل رکھنے والوں کی سند ان انسانوں کو دی جا رہی ہے جو زمین اور اجرام فلکی کے طبیعی

امور پر تدبر و تفکر کرتے ہیں۔

(۱) آسمان اور زمین کی پیدائش، جسکی وسعت محتاج بیان نہیں۔

(۲) رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا، دن کو روشنی تاکہ کاروبار معاش ہو سکے اور رات کو اندھیرا چھا جانا تاکہ آرام بھی ہو سکے۔

(۳) سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور ٹنوں کے حساب سے سامان رزق و آسائش ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل ہوتا ہے۔

(۴) بارش جو زمین کی شادابی کے لئے بہت ضروری ہے۔

(۵) تمام جانوروں کی پیدائش، جو نقل و حمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام آتے ہیں اور انسانی خوراک کے کام بھی۔

(۶) ہر قسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی گرم بھی، مشرقی مغربی بھی اور شمالی جنوبی بھی (تاکہ یہ سب انسانی زندگی کی ضروریات کے مطابق ہو)۔

(۷) بادل جنہیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے۔ یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ بے شک اس تخلیق میں اور اس انتظام و تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ میں مظاہر ربوبیت کا ذکر اہل علم و بصیرت کو دعوت فکر دیتا ہے تاکہ نظام فطرت کے حقائق کو منظر عام پر لایا جائے اور منکرین و معاندین پر حجت قائم ہو سکے کہ اس سارے عالم میں کوئی ایسی علامت یا سائنسی حقیقت موجود نہیں جو شرک ' بت پرستی ' اور مادیت کی دلیل بن سکے۔ بلکہ یہ تمام مظاہر فطرت اپنے

انوکھے اور عجیب و غریب نظام سے اپنے خالق حقیقی کی شہادت دے رہے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

{لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ}

ترجمہ: آسمان و زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر لوگ بے علم ہیں۔ (غافر۔۵۷)

Certainly, the creation of the heavens and the earth is greater than the creation of human beings, but most human beings do not know.

آیت کریمہ میں بہت لوگوں سے مراد یہاں کفار ہیں اور ان کے انکارِ بعث کا سبب ان کی لاعلمی اور جہالت ہے کہ وہ اللہ تعالی کے آسمان و زمین کی تخلیق پر قادر ہونے سے اس پر استدلال نہیں کرتے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے تو ایسے لوگ نابینا کی طرح ہیں اور جو تخلیق کائنات سے خالق کی قدرت پر تدبر کرتے ہیں وہ بینا کی طرح ہیں۔ قرآن مجید نے ارباب فکر اور اصحاب علم کو باربار دعوت فکر دی ہے۔ اور انہیں قرآنی فرمودات کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے اپنی عقل سلیم کو کام میں لانے کا مشورہ دیا ہے۔ ہر عہد کے مفکرین اور صاحبان بصیرت نے اس کے اسرار و رموز پر حکیمانہ نگاہ ڈالی ہے اور اس سمندر میں غوطہ زنی کرکے گہرہائے تابندہ ڈھونڈے اور انہیں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور یہ حسین کاوشیں مستقبل میں بھی برقرار رہیں گی۔

تصریف ریاح

آیت کریمہ میں لفظ تصریف آیا ہے جس سے سے مراد ہواؤں کی گردش ہے۔ ان کی اس گردش کے مختلف انداز خود قرآن میں بیان ہوئے ہیں:

(۱) کبھی یہ اپنے کندھوں پر پانی سے بوجھل بادلوں کو لاد کر لاتی ہیں اور زمین کو جل تھل کر دیتی ہیں۔

(۲) کبھی یہ انہی بادلوں کو اس طرح اڑا کے لے جاتی ہیں کہ کہیں ان کا نام ونشان نظر نہیں آتا۔

(۳) کبھی ایک قوم کے لئے عذاب، دوسری قوم کے لئے رحمت بن کر نمودار ہوتی ہیں۔

(۴) انہی ہواؤں کی گردش سے فرعون اور اس کی قوم غرق دریا ہوئی اور انہی کے تصرف سے موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اسی دریا سے پار کرایا۔

(۵) کبھی یہ مرطوب بن کر فصلوں کو نشوونما دیتی، ان کو اگاتی اور پروان چڑھاتی ہیں، کبھی گرم اور خشک ہو کر ان کو پکاتی اور تیار کرتی ہیں، کبھی یہ خزاں بن کر پتوں کو مرجھاتی اور چمن کو اجاڑتی ہیں، کبھی بہار بن کر ایک ایک ٹہنی اور ایک ایک شاخ کو پھولوں اور کلیوں سے لاد دیتی ہیں۔ ان ہواؤں کے بھیس مختلف ہیں اور ہر بھیس میں نئی آن اور نئی شان ہے اور بے شک جو بھی شان ہے وہ ان کے مصرف (چلانے والے) اللہ کی حکمت وقدرت اور اس کی رحمت وربوبیت کی عظیم نشانی ہے۔ ہواؤں کا چلنا اور انکا رخ بدلتے رہنا

بھی خالق کائنات کی قدرت کاملہ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کے چلنے سے فوائد اور نقصانات دونوں کا امکان ہوتا ہے۔

تسخیر

اسی طرح تسخیر سے مراد کسی کو مطیع و فرمانبردار بنا کر بلا اجرت و معاصنہ کسی کی خدمت میں لگا دینے کے ہیں۔ بادلوں کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ اپنے خالق کے امرو حکم کے تحت بالکل مقھور و مجبور ہر لمحہ و ہر آن، بالکل تیار کھڑے ہیں کہ جب، اور جس جگہ کے لئے اور جس شکل میں ان کو حکم ملے وہ اس حکم کی تعمیل کریں۔ یہ تسخیر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اپنی ربوبیت اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق ان کو مخلوقات کے فائدہ اور نقصان کی جس شکل میں چاہتا ہے بھیج دیتا ہے۔ قرآن میں انسانوں کی نسبت جب ابر وہوا کی تسخیر کا ذکر آتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ ابر یا ہوا یا سورج یا چاند انسان کے ہاتھ میں مسخر ہیں یا وہ ان کو مسخر کر سکتا ہے بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ پروردگار عالم نے ان چیزوں کو مسخر کر کے ان کو انسان کی نفع رسانی اور اس کی خدمت میں لگا دیا ہے اور یہ رات دن خدمت میں لگے رہنے کے باوجود انسان سے کسی اجرت یا صلہ کے طالب نہیں ہیں۔ لفظ "سَخَّرَ لَكُمْ" جہاں آیا ہے اس کے معنی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے تابع کر دیا ہے۔ اسی دائرے میں رہتے ہوئے ان سے استفادہ کرے۔ تسخیر فطرت یا تسخیر آفاق کی تراکیب قرآن حکیم استعمال کی گی ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ کائنات کے جملہ

مظاہر چاند' سورج' سیارے' ارض و سماء انسان کی خدمت اور اس کی خواہشات' عزائم اور مقاصد جلیلہ کی تکمیل کے لیے سر گرم عمل ہیں۔

اہل عقل کون ہیں؟ (Who Are Wise)

قرآن پاک نے آیات الٰہی اور مظاہر فطرت میں غور و فکر نے والوں کو "اہل عقل' (دانش مند) کے لقب سے نوازا ہے۔ کلام الٰہی کا طرز استدلال فلسفیوں کے طرز استدلال سے مختلف ہے۔ کتاب الٰہی فکر و نظر کے گھڑے ہوئے دلائل پیش نہیں کرتی جو مشکل اصطلاحات سے بوجھل ہوں۔ جنہیں سمجھنے کے لئے خاص عقل اور علم کی ضرورت ہو۔ اگر عقل میں آ بھی جائیں تو ان میں وہ دلائل نہیں ہوتے کہ انسان کو عالم شک اور دنیائے گمان سے باہر نکال کر حق الیقین کی منزل تک پہنچا دیں۔ اس کے بر عکس قرآن حکیم مظاہر فطرت پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھلے صفحات پر جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور یہ اتنے روشن اور واضح ہیں کہ ہر انسان انہیں اپنی عقلی قابلیت کی استعداد کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ عقل کی گرہ جتنی کشادہ ہونگی اسرار کائنات اتنے زیادہ کھلتے جائیں گے۔ انسان کے گمراہ ہونے کا سبب اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتا۔ وہ رسم و رواج سے ہٹ کر نہیں سوچتا انسان اگر رسم و رواج سے بالا ہو کر خالق کی دی ہوئی عقلی صلاحیتوں کو استعمال کرے تو وہ خود اس کو صحیح سمت میں رہنمائی کے لیے کافی ہو جائیں۔ عقل ہی وہ نور ہے جس سے خالق نے انسان کو جانوروں پر فوقیت عطا فرمائی اور عقل

ہی وہ میزان عدل ہے جو حق اور باطل میں امتیاز کرتا ہے۔ انسان کو کائنات میں دیگر مخلوقات پر عقل کی وجہ سے فضیلت عطا گئی ہے وہ اس جوہر کا جس قدر زیادہ استعمال کرے گا اتنا ہی اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ ہوگا۔

قرآن پاک میں عقل کا مقام

(The Place Of wisdam in Quran)

قرآن عظیم آسمانی کتابوں میں وہ برحق کتاب ہے جو بہت زیادہ عقل کو مخاطب کرتی ہے، عقلی دلائل کی طرف عقل انسانی کی توجہ مبذول کرتی ہے، صاحب عقل کی تعریف اور غافل کی مذمت کرتی ہے، یہ کتاب الٰہی کی ایسی محکم اور واضح حقیقت ہے جس میں کسی کو شک بھی نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم کے دلائل دراصل عقلی دلائل ہیں۔ یہ اپنے قاری کو ہر قدم پر عقلی دلائل سے مطمئن کرکے اس کا ذہنی سانچہ اس طرز کا تیار کرتا ہے کہ پھر وہ کسی بھی دعوے کو تسلیم کرنے سے پہلے اپنی عقل کا اطمینان مانگتا ہے، کسی کا احترام یا جبر اسے کسی رائے کو بغیر اطمینان کے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتا۔ کسی ہستی کا احترام یا اسکی برتری اسے اس پر مجبور نہیں کرسکتی کہ وہ اپنی عقل کو استعمال کیے بغیر اس کی باتوں کو مانے۔

قرآن حکیم میں متعدد ایسی آیات ہیں جن میں عقل انسانی سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ کائنات میں بکھری ہوئی اللہ کی بے شمار نشانیوں میں غور و فکر

کرے۔ کبھی اس کی توجہ ہواؤں کی گردش کی طرف دلائی گئی اور کبھی سورج، چاند اور ستاروں کی حرکات اور کبھی دن رات اور موسموں کے تبدیل ہونے کی طرف۔ کبھی عالم نباتات کی روئیدگی اور کہیں عالم حیوانات کی تخلیق' کبھی عالم آفاق میں فطرت الٰہی کے کھلے شواہد کی طرف' اور کبھی انسان کے اپنے اندر عالم انفس کی طرف، حقیقت یہی ہے کہ قرآن عظیم کا ایک بہت بڑا ایسی آیات و بینات پر مشتمل ہے جن میں انسان کو عالم انفس اور عالم آفاق میں سوچنے اور غور و فکر کی دعوت دی گئی ۔ اس تدبر سے انسان کو بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ یہ کہ انسان کائنات خواص و تاثیرات معلوم کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

{سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ}

ترجمہ: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں۔ (لقمان ۔ ۲۰)

کائنات کی ہر چیز کو انسان کے تابع فرمان بنا دیا گیا ہے۔ اب اسے کام میں لانا انسان کا اپنا کام ہے اور یہ فائدہ تب ہوگا جب انسان غور و فکر اور عقل کو کام میں لائے گا۔ کتاب الٰہی کے نزول کا اہم مقصد تو یہ تھا کہ انسان ظن و ہوی اور اندھی تقلید سے نکل کر تدبر کے راستوں پر قابض طاقتوں کے خلاف اٹھ کر عقل کا بھرپور استعمال کریں اور موجودہ اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے کامیاب زندگی کی راہیں عقل کی بصیرت سے تلاش کریں۔ افسوس کہ ایسا نہیں ہوا عقل کی غلط تاویل کرنے والوں کے بیمار رویّوں نے انسانوں کو عقل سلیم سے ہی بدظن کر دیا۔

اس سلسلے میں علامہ فراہی لکھتے ہیں! ''بہت سارے لوگ جن کی توجہ دینداری اور قرآن وسنت سے لگاؤ پر ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ عقل کا راستہ الٰہی تعلیم کے راستے کی ضد ہے۔ ان کا گمان ہے کہ ایمان توانبیاء کی خبر پر مبنی ہوتا ہے، اور انبیاء کی پہچان بس معجزات ہیں۔ انہوں نے ایمان اور شریعت کے بارے میں جو کچھ تعلیم دی وہ ہم نے ان کے بتانے کی بنیاد پر قبول کرلی۔ اگر عقل کو علوم دین کی راہ بننا ہوتا تو پھر ہم کو وحی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اوراگرایسا نہیں ہوتا تو اللہ نے ایمان بالغیب کی ستائش نہ کی ہوتی۔ یہ گمان اس قدر غالب ہواکہ وہ یہ بھی ماننے لگے کہ شریعت کے سارے احکام صرف اس پر مبنی ہیں کہ اللہ نے ان کا حکم دیا ہے، اور اسی لیئے ہم پر لازم ہے کہ ان میں حکمت کا پہلو تلاش کیئے بنا انہیں اختیار کرلیں۔ چونکہ انہوں نے یہ رائے اختیار کرلی اس لیئے دین کے تمام امور میں وہ عقل وفکر کے استعمال سے دور کردئے گئے۔ قرآن کے دلائل پر غور وفکر تو اس سے آگے کی بات ہے۔ان کی عقل کے سلسلے میں یہ رائے اس لیئے بنی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے عقل سے خود کو منسوب کرنے والے فلاسفہ اور متکلمین کی قلابازیوں اور درماندگی کو دیکھا، چنانچہ وہ عقل کی راہ سے ہی بدگمان ہو گیئے۔ لیکن مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ ان کی گمراہی کی وجہ عقل نہیں تھی، گمراہی کی وجہ یہ تھی کہ فلسفہ بازی کا ان پر غلبہ ہوگیا اورانہوں نے فطرت کا وہ راستہ چھوڑدیا جو انہیں اللہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسولوں کی تعلیمات کے ذریعہ دکھایا تھا۔ اس لیئے اب ہمارے خیال میں ضروری ہے کہ وہ راستہ بتایا جائے۔ تاکہ قرآن جو محکم دلائل اور روشن حکمتیں لایا ہے، اور جو اس نے غور

وفکر کرنے پر ابھارا اور اہل عقل وفکر کو سراہا ہے، لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں'' (حج القرآن)

''تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو ' یہاں کام سے لگا دیا ' سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنا دیا ہے کہ یہ انسانوں کے لئے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ دوسرا مطلب تسخیر کا تابع بنا دینا ہے۔ چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنا دیا گیا ہے جنھیں انسان اپنی حسب منشا استعمال کرتا ہے جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں، گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لئے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر اثر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (فتح القدیر)

قرآن عظیم سے ہدایت اور رہنمائی اہل عقل لیتے ہیں۔ کلام الہی اور عقل کا تعلق ایسے ہی ہے جیسے آنکھ اور روشنی کا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کتاب اللہ میں عبادات کے بارے دو فی صد سے بھی کم آیات ہیں جبکہ نظام کائنات میں غور و فکر کے بارے میں گیارہ فی صد سے زیادہ آیات ہیں۔

جیسا کہ ذیل کی آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے۔:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ

الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ}

ترجمہ: (اِس حقیقت کو پہچاننے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار رہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اِسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔ (البقرہ۔ ۱۶۴)

انسان کے سامنے پھیلے ہوئے مظاہر فطرت خالق کائنات کا ایک عظیم الشان تعارف ہے۔ زمین و آسمان کی شکل میں کارخانہ قدرت کا موجود ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی خالق ہے۔ اشیاء کے ظاہری اختلاف اور تضاد کے باوجود ان میں بہت حد تک ہم آہنگی یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف ایک ہی ہے۔ فطرتی اشیاء میں نفع بخش صلاحیت کا ہونا گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی منصوبہ بندی مکمل شعور کے تحت فرمائی گئی ہے۔ ایک ہی پانی اور خوراک سے طرح طرح کے جان داروں کا بیشمار تعداد میں پایا

جانا خالق کی بے حساب قدرت کا پتہ دیتی ہے۔ ہوا مکمل طور پر انسان کو اپنے گھیرے میں لیے رہتی ہے تاکہ انسان پوری طرح اپنے خالق کے قبضہ میں رہے۔ کائنات کی تمام اشیاء کا انسانی ضرورت کے عین مطابق ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا پروردگار ایک بے حد مہربان ذات پاک ہے جس نے اس کی ضروریات کا اہتمام اس وقت سے کیا جب کہ اس کا وجود بھی نہیں تھا۔ کائنات میں اس طرح کی نشانیاں گویا مخلوقات کے اندر خالق کائنات کی علامات ہیں۔ یہ خالق کی ذات پاک کا، اس کے ایک رب ہونے کا اور تمام صفاتِ کمال کا جامع ہونے کا اتنے بڑے پیمانہ پر اظہار کر رہی ہیں کہ کوئی صاحب عقل اس کو دیکھنے سے محروم نہ رہے اور کوئی باشعور ان کو حاصل کرنے سے عاجز نہ رہے۔ دلائل سے وہی انسان سبق حاصل کرتا ہے جو دلائل کو عقل سلیم سے دیکھتا ہو۔ وہ حق کو جاننے کے معاملہ میں سنجیدہ ہو۔

ایک اور مقام پر معاشرتی اور گھریلو مسائل کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان مسائل سے اہل عقل ہی احکام کی حکمت و مصلحت جان سکتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

{ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ }

ترجمہ: اس طرح اللہ اپنی آیتوں کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے تاکہ تم (احکامِ شریعت اور آدابِ زندگی کو) عقل سے سمجھ سکو۔ (النور۔ ٦١)

دوسرے مقام پر مظاہر فطرت میں دانش مندوں کے لیے یقین و ایمان کے دلائل و بصائر کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان بصائر اور دلائل سے نتائج اخذ کرنا ان

کی تحقیق و تدوین کرنا اہل عقل کا کام ہے جو اپنے عہد کے علوم و فنون کو مدنظر رکھتے ہوئے بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان بہم فراہم کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ٥ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ٥ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ}

ترجمہ: اور اللہ تعالی ہی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو اس مرنے کے بعد زندہ کیا۔ بیشک اس میں سننے والوں کے لئے نشانی ہے۔ اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور عمدہ روزی بھی۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لئے تو اس میں (قدرت کی) بہت بڑی نشانی ہے۔ (النحل۔۶۷)

بارش اور نباتات کے نظامہائے قدرت اپنے اندر بہت بڑے اسباق رکھتے ہیں۔ کئی عوامل کی مشترکہ کارفرمائی سے پانی کے قطرے فضا میں پہنچ کر دوبارہ زمین پر بارش کی شکل میں برستے ہیں۔ پھر جا کر بارش حیرت انگیز طور پر

زمین پر سبزہ اگانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اہل عقل کے لیے اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ کائنات میں ہر طرف ایک خالق کی کارفرمائی ہے۔ یہاں اگر کئی خداؤں کی کارفرمائی ہوتی تو کائنات کی مختلف قوتیں آپس میں اس طرح ہم آہنگی سے مشترکہ عمل نہیں کر سکتی تھیں۔ کائنات کے نظام کی وحدانیت واضح طور پر اہل عقل کے لیے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف ایک ہے۔

دوسرا سبق اس سے یہ ملتا ہے کہ خالق کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ وہ مردہ جسم میں زندگی کی روح پیدا کر سکتی ہے وہ خشک اشیاء میں ہریالی' رنگ اور خوشبو کیوں نہیں لاسکتی؟۔ اس آیت میں دوسرا واقعہ تمثیل کے روپ میں ہے کہ اسی طرح انسانی روحوں کے لیے بھی ایک بارش ہے، جو انسان اپنی مردہ اور سوکھی ہوئی روح کو نئی زندگی دینا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن و سنت کی بارش سے سیراب کریں۔

دودھ دینے والے جانوروں کی خصوصیت ہے کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں اس سے ان کے اندر گوبر اور خون بنتا ہے، اسی کے درمیان سے دودھ جیسا قیمتی سیال بھی نکلتا ہے جو انسان کے لیے بہترین غذا ہے۔ اسی طرح نباتات ہیں ان کے اندر مٹی اور پانی جیسی چیزیں داخل ہوتی ہیں ان کے اندرونی نظام کے تحت بہت اعلیٰ قسم کے رس دار پھل شاخوں پر لٹک جاتے ہیں ہیں۔ جن کے ذائقے میں کسی چیز کی آمیزش کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ حیوانات کے جسم میں خوراک کا مقام ایک ہی ہے جہاں چارا، گھاس، بھوسہ وغیرہ پہنچتا ہے اور دودھ، خون، گوبر سب اسی خوراک سے پیدا ہوتے ہیں، آپس میں ملنے نہیں

پاتے ، دودھ میں خون کی رنگت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا نہ گوبر کی بو کا ، نہایت صاف لطیف دودھ آتا ہے ۔ اس سے قدرت الٰہی کی عجیب کاری گری ظاہر ہوتی ہے ۔ شفق بلخیؒ کا قول ہے "کہ نعمت کا اتمام یہی ہے کہ دودھ صاف خالص آئے اور اس میں خون اور گوبر کے رنگ و بو کا نام و نشان نہ ہو ورنہ نعمت تام نہ ہوگی اور طبع سلیم اس کو قبول نہ کرے گی جیسی صاف نعمت رب کی طرف سے پہنچتی ہے ۔ بندے کو لازم ہے کہ وہ بھی پروردگار کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کرے اور اس کے عمل ریا اور ہوائے نفس کی آمیزشوں سے پاک و صاف ہوں تاکہ شرف قبول سے مشرف ہوں ۔"

"يَسْمَعُوْنَ" کے معنی ہیں جو لوگ کان کھول کر عقل سلیم سے بات کو سن کر سمجھتے اور اسے قبول کرتے ہیں ان کے لیے تو ان مظاہر فطرت میں توحید اور قیامت سب کی نشانیاں موجود ہیں ۔ رہے وہ لوگ جو دانش سے سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو وہ اللہ کے قانون کی زد میں آئے ہوئے ہیں ۔ ایسے انسانوں کے کانوں کو کوئی چیز بھی نہیں کھول سکتی ۔

"عِبْرَة" کا معنی یہ ہے کہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک پہنچا جائے ۔ عبرت ہی علم و عقل کی کلید ہے ۔ جس انسان کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اس کے لیے ہدایت کے دروازہ کھل جاتے ہیں ۔ اس ہدایت کی روشنی میں باقی دروازے خود کھلتے جاتے ہیں ۔ جو لوگ اپنی عقلی صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں ، ان کے عقل و دل کی آنکھیں بھی اندھی ہو جاتی ہیں ، وہ دیکھتے تو سب کچھ ہیں مگر ان کو سوجھتا کچھ بھی نہیں ۔ قرآن حکیم میں بکثرت عقل کے استعمال پر زور دیا گیا ہے جی سے

عقل کی اہمیت اہل دانش پر ظاہر ہو جانی چاہیے۔

قرآن مجید کے دلائل، فطرت سے قریب

خالق نے اپنی کائنات میں یہ گونا گون و بوقلمون نعمتیں اس لیے رکھی ہیں کہ عقل والے سوچیں اور سمجھنے والے سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ کائنات اپنی بقا کے لیے ان تنوعات کی محتاج نہیں تھی، یہ سادہ اور بے رنگ بھی ہو سکتی تھی لیکن قدرت نے یہ چاہا کہ یہ اس کی فطرت کا ایک مظہر ہو تاکہ فہم و فراست والے تدبر کریں اور اس کی ایک ایک چیز سے اس کے خالق کی اعلیٰ صفات، قدرت و حکمت، غیر محدود رافت و رحمت، ربوبیت و پروردگاری اور اس کی کامل وحدت و یکتائی کا کچھ تصور اور اس کی روشنی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس کر سکیں۔ ان پر اگر غور کرو گے تو بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہو اور حکمت الٰہیہ کے عجائب سے تمہیں آگاہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان روزہ مرہ دکھائی دینے والی اشیاء پر اگر غور کریں گے تو یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ تنوع میں یکسانیت۔ اختلاف میں توافق، کثرت میں وحدت اور یہ بیمثال نظم وضبط بغیر کسی علیم، حکیم اور قدرت والے خالق کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ مظاہر فطرت ان کو فائدہ دیتے ہیں جن کی عقل کی آنکھ بینا ہے اور جو اس سے کام لینا پسند کرتے ہیں۔

اہل فکر و دانش کے لئے اس میں دعوت ہے کہ وہ اپنی تحقیقی کوششوں سے ذرے ذرے کا دل چیر کر دیکھیں کہ ان میں اسرار و رموز اور قوت

وطاقت کے سمندر موجزن ہیں جن کے بارے میں ان کی سوچ تک نہ تھی۔ اسی لیے کلام الٰہی نے ہر لمحہ مشاہدہ و تحقیق میں آنے والی اشیاء کا ذکر کرنے کے بعد بارہا "افلا تتفکرون، افلا تتدبرون" کے الفاظ کہے کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تم تدبر نہیں کرتے؟ اور ان چبھتے ہوئے جملوں سے دانش وخرد کو للکارا ہے۔ کیونکہ قرآن کے دلائل فطرت سے قریب ہوتے ہیں، بلکہ غور وفکر اور اس کے اصولوں پر ترغیب دینے والے ہوتے ہیں، پھر بھی ایسے انسان غور وفکر نہیں کرتے، قرآن نے غور وفکر اور تدبر پر بہت زیادہ زور دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

{اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا}

ترجمہ: کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔ (محمد۔ ۲۵)

Then, do they not give serious thought to the Qur'an, or do they have locks on their hearts?

اس طرح کا تذکرہ بہت سی آیات کریمہ میں ہے۔ قرآن حکیم کا انداز اتنا سہل اور دلنشین ہے کہ عام سطح ذہن کا حامل انسان اچھی طرح ان حقائق کو اپنے قلب ونگاہ میں جاگزیں کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بالعموم مسلمانوں کو بالخصوص قرآن حکیم میں بار بار دعوت دی ہے کہ وہ تفکر و تدبر کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے قرآنی آیات کی صداقت و حقانیت کو پرکھیں اس موجود حقائق کو غیر جانبدارانہ نگاہ سے دیکھیں جب وہ چشم بصیرت کھول کر پڑھیں گے اور اس کے معانی و مطالب پر غور وفکر کریں گے تو انہیں اس کے الفاظ اور جملوں میں آفاقی صداقتیں اور

عالمگیر حقیقتیں جلوہ فرما دکھائی دیں گی۔

عقل اور شریعت میں کوئی تعارض نہیں

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عقل اور شریعت میں تعارض نہیں ہوسکتا ہے، پھر بھی آپ محتاط انداز سے عقل کے ساتھ صریح کی قید لگانا ضروری سمجھتے ہیں لکھتے ہیں : عقل صریح سے جو بات معلوم ہو وہ شریعت سے متعارض ہوجائے اس کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ حق یہ ہے کہ عقل صریح سے ثابت بات نقل صحیح سے ثابت بات سے ہرگز نہیں ٹکراسکتی ہے۔ میں نے اس پر غور کیا ان بحثوں میں جو لوگوں کے درمیان ہوا کرتی ہیں، میں نے پایا کہ صحیح اور صریح نصوص کی خلاف وہ فاسد شکوک ہوا کرتے ہیں جن کا باطل ہونا عقل سے ہی معلوم ہوجاتا ہے، بلکہ عقل سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ بات جو ان شکوک کے خلاف ہے اور شریعت کے مطابق ہے وہی درست ہے۔ اس پر میں نے اصولی مسائل میں غور کیا ہے جیسے توحید، صفات الہیہ، تقدیر، نبوت اور آخرت کے مسائل۔ اسی طرح میں نے پایا کہ عقل صریح سے جو معلوم ہوتا ہے اس سے کوئی منقول دلیل کبھی نہیں ٹکراتی ہے، بلکہ وہ منقول دلیل جسے اس کا مخالف سمجھا جاتا ہے، وہ کوئی موضوع حدیث ہوتی ہے یا کوئی ضعیف دلالت ہوتی ہے، وہ اتنی کمزور ہوتی ہے کہ اگر عقل صریح سے نہ ٹکرائے تو بھی دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، چہ جائے کہ عقل صریح سے اس کا تعارض ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ رسول ایسی

چیزوں کی خبر دیتے ہیں جو عقل کے نزدیک محال تو نہیں ہوتی ہیں پر حیران کن ضرور ہوتی ہیں۔ یعنی وہ ایسی چیزوں کی خبر نہیں دیتے ہیں جن کا نہ ہونا عقل سے معلوم ہوتا ہو، بلکہ ایسی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جن کا معلوم کرنا عقل کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ، الناشر دار الکتب العلمیۃ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن پاک کی سپریم اتھارٹی کے تابع عقل، اور سیرت مصطفی ﷺ کی روشنی میں سفر حیات طے کرنا ہی اسلام پر کاربند ہونا ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی وساطت سے ملنے والا رب العزت کا آخری پیغام ہی ہمارا دستورالعمل اور رہنما ہے۔ بقول شاعر مشرق۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است وقدیم
نوع انساں را پیام آخریں
حاصل او رحمۃ اللعالمین ﷺ

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں قرآن عظیم سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی و ہدایت حاصل کریں اور اس کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں۔ اس کے روشن اصول ہمیشہ سامنے رہنے چاہیں ان سے تعلق کبھی بھی منقطع نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
قرآن خواں ہے، مگر صاحبِ کتاب نہیں

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل اور شریعت میں کوئی تضاد نہیں تو اس صورت میں عقل سے ہماری مراد عقل سلیم ہوتی ہے۔ سلامتی فکر والا انسان شرعی احکام کی درستی اور صداقت پر کامل یقین رکھتا ہے لیکن اگر کسی کی عقل میں کجی ہو اور فکر راہ راست سے بھٹکی ہوئی ہو تو اس کے فیصلوں کو علم و حکمت کی دنیا میں معیار اور کسوٹی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہت سے بد باطن فلسفی اور کج فہم مفکر دنیا میں آئے جنہوں قرآنی عظمت کو نہیں پہچانا اور اس کی سچی تعلیمات کو اپنی کم عقلی اور بداندیشی کے سبب نہیں سمجھا اور یہ کتاب عظیم ان کے لیے سرمایہ ہدایت و نجات نہ بن سکی۔

کیا جاہلیت آج بھی زندہ ہے؟

''جاہلیّت'' کا لفظ قرآن حکیم میں چار جگہ استعمال ہوا ہے۔ جاہلیت سے مراد وہ نظام حیات ہے جہاں قانون سازی کے سارے اختیار خالق کائنات کے پاس نہ ہوں بلکہ انسانی اغراض اور خواہشات نفسانی کے ہاتھ ہوں۔ جہاں اقتدار کی مسند پر علم وحی الٰہی کے بجائے انسانی ناقص اور ناتمام علم قابض ہو۔ لفظ جاہلیّت اسلام کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی طریقہ سراسر علمی ہے کیونکہ اس کی رہنمائی وحی الٰہی سے ہوتی ہے جو تمام حقائق کے علم کا منبع و مرکز ہے۔ اس کے علاوہ ہر وہ علم اور طریقے جو اسلام سے مختلف ہیں جاہلیّت کے طریقے ہیں۔ عرب کے زمانۂ قبلِ اسلام کو اسی لیے دورِ جاہلیّت

کہا جاتا ہے کہ اس دور میں علم حقیقی کے بغیر محض وہم و گمان یا خواہشات نفس کی بنا پر لوگوں نے زندگی کے طور طریقے مقرر کیے ہوئے تھے۔ اسی لیے ہر وہ قانون جو اللہ کے نازل کیے ہوئے قانون کے خلاف ہوگا وہ جاہلیت کا قانون ہوگا، خواہ یہ قرون مظلمہ کی تاریکی میں وجود پذیر ہوا ہو یا بیسویں صدی کی روشنی میں۔ یعنی یہ طرزِ عمل جب اور جہاں جس زمانے میں بھی لوگ اختیار کریں گے اسے جاہلیّت ہی کا طرزِ عمل ہی کہا جائے گا۔

لہٰذا خالق کائنات کے عِلم سے بے نیاز ہو کر جتنے نظامِ حیات اِس جزوی عِلم کے ساتھ ظن و واہم اور قیاس و خواہش کی آمیزش سے بنائے جائیں گے وہ سب اُسی جاہلیت کی تعریف میں آئیں گے جیسے قدیم دور کے جاہلی قانون اِس تعریف میں آتے ہیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جزیرہ نما عرب کی کیا حالت تھی۔ یہ انس و محبت اور شفقت و رحمت کرنے والے لوگوں کا خطہ نہیں تھا بلکہ کوہ آتش فشاں کی طرح تھا جس سے ہر لحظہ اور ہر لمحہ بغض و عناد اور ''حمیۃ جاہلیہ'' کی آگ برستی رہتی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسر پیکار تھا۔ اس وقت عرب میں قبائلی نظام رائج تھا اور لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار اپنے عروج پر تھا۔ کسی منظم حکومت کا وجود نہ تھا جس سے رجوع کیا جاتا۔ کسی قبیلے کا کوئی شخص قتل ہو جاتا تو مقتول کے قبیلے کو اس وقت تک چین نہ آتا جب تک انتقام نہ لے لیتا، یہی وہ قبائلی حمیت ہے جسے قرآن حکیم نے ''حمیۃ جاہلیہ'' کا نام دیا ہے۔

رحمت دو عالم ﷺ کی بعثت جس عہد میں ہوئی اس وقت انسانوں میں ہزاروں قسم کے عیوب تھے، بت پرستی، ظلم و ڈاکہ زنی، لڑکیوں کو زندہ دفن

کرنا وغیرہ۔ اہل اسلام کو اس بات سے درس عبرت لینا چاہیئے کہ خالق کائنات نے اس دور کو "جاہلیت کا دور" کہا ہے۔ خالق نے اس عہد کی مذمت کے لئے اس کے عیوب کو ظاہر کر کے اس جیسے دور سے ڈرانے کے لئے عربی جیسی فصیح زبان میں اس زمانے کا نام "جاہلیت" رکھا ہے یہ نہیں فرمایا کہ عہد بت پرستی یا عہد کشت وخوں یا عہد ظلم و زیادتی یا عہد خانہ جنگی۔ بلکہ خالق کائنات نے بڑے جلال سے فرمایا کہ اسلامی نظام کو نہیں مانتے اور شریعت مطہرہ کے قانون کو تسلیم نہیں کرتے تو کیا یہ لوگ دور جاہلیت کو چاہتے ہیں۔

ارشاد فرمایا:

{أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ}

ترجمہ: (اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) توکیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے (المائدہ۔ ۵۰)

Is it, then, the judgement of (the days of) Ignorance that they seek? Who is better in judgement than Allah, for a peo ple who believe?

لوگ جاہلیت سے مراد صرف جاہلیت عربیہ مراد لیتے ہیں یعنی بت پرستی کا دور، دختر کشی کا دور، شراب نوشی کا دور اور رہزنی کا دوران کے تصور میں یہ آتا ہے حالانکہ معاشرت، طرز معیشت، طرز زندگی، فیصلوں کے اصول وضوابط اور محبتیں اور نفرتیں یہ سب جاہلیت کے تصور کے ساتھ شامل ہیں۔ خالق کائنات کا فرمان ہے کہ اے انسان !تم آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس میں ہدایت ہی ہدایت، نور ہی نور ہے مگر تم ایام جہالت

کے ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو جس میں غریب و امیر، کمزور اور طاقتور، حاکم اور محکوم کے لیئے الگ الگ قوانین تھے۔ کیا خالق کائنات کے احکام جو عین عدل و انصاف اور مجسم رحم و کرم ہیں یہ بہترین ہیں یا تمہارے یہ ظالمانہ نظام جہاں خواہشات نفسانی کی تابعداری ہے۔ تم اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر کہیں اور سے فیصلے چاہتے ہو تو معنی یہ ہیں کہ اللہ کی شریعت پر جاہلیت کے قانون کو ترجیح دیتے ہو۔ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھے اس کے لیے اللہ کے حکم سے بڑھ کر کونسا قانون اور کونسا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر ان کے ہاں کوئی حکم اس سے بڑھ کر ہے تو اس کا مطلب یہ ہیں کہ وہ یوم آخرت پر یقین نہیں کرتے۔ اللہ تعالی کے قانون کے خلاف ہر قانون، قانون جاہلیت ہے یہ بات ملحوظ رہے کہ "حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ" کا لفظ "مَآ اَنْزَلَ اللهُ" کے بالمقابل آیا ہے۔۔ اِس سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ ہر وہ قانون جو اللہ کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر بنایا جائے گا، وہ جاہلیت کا ہی قانون ہوگا، خواہ وہ زمانہ قدیم میں بنایا گیا ہو یا عہد جدید میں۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

{اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَه عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا}

ترجمہ: جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی۔ تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ (الفتح ۲۶)

یہاں جاہلانہ حمیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان محض اپنی ناک کی خاطر جان بوجھ کر کوئی ناروا عمل کرے۔ قریش مکہ کو معلوم تھا کہ حج اور عمرے کے لیے بیت اللہ کی زیارت کرنے حق ہر انسان کو حاصل ہے یہ اہل عرب کا قدیم ترین مسلّمہ دستور تھا۔ مگر سرداران قریش صرف اس زعم میں مبتلا تھے کہ اگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ و سلم اتنی بڑی جمیعت کے ساتھ داخل ہو گئے تو پورے عرب میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ یہی وہ حمیت جاہلیہ تھی جس کے سبب انہوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔

تبرج جاہلیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى}

ترجمہ: اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی (الاحزاب۔ ۳۳)

Remain in your homes, and do not display (your) beauty as it used to be displayed in the days of earlier ignorance;

اگلی جاہلیّت کا مطلب قبل اسلام کا عہد ہے اس عہد میں عورتیں اپنی زینت و محاسن کا اظہار اس طرح کرتی تھیں کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسے پہنتی تھیں جس سے جسم کے اعضاء اچھی طرح نہ ڈھکیں اور پچھلی جاہلیّت کا مطلب قرب قیامت کا زمانہ ہے جس میں انسانوں کے اعمال و افعال پہلوں کی طرح ہو جائیں گے۔ عورت کا اصلی دائرۂ کار اس کا گھر ہے۔ اس کی تمام سرگرمیاں اس کے اندر ہی محدود رہنی چاہییں اور اگر کبھی بغرض ضرورت گھر کی حدود سے

باہر قدم رکھنا پڑے تو وہ ان تمام شرعی حدود کی پابندی کرے گی۔ عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا ترقی کی علامت نہیں بلکہ جاہلیت کی طرف رجعت ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو قبل اسلام تھے اور آئندہ بھی جب کبھی ایسے طور طریقے اپنائے جائیں گے یہ جاہلیت ہی ہوگی دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا چاہے ان کے نام کتنے ہی خوش نما دل فریب رکھ لیا جائیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ '' جاہلیت کے دور میں عام طور پر بہت سی عورتیں متعدد مردوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیتی تھیں، لیکن بچہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ عورت ایسے مردوں کا تعین کر کے انہیں طلب کرتی تھی اور سب کی موجودگی میں ان میں سے کسی ایک کو مخاطب کر کے کہتی تھی کہ یہ بچہ تمہارا ہے۔ کسی شخص کو اس فیصلے سے انکار کی جرات نہیں ہوتی تھی اور اسے بچے کی ذمہ داری قبول کرنا پڑتی تھی، جبکہ اس سے زیادہ اشتباہ کی صورت میں قیافہ شناس کو بلایا جاتا تھا جو عورت کی طرف سے جنسی تعلق کے حوالے سے نامزد کیے جانے والے مردوں میں سے قیافہ کی بنیاد پر کسی ایک کا تعین کر دیتا تھا اور اس مرد کو بچے کے باپ کے طور پر ذمہ داری قبول کرنا پڑتی تھی۔'' (بخاری)

عصر حاضر کی جاہلیت

عصر حاضر میں اگر جدید جاہلیت کا موازنہ قدیم جاہلیت سے کریں تو یہ کہنا درست ہوگا کہ موجودہ دور اپنی خباثت، بے حیائی، ننگے پن، اخلاق باختگی، بدکاری، حرام خوری اور شہوت رانی میں زمانہ جاہلیت سے کسی طور کم نہیں

عورتوں اور مردوں کا آپس میں آزادانہ اختلاط، ہم جنس پرستی، زنا، فحاشی، عریانی، شراب، جوا، سود، کہانت، حلال وحرام کی عدم تمیز اور ناچ گانا وغیرہ، یہ سب قدریں ابوجہل اور ابولہب کے زمانہ جاہلیت کا خاصہ ہیں۔ جاہلیت کے طور طریقے اسلام میں نہیں چل سکتے۔ اب اس بات ہر انسان خود فیصلہ کرلے کہ جو ثقافت ہمارے ہاں رائج کی جا رہی ہے وہ کتاب الہی کی رو سے اسلام کی ثقافت ہے یا ایام جاہلیت کی ثقافت۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام جاہلی اقدار کے خاتمے کا نہ صرف اعلان کیا بلکہ انہیں دورجاہلیت کے خاتمے سے تعبیر فرمایا۔ رب کائنات نے آپ ﷺ کو مبعوث فرماکردورجاہلیت کے تمام شرکیہ اعتقادات،فاسد خیالات اور توہمات وخرافات وغیرہ کو ختم کرکے عقیدہ برحق توحید الہی کی شکل میں عطا فرمایا۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا: " لوگو!میری بات غور سے سنو ہوسکتا ہے آئندہ آپ لوگوں سے ملاقات نہ کرسکوں لوگو! بلاشبہ تمہارے خون اورمال تم پر قیامت تک حرام کردئے گئے ہیں جیسے اس دن ،اس مہینے اوراس شہر کی حرمت ہے ،بے شک تم سب عنقریب اپنے رب سے ملاقات کروگے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا ،بے شک میں نے رب کے پیغام کو پہنچا دیا ،لہذا جس کسی کے پاس بھی کسی کی کوئی امانت ہووہ اسے لوٹا دے اور بلاشبہ ہر قسم کے سود کو ختم کردیا گیا اورتمہارے اصل مال کوباقی رکھا گیا ہے ،نہ توتم کسی پر ظلم کرو نہ ہی تم پر کوئی ظلم کیا جائیگا اللہ تعالی کا فیصلہ ہے کہ سود (جائز) نہیں اورابن عباس بن عبد المطلب کا سارا سود ساقط اور ختم کردیا گیا ہے اورجاہلیت کا

ہر خون ختم کردیا گیا ہے اور تمہارا سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں وہ ابن ابی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ہے جو بنو لیث میں دودھ پیتا تھا تو اسے بنوہذیل قبیلہ نے قتل کردیا تھا اور یہ جاہلیت کے خون میں سے پہلا خون ہے جسے میں ختم کرتا ہوں۔'' جاہلیت کی تمام قدریں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں''

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو الدرداءؓ نے کسی سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کو ماں کی گالی دے دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا! تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! تین کام جاہلیت کے ہیں۔ دوسروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں کی گردش سے فال لینا، اور مُردوں پر نوحہ کرنا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم۔

قدرت نے یہ محفل کیوں سجائی؟

اللہ تعالی نے زندگی کے اس سہانے سفر کو دلچسپ بنانے کی خاطر آئندہ پیش آنے والے تمام مراحل کو طے فرما کر ان پر غیب کا پردہ ڈال دیا اور اپنی نشانیاں ہر طرف بکھیر دیں۔ تاکہ انسان خود ان سے اپنے مالک و خالق کی معرفت حاصل کر سکے لیکن اس مہم کی آسانی کی خاطر رحمٰن ورحیم نے انسانی نفس کو ہموار فرمایا اس کے اندر تقویٰ اور فجور کا الہام بھی فرما دیا۔ اسے علم و معرفت کی نعمت سے بھی سرفراز فرما دیا اور اپنے برگزیدہ رسولوں کا سلسلہ

جاری فرما کر اپنے احسانات کا اتمام بھی فرما دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ محفل کیوں سجائی گئی؟ بقول شاعر مشرق کے اس کی دو وجوہات ہیں :

سلسلۂ روز و شب، تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

اولاً دن اور رات کے ان سیاہ و سفید دھاگوں سے انسان اپنی صفات کا لباس بنتا ہے۔ وہ آزاد ہے جیسا چاہے لباس زیب تن کرے اور جو صفات چاہے اختیار کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس روز و شب کی کشمکش انسانوں کو ان کے اندر پوشیدہ قوت عمل سے بھی آگاہ کرتی ہے جن کی مدد سے انسان نا ممکن کو ممکن کے سانچے میں ڈھالتا ہے اور ثقافتی و سائنسی ارتقاء پر رواں دواں ہے۔ اس مرحلہ میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس ارتقاء کی غرض و غایت کیا ہے؟ جواب شاعر مشرق کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے
سلسلۂ روز و شب ، صیرفی کائنات
تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات

کائنات کو Work Of God (خالق کائنات کا کارنامہ اور عمل) اور قرآن کو World Of God (خالق کائنات کے الفاظ) کہا گیا ہے۔ ایک ہی ہستی کے یہ دونوں کارنامے ہیں۔ اور ان میں کوئی تضاد اور اختلاف موجود نہیں

ہے۔ قرآن حکیم کی عملی تعبیر کائنات کے حسین نقش کی صورت میں صفحہ ہستی پر بکھیر دیا گیا ہے۔ اسے کتاب فطرت کہا گیا ہے کیونکہ اس کے فرامین 'تعلیمات' ہدایات نفسیات انسانی کا عکس اور اس کی حقیقی ترجمان ہیں۔

کائنات میں صِفاتِ اِلٰہی کے جَلوے

یہ کائنات کسی بہرے یا اندھے عمل کی آماجگاہ نہیں ہے بلکہ یہ مکمل نظام اور اصول وضوابط سے مربوط ہے۔ صحیفہء فطرت میں انسان کو کسی قسم کی بد نظمی یا انتشار کی صورت نظر نہیں آئیگی۔ قدم قدم پر انتہائی درجے کی حکمت عملی اور منصوبہ بندی نظر آئے گی۔ اس عالم فطرت میں ذرے سے لے کر نظام شمسی تک ہر ایک میں خالق کی حکمت کی جلوے نظر آئیں گے۔ جو ایک قادر مطلق ذات کی صفات عالیہ کے نظارے ہیں۔ خالق کائنات کی بہت سی صفات حسنہ ہیں۔ ایک ان میں سے ''الخالق'' ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا کامل حکمت کے ساتھ اندازہ کرنے والا ہے۔ اس کی صفت خالقیت نے مادہ پیدا کیا پھر اس سے آگے اس کی تخلیق کا سلسلہ چلا۔ عالم دنیا میں جہاں بھی زمینیں اور حیات پائی جاتی ہے وہ ان سب کا بھی خالق ومالک ہے بلکہ وہ ہر طرح سے ربوبیت کے ذریعے زندگی کی درجہ بدرجہ نشوونما بھی فرما رہا ہے۔ خالق کائنات کی صفات کو جاننے کے لئے کتاب الٰہی نے متعدد بار انسان کو دعوت فکر دی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس کی عرفان و معرفت اور صفات کے جلوے جو عالم فطرت میں ہیں دیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

صفات الٰہی کی پہچان حاصل کرنا خالق بندگی اور اس کا عبد بننا انسان کا مقصد حیات مقرر کیا گیا ہے ۔ اس کی صفت خلاق کے مظاہر عالم میں جگہ جگہ جلوہ افروز ہیں۔ عالم آفاق میں دیگر بے شمار مخلوقات کو تخلیق کر کے اپنی حکمت کاملہ کا اور اپنے خالق و باری اور مصور ہونے کا اعلیٰ ثبوت فراہم کیا۔ اس کائنات کے نظاروں کو اِس قدر حسین و جمیل بنایا کہ اِن دِل کش اور جاذبِ نظر ماحول میں صاحب بصیرت انسان بار بار گم ہو جاتا ہے۔ کبھی زمین کی دلکش رعنائیاں دامنِ دل کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں کبھی عالم اَفلاک کی دِلکش وُسعتیں، کبھی ہواؤں کی روانیاں راحتِ جاں بنتی ہیں کبھی فضاؤں میں گونجنے والے حسین نغماتِ اس کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ یہ عالم آب و گِل حسن و عشق کے ہنگاموں کا مرکز ہے۔ الغرض علم العقائد کی رو سے خدائی صفات کی دو اقسام ہیں۔ (۱) صفات ذاتی (۲) صفات فعلی۔ اول الذکر سے مراد حیات 'قدرت 'علم 'کلام 'سمع 'بصر و ارادہ ہیں۔ ثانی الذکر سے مراد پیدا کرنا 'رزق دینا 'مارنا 'زندہ کرنا ہیں۔

''جس میں حسن کبھی گلِ لالہ کی نرم و نازک پنکھڑیوں سے عیاں ہوتا ہے اور کبھی اُن کی دلفریب مہک سے۔ نغماتِ حسن کبھی آبشاروں میں سنائی دیتے ہیں اور کبھی دریاؤں اور نہروں کے سکوت میں۔ کہیں باغات کی دِلکش رونقیں چہرۂ حسن کو بے نقاب کرتی ہیں اور کہیں صحراؤں کی خاموشیاں۔ کہیں سمندروں کا بہاؤ حسن میں ڈھلتا دِکھائی دیتا ہے تو کہیں سبزہ زاروں کا پھیلاؤ۔ الغرض ہر سُو حسن کی جلوہ سامانیاں ہیں اور نگاہ و دِل خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ عالمِ آفاق کے نغماتِ حُسن کی صدائے بازگشت

اَنفسی کائنات کے نہاں خانوں میں سنائی دے رہی ہیں اور کائناتِ خارجی کی بے کراں وُسعتوں میں بھی، غرض یہ کہ حسین خواہشات ہر سُو مچل رہی ہیں۔ یہی خواہشات خوگرِ حُسن بھی ہیں اور پیکرِ حُسن بھی۔ تخیلات بھی حُسن سے سکون پاتے ہیں اور تصوّرات بھی اُسی کے مشتاق ہیں۔ اہلِ دل کبھی حُسن کو جلوَت میں تلاش کرتے ہیں، کبھی خلوَت میں۔ کوئی جلوۂ حُسن میں مست ہے اور کوئی تصورِ حُسن میں بے خود۔ اِس کارگہِ حیات میں ہر کوئی حُسن کا متلاشی ہے۔ کوئی ذوق و شوق کے مرحلے میں ہے تو کوئی جذب و کیف کے مقام پر، کوئی سوز و مستی میں ہے، کوئی وجد و حال میں، لیکن شبستانِ عشق میں ہر کسی کو نورِ حسن ہی کی کوئی نہ کوئی شعاع میسر ہے۔ دل کہتا ہے کہ حُسن کے دِلفریب جلوے جو اِس قدر کثرت سے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں، کہیں نہ کہیں اُن کا منبع ضرور ہو گا، کہیں نہ کہیں وہ سرچشمۂ حُسن یقیناً موجود ہو گا جہاں سے سب کے سب جمالیاتی سُوتے پھوٹ رہے ہیں۔ ہر خوب سے خوب تر کا وجود اور حسیں سے حسیں تر کا نشان یہ بتلاتا ہے کہ کہیں نہ کہیں حُسن و رعنائی کا آخری نظارہ بھی ہو گا، تلاشِ حُسن کا سفر کہیں تو ختم ہوتا ہو گا۔ آنکھیں کہتی ہیں، بیشک کہیں وہ آخری تصویرِ حسن بھی ہو گی جسے دیکھ کر بے تسکین کو بھی سکوں آ جائے۔ رُوح پکارتی ہے بلاشبہ کہیں وہ حریم ناز بھی ہو گا جہاں سب بے چینیاں ختم ہو جائیں اور راحتیں تکمیل کو پہنچ جائیں۔'' (ضیاء القرآن)

کائنات اپنی تخلیقی معنویت کی صورت میں خالق کی صفات کا آئینہ ہے۔ یہ خود حمد و تسبیح میں مصروف ہو کر انسان کو بھی حمد و تسبیح کی دعوت دیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ}

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ بادشاہ حقیقی پاک ذات (ہر عیب سے) سالم امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا۔ خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے ۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق ایجاد و اختراع کرنیوالا صورتیں بنانے والا اسکے سب اچھے سے اچھے نام ہیں جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے ۔ (الحشر۔ ۲۲)

اس کی ربوبیت کا فیض عام ہے وہ سچا رب ہے ۔ اسے قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا ہر ایک بندہ کا فرض ہے ۔ وہ رب العالمین ہے اس کی ربوبیت کسی خاص قوم تک محدود نہیں اور نہ کسی خاص زمانہ تک اور نہ کسی خاص ملک تک ۔ وہ سب قوموں کا رب ہے اور تمام زمانوں کا رب ہے ۔ اور یہ نہیں کہ خدا نے فلاں فلاں قوم پر احسان کیا مگر ہم پر نہ کیا ۔ یا فلاں قوم کو کتاب ملی ۔ تا کہ وہ ہدایت پاویں مگر ہم کو نہ ملی ۔ یا فلاں زمانہ میں وہ اپنی وحی اور الہام اور معجزات کے ساتھ ظاہر ہوا۔ مگر ہم کو اس سے اس نے محروم رکھا ۔ مگر اس

کا فیض عام بلا امتیاز مذہب ملت ۔ ملک زمان ومکان سب کے لئے ہمیشہ سے جاری ساری ہے ۔ مگر اس کے فیض عام کے انکار کے نتیجہ میں عجیب بات ہے کہ آریہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمیشہ آریہ خاندانوں اور آریہ وردت تک ہی الہام الٰہی خاص رہا ہے اور وہ پرمیشر کی زبان ہے ۔ اور یہی یہود کا خیال ہے کہ اپنے خاندان اور اپنی کتابوں کی نسبت ان کے نزدیک بھی خدا کی اصلی زبان عبرانی ہے ۔ اور ہمیشہ خدا کا الہام کا سلسلہ انہیں کے ملک تک محدود رہا ۔ اسی طرح پارسی اپنے مذہب کی بنیاد سب مذاہب سے کئی ارب سال پہلے بتلاتے ہیں وہ بھی وہی الہام کے سلسلہ کو اپنے ملک میں اپنی کتابوں تک محدود کر دیتے ہیں ۔ مگر ان مذاہب کے دعاوی کے بر عکس اسلام نے دنیا کے سامنے جس رب العالمین خدا کو پیش کیا کہ جس نے اپنی ربوبیت عالمین میں کوئی فرق نہیں دکھایا سب کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت خدا کی زمین فرش کا کام رہی ہے ۔

اللہ ذات برحق ہے کلمہ اللہ اس کا ذاتی نام ہے ۔ قرآنی آیت ''لہ الاسماء الحسنیٰ'' کے مطابق اس کے بہت سے صفاتی نام ہیں ۔ یہ خوبصورت نام ات صفات کی عکاسی کرتے ہیں جو اس عالم رنگ و بو میں ہم شب و روز جلوہ فرما دیکھتے ہیں ۔ کائنات اور اس کے آفاق ان اوصاف الٰہی کے مظاہر ان کی تجلیات ہیں ۔ ربوبیت 'خلاقی' رزاقی وغیرہ کی صفتیں روزانہ ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں ۔ اللہ رب العزت اپنی صفات کے ذریعے اپنے جلوے دکھا رہا ہے ۔ اس حقیقت کی ترجمانی اس شعر میں کی گی ہے ۔

ذرے ذرے میں ہو تم ہی جلوہ نما گل کی بو ہو تمہیں چاند کی روشنی
رخ سے سرکار کے پردہ ذرا ایک دن اپنا جلوہ دکھاؤ تو کیا بات ہے

خالق کائنات کے علم کا آفاقی نظارہ

خالق کائنات نے قرآن حکیم کی شکل میں ایک ایسی برحق کتاب نازل فرمائی ہے جس میں اس نے اپنے علم قطعی کی روشنی میں اُن تمام امور کی تفصیل بیان کر دی جس پر عمل کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہزاروں، لاکھوں، بلکہ اربوں انسانوں کے ہر قول و عمل کا ریکارڈ محفوظ رکھنا خالق کائنات کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں سب اس کے علم کے احاطہ میں ہے، اِس لیے روز قیامت ہر انسان پکار اٹھے گا کہ یہ کیسا دفتر علم ہے کہ جس میں ہر چھوٹی بڑی چیز پوری جزئیات کے ساتھ موجود ہے۔ یہ اس لحاظ سے کائنات میں ایک ''ہمہ داں'' ہستی کا وجود اور ایک ہی خلاق ہستی کے وجود کا ثبوت ہے۔ کیونکہ تخلیق و علم دونوں لازم و ملزوم ہیں جو کسی شئے کا خالق ہوتا ہے وہ اس کے اجزاء' کارکردگی اور طور طریقے سب اس کے علم میں پہلے موجود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ}

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے (اعراف۔ ۵۲)

Surely We have brought them a book that We have

elaborated with knowledge, as guidance and mercy for a people who believe.

آیت کریمہ میں لفظ '' عِلم '' آیا ہے یعنی ایسے علم کی بنیاد پر جو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور بالکل اٹل ہو۔ کتاب الٰہی کی خبریں محض خبریں نہیں ہیں بلکہ یہ کائنات کی اٹل حقیقتیں ہیں۔ تاہم ابھی کچھ واقعات کی صورت میں ظاہر نہیں ہوئیں، ابھی وہ مستقبل کے پردہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ اس بنا پر غافل انسان یہ کہتا ہے کہ یہ پرانی باتیں ہیں وہ انہیں عام سمجھ کر نظر انداز کر رہا ہے ۔ حالانکہ یہ معلومات خالق کائنات کی طرف سے ہیں جو تمام علوم کا جاننے والا ہے۔ جن انسانوں نے نہ اپنی فطرت میں بگاڑ پیدا کیا اور نہ ہی ان کی آنکھوں پر غفلت کے پردے ہیں وہ قرآن کے علوم کو اپنے دل کی آواز پائیں گے۔ یہ چیز انہیں عین وہی معلوم ہوگی جس کی تلاش ان کی فطرت سلیمہ پہلے سے کر رہی تھی۔ قرآن ان کے لیے زندگی اور یقین کا خزانہ بن جائے گا۔ اوّل تو اس کتاب کے مضامین' علوم اور تعلیمات اس قدر واضح ہیں کہ انسان اگر غور و فکر کرے تو اس کے سامنے راہِ حق واضح ہو سکتی ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ}

ترجمہ: ہاں جو میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ (الانعام۔ ۸۰)

My Lord encompasses everything with His knowledge. Would you, then, take no lesson?

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ}

ترجمہ: الرا۔ یہ وہ کتاب ہے۔ جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کردی گئی ہیں۔ (ہود۔ ۱)

Alif , Lam , Ra . (This is) a book the verses of which have been made firm, and elaborated by the One who is All Wise, All Aware,

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

{اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ}

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے (الحج۔ ۷۰)

Do you not know that Allah knows all that is in the sky and the earth? Surely, that is contained in a Book. Indeed it is so easy for Allah.

کائنات میں اللہ تعالیٰ کی جو تخلیقی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ انسان کے لیے اضافہ ایمان کا ذریعہ بھی ہیں اور انہیں سے دعوت حق کے لیے مضبوط دلائل بھی حاصل ہوتے ہیں۔ رب کائنات نے تخلیق ارض و سما کرتے ہوئے ان میں اپنی شان قدرت کے ایسے انوکھے کرشمے دکھائے ہیں کہ ان پر جتنا غور و فکر کرتے جائیں ان کی حالتیں اتنی زیادہ منکشف ہوتی جاتی ہیں۔ کائنات عالم کی رعنائی و رنگینی اس طرح ہمارے نگاہوں میں جلوہ ریز

ہوتی ہے کہ ہم انفس و آفاق کے ہر منظر اور منظر میں خلاق دو جہاں کی صنعت و کاریگری پر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ سبحان اللہ! عالم انسان ہو یا حیوانات کی دنیا 'نباتات کی کرشمہ آفرینیاں ہوں یا جمادات کے عجوبے جتنا غور کرتے جائیں اتنا ہی حیرت و تعجب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ہر شئے کی ماہیت و اصلیت کو ہماری عقلیں سمجھنے سے بھی قاصر رہ جاتی ہیں۔ انسانی زندگیاں تفکر و تدبر کرتے ختم ہو جاتی ہے لیکن عجائب قدرت کی حدود ختم نہیں ہوتیں۔

آزمائش اعمال (Test Of Deeds)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾

ترجمہ: اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے۔ (الملک۔ ۲)

[He] who created death and life to test you [as to] which of you is best in deed - and He is the Exalted in Might, the Forgiving -

خالق کائنات نے انسانوں کے مرنے اور جینے کا سلسلہ اس لیے شروع کیا ہے کہ اس بات کا امتحان لیا جائے کہ کس انسان کا عمل زیادہ بہتر ہے۔ اس مختصر سے جملے میں بہت سی حقیقتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) یہ کہ زندگی اور موت اسی کی طرف سے ہے، کوئی دوسرا زندگی عطا کرنے والا ہے نہ موت دینے والا۔

(۲) یہ کہ انسان جسے خیر اور برائی کرنے کی طاقت عطا کی گئی ہے، اس کی نہ زندگی بے مقصد ہے نہ موت۔ پروردگار نے اسے یہاں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور زندگی اس امتحان کے لیے مہلت ہے اور موت سے مراد یہ ہے کہ امتحان کا وقت ختم ہو گیا ہے۔

(۳) یہ کہ اسی امتحان کے لیے خالق نے ہر ایک انسان کو عمل کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے تاکہ انسان دنیا میں عمل کر کے اپنی اچھائی یا برائی کا اظہار کر سکے اور عملاً یہ ثابت کر سکے کہ وہ کیسا انسان ہے؟۔

(۴) یہ کہ خالق ہی اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا ہے۔ لہذا جو انسان اس امتحان میں کامیاب ہونا چاہتا اسے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ ممتحن کے نزدیک احسن عمل کیا ہے۔

(۵) اہم نکتہ خود امتحان کے مفہوم میں پوشیدہ ہے وہ یہ کہ جس انسان کا جیسا عمل ہو گا اسے اس کے مطابق جزا ملے گی، کیونکہ اگر سزا اور جزا نہ ہو تو سرے سے امتحان لینے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا}

ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ اِن لوگوں کو آزمائیں اِن میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ (الکھف ۔ ۷)

Surely, We have made what is on earth an adornment for it, so that We test them as to who among them is better in deeds.

یہ سر و سامان جو زمین کی سطح پر انسان دیکھتا ہے اور جس کی رونقوں پر فریفتہ ہوتا ہے، یہ عارضی زینت ہے جو محض انسانوں کی آزمائش کے لیے مہیا کی گئی ہے۔ انسان غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ تمام اس کی عیش و عشرت کے لیے ہے، اسی لیے وہ زندگی کے مزے لوٹنے کے سوا اور حقیقی مقصد کی طرف توجہ نہیں دیتا، اور نہ ہی وہ کسی ہادی کی بات پر توجہ دیتا ہے۔ حقیقت میں یہ سامان عیش نہیں بلکہ وسائل امتحان ہیں جن کے درمیان انسان کو رکھ کر آزمایا جا رہا ہے کہ کون اپنی حقیقت کو فراموش کر کے دنیا کی ان لذتوں میں کھو جاتا ہے، اور کون اپنے حقیقی مقام (بندگی) کو یاد رکھ کر صحیح منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔ جس دن یہ امتحان ختم ہو جائے گا' اسی دن یہ بساط دنیا اُلٹ دی جائے گی۔ روئے زمین میں جو کچھ ہے، حیوانات، جمادات، نباتات، معدنیات اور دیگر مدفون خزانے، یہ سب دنیا کی زینت اور رونق ہیں

"یہ باغ و بہار یہ مرغزار و کوہسار، یہ گل و عندلیب، یہ بہتے ہوئے دریا، یہ پھیلے ہوئے صحرا، یہ صبح کا اجالا، اور مغرب کی شفق، غرضیکہ حسن و جمال کی یہ نمائش جو ہر جگہ ہو رہی ہے۔ اس لیے نہیں کہ لوگ اس میں کھو جائیں اور داد عیش دیتے زندگی گزار کر رخصت ہو جائیں بلکہ یہ سب آزمائشیں ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون حسن مجازی اور جمال فانی کے ناز و ادا پر فریفتہ ہو کر رہ جاتا ہے اور کون وہ بلند نظر اور عالی ظرف ہے جو ان تمام دلکشیوں سے دامن دل بچاتا ہوا حریم محبوب کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے

کہ وہ ظاہری حسن وزیبائی کی پرستش میں وقت برباد نہ کرے بلکہ اپنے خالق حقیقی کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں وقف کردے۔ (ضیاء القرآن)

روایت میں ہے حضرت ابن عمرؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ "اَحۡسَنُ عَمَلًا" سے مراد کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا:

{اَحۡسَنُکُمۡ عَقۡلاً وَّاَوۡرَعُکُمۡ عَنۡ مَحَارِمِ اللّٰہِ وَاَسۡرَعُکُمۡ فِیۡ طَاعَتِہٖ سُبۡحَانَہٗ}

ترجمہ: جس کی سمجھ اچھی ہو، حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے۔

(۲) {اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا}

ترجمہ: رہے وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں، تو یقیناً ہم نیکو کار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے (الکہف۔ ۳۰)

As for those who believe and do righteous deeds,_of course, We do not waste the reward of those who are good in deeds.

جن انسانوں کے دل گھمنڈ، مصلحت اور ظاہر پرستی سے خالی ہوتے ہیں، ان کے سامنے جب حق ظاہر ہوتا ہے تو وہ اسے فوراً پہچان لیتے ہیں۔ خواہ وہ حق ایک انسان کی زبان سے کیوں نہ ظاہر ہو۔ وہ اپنے آپ کو سچائی کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔ وہ اپنی حیات کو اس کے مطابق تبدیل کر دیتے ہیں نہ کہ خود حق کو اپنی حیات کے مطابق ڈھالنے لگتے ہیں۔ جو اس طرح حق کا ساتھ دیں گے وہی اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ انہی انسانوں یوم آخرت شاہانہ

انعامات سے نوازا جائے گا۔ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے؟ جو اسے اطاعت کے لیے استعمال کرے گا اس کے لیے بہترین جزاء ہے اور جو شرکشی کرے گا اس کے لیے عذاب ہے۔ یعنی انسانوں کو آزمایا جارہا ہے کہ اسے خود اس کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جاسکے کہ وہ اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنانا چاہتا ہے یا جہنم کا سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ہر روز سارے نفوس اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور پھر اس سودے کے عوض کوئی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لیتا ہے، تو کوئی اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا دیتا ہے''

یعنی انسان اپنے نفس کو بیچ کر جو مہلتِ عمل پاتا ہے وہی اس کی متاع حیات ہے۔ اس انمول خزانے کی اگر انسان ناقدری کر کے اسے ضائع کر دیتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا غلط استعمال کر کے وہ اپنے آپ کو غضب کا مستحق بنا لیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

{وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ}

ترجمہ: وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے، پھر دوسرے روز وہ تمہیں اِسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا

کرتے رہے ہو (انعام۔ ٦٠)

He is the One who recalls your souls by night, and knows what you do by day; then He makes you rise up therein, so that a fixed term may be fulfilled. Thereafter, to Him are you to return; then He will tell you what you have been doing.

اس آیت پاک میں "بَعث بعدَ الموت" یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے پر دلیل ذکر فرمائی گئی جس طرح روزمرّہ سونے کے وقت ایک طرح کی موت تم پر وارد کی جاتی ہے جس سے تمہارے حواس معطل ہو جاتے ہیں اور چلنا پھرنا پکڑنا اور بیداری کے افعال سب معطل ہوتے ہیں، اس کے بعد پھر بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ تمام قُویٰ کو ان کے تصرّفات عطا فرماتا ہے یہ دلیل "بَیِّن" ہے اس بات کی کہ وہ زندگانی کے "تصرُّفات بعدِموت" عطا کرنے پر اسی طرح قادر ہے۔ انسانی زندگی کو عام طور پر ماضی، حال اور مستقبل کے خانوں میں تقسیم کر کے دیکھا جاتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان تینوں کی سرحدیں ایک دوسرے کے اندر اس طرح پیوست ہیں کہ ان کو جدا کرنا ایک امرِ محال ہے۔ انسان دو پہیوں کی سواری ہے اس کا اٹھنے والا قدم جب زندگی کے ایک پرانے لمحے کو ماضی کے نہاں خانے میں پھینک رہا ہوتا ہے اسی وقت دوسرا قدم مستقبل کے خزانے سے ایک نیا لمحہ اچک رہا ہوتا ہے۔ گویا انسان بیک وقت ماضی اور مستقبل سے نبرد آزما ہوتا ہے اور اس کے درمیان اس کا حال نہ جانے کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ایک وقت خاص تک جاری رہتا ہے اور اسے اچانک پتہ چلتا ہے کہ اس کے مستقبل کا خزانہ خالی ہو چکا ہے اور ماضی کا گوشوارہ بند کیا جا چکا ہے۔ انسان کے لیے یہ

دنیا دار العمل ہیں یہاں ہم امتحانی دور سے گزر رہے ہیں۔ نیک و بد اعمال فرشتے کرام الکاتبین لکھتے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ انسان کی موت کے ساتھ بند کردیا جاتا ہے۔ پھر یوم الجزاء قائم ہوتے ہی نامہ اعمال انسانی ہاتھوں میں تھما دئیے جائیں گے دنیاوی زندگی کی کارکردگی کی مناسبت سے جنت و جہنم میں ایک ہمارا ٹھکانہ قرار پائے گی۔

موت ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے۔ مگر انسان سائنسی تحقیقات کی ترقی کے باوجود موت پر قابو نہ پا سکا انسانی جسم کی ساخت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ انسان اس پر کبھی قابو پاسکے گا لہذا موت جب اٹل حقیقت ہے تو یہ سوال کہ موت کے اس پار کیا ہے انسان کی اولین توجہ کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اتنے اہم مسئلے پر سنجیدگی سے غور نہ کرنا یا کوئی اندھا اور غیر حقیقت پسندانہ عقیدہ اپنے ذہن میں بٹھالینا وہ بنیادی غلطی ہے جس کے نتیجہ میں انسان کی ساری زندگی غلط ہوکر رہ جاتی ہے ۔ دوسری عظیم حقیقت جس پر سے قرآن پردہ اٹھاتا ہے وہ یہ ہے کہ موت انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ موت تو پُل کی مانند ہے جسے پار کرکے انسان عملی دنیا سے نتائج کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے

گردشِ لیل و نہار (Alternation of Night and Day)

تخلیق کائنات محض دل لگی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ حقیقت و حکمت پر مبنی ہے۔ کائنات اپنی ساخت کے لحاظ سے وسعت پذیر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

کتاب الٰہی گردشِ لیل و نہار کو خالق کائنات کی بڑی بڑی نشانیوں میں شمار کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ}

ترجمہ: وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے گردش لیل و نہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ (المؤمنون ۔ ۸۰)

And He is the One who gives life and brings death, and it is He who controls the alternation of night and day. So, do you not understand?

گردشِ لیل و نہار یا سلسلہ شب و روز کا قیام انسانی زندگی کے بارے میں کسوٹی اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سلسلہ حوادث روز گار کو جنم دیتا ہے۔ وقت ایک رشتہ تسبیح کی مانند ہے جس میں واقعات اور حالات دانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہماری عارضی حیات کی کامیابی اور ناکامی کا مدار اس بات پر ہوتا ہے کہ ہم لیل و نہار کے اس چکر میں خود کو کس قدر خالق کائنات کی مرضی سے ہم آہنگ کرتے ہیں اور کہاں تک اپنی من مانی اور شیطان لعین کے اتباع میں خود کو ہلاکت و خسران کے لیے تیار کرتے ہیں۔

اختلاف لیل و نہار کے بعض اشارات

"اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ" کا مطلب یہ ہے دن اور رات کی ایک دوسرے کے بعد، پوری پابندی اوقات کے ساتھ، آمد و شد ہے۔ قرآن حکیم نے اس مظاہر فطرت کی نشانی پر کئی بار بار توجہ دلائی ہے۔ دن اور رات کا

پوری پابندی اوقات کے ساتھ آنا اور جانا اس بات کی روشن نشانی ہے کہ یہ تمام خالق کائنات کے ہاتھ میں مسخر ہیں۔ یہ خود نہ آنے کے مجاز ہیں نہ جانے کے۔ اس زبردست حکیمانہ نظام میں کسی کے دخل کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان سب کا مصرف حقیقی صرف اللہ ہے۔ اختلاف مزاج و شکل کے باوجود ان دونوں میں کائنات کی پرورش کے لیے جو سازگاری ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات میں ایک ہی حکیم و قدیر کا ارادہ کارفرما ہے جو ان تمام میں ربط پیدا کرتا ہے اور ان کو کائنات کے مجموعی مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ خالق کائنات اپنی نشانی قدرت و حکمت کے بیان کے ساتھ اپنے احسانات و انعامات کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی ہے یعنی خالق کی قدرت کے حیران کن جو مظاہر نظر آرہے ہیں کبھی صبح، کبھی شام، کبھی سورج کا طلوع اور کبھی غروب ہو نا وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کے وقت جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتا ہے، پھر دوسرے روز انسان کو اِسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو آخر کار اسی کی طرف انسان کی واپسی ہے، پھر وہ انسان کو بتادے گا کہ وہ کیا کرتے رہے۔ ان سب میں حکمت یہ ہے کہ انسان کی بقاء نشو و نما اور آرام و آسائش کے تمام وسائل بڑی فیاضی سے مہیا کر دیئے جائیں۔ انسان کائنات کی وہ خاص مخلوق ہے جسے استثنائی طور پر فہم و فراست کی اعلیٰ صلاحیتیں عنایت کی گئی ہیں۔ یہ خاص انعام کسی اہم مقصد کے لیے ہیں۔ یعنی انسان انہیں حقیقت حیات کی معرفت کے لیے استعمال کرے۔ کان سے اس صداقت کی آواز کو سنے جس کا اعلان یہاں کیا جا رہا ہے۔ آنکھ سے ان

دلائل فطرت کو دیکھے جو آفاق عالم بکھرے ہوئے ہیں۔ غور فکر کی صلاحیت کو استعمال کر کے ان کی گہرائی تک پہنچے۔ یہی استعمال کان اور آنکھ اور دل کے شکر کا بھی ہے۔

خالق کی جو صفات اس کائنات میں نمایاں ہورہی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہی زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرتا ہے۔ روز قیامت وہی تمام مرے ہوؤں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ جس طرح وہ رات کو دن بناتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگوں کی نگاہوں سے غفلت کا پردہ ہٹا دے گا۔ اس کے بعد اشیاء کی حقیقت لوگوں پر ٹھیک منکشف ہوجائے گی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ}

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا۔ اور ایک مدت اسکے ہاں اور مقرر ہے پھر بھی تم (اے کافرو اللہ کے بارے میں) شک کرتے ہو۔ (انعام۔ ۲)

He is the One who created you from clay, then destined a term. The fixed term lies with Him, yet you are in doubt.

اس آیت میں دو اجل کا ذکر فرمایا ہے پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے اور دوسری اجل مسمّی ہے۔ مراد انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے، جس کے بعد وہ زوال و فنا سے دوچار ہوجائے گی اور ایک دوسری دنیا یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہوجائے گا۔ جب پہلی اجل آن کھڑی ہوتی ہے تو انسانی زندگی کی بساط

وقتی طور پر لپیٹ دی جاتی ہے اس کے عزیز و اقارب بادلِ ناخواستہ اسے کفن میں لپیٹ کر بڑے احترام کے ساتھ قبر کے حوالے کر دیتے ہیں اور اس دارِ فانی میں آخری گھر کا دروازہ ایک اور وقتِ مقررہ کے لئے بند کر دیا جاتا ہے اس پر تختی تو لگتی ہے لیکن قفل نہیں لگایا جاتا اس لئے کہ نہ لوٹنے کا امکان ہوتا ہے اور نہ لٹنے کا اندیشہ۔ اس کے شب و روز بے حقیقت قرار پاتے ہیں اور اس کے کارہائے نمایاں دارِفانی میں بے معنیٰ ہو جاتے ہیں

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رَو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات!

گردش لیل و نہار ہی کی طرح زمانے کی رفتار بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ کبھی کبھی وقت کا پہیہ اس قدر سست رفتار ہوتا ہے کہ لوگوں کو گمان ہونے لگتا ہے گویا سب کچھ ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن پھر یہ کال چکر اچانک تیزی سے گھومنے لگتا ہے۔ اس دور کی نسلوں کو بہت کم وقت میں بہت کچھ دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ}

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی؟ (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے کہ
جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ ان سے زور و قوت
میں کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اسکو اس سے زیادہ
آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر
نشانیاں لے کر آتے رہے، تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ
وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (روم۔ ۹)

Do they not travel through the earth, and see what was the end of those before them? They were superior to them in strength: they tilled the soil and populated it in greater numbers than these have done: there came to them their messengers with Clear (Signs). (Which they rejected, to their own destruction): It was not Allah Who wronged them, but they wronged their own souls.

مگر موجودہ سائنس نے عالَم کے حدوث و قِدَم کی اُس بحث میں، جو ایک مدّتِ دراز سے دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان چلی آرہی تھی، قریب قریب حتمی طور پر اپنا ووٹ خدا پرستوں کے حق میں ڈال دیا ہے۔ اب دہریوں کے لیے عقل اور حکمت کا نام لے کر یہ دعویٰ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور قیامت کبھی نہ آئے گی۔ پرانی مادّہ پرستی کا سارا انحصار اس تخیل پر تھا کہ مادہ فنا نہیں ہو سکتا، صرف صورت بدلی جا سکتی ہے، مگر ہر تغیّر کے بعد مادہ مادّہ ہی رہتا ہے اور اس کی مقدار میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ اس بنا پر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ اس عالَمِ مادّی کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ لیکن اب جوہری توانائی (Atomic Energy) کے انکشافات نے اس پورے تخیل کی بساط اُلٹ کر رکھ دی

ہے۔ اب یہ بات کھل گئی ہے کہ قوت مادّے میں تبدیل ہوتی ہے اور مادّہ پھر قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نہ صورت باقی رہتی ہے نہ ہیولیٰ۔ اب حَرکیاتِ حرارت کے دوسرے قانون (Second Law of Thermo-Dynamics) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ عالم مادّی نہ ازلی ہو سکتا ہے نہ ابدی۔ اس کو لازمًا ایک وقت شروع اور ایک وقت ختم ہونا ہی چاہیے۔ اس لیے سائنس کی بنیاد پر اب قیامت کا انکار ممکن نہیں رہا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب سائنس ہتھیار ڈال دے تو فلسفہ کِن ٹانگوں پر اُٹھ کر قیامت کا انکار کرے گا؟'' (تفہیم القرآن)

اختلاف لیل و نہار کے اشارات ہماری روزمرہ زندگی میں قدم قدم پر موجود نظر آتے ہیں۔ دن ہفتوں میں ہفتے مہنوں میں اور مہنیے سالوں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ گردش روز شب کے نیچے بچے جواں' اور جواں بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو کر بالآخر موت کی وادی میں کھو جاتے ہیں۔ سفر حیات اسی طرح طے ہوتا ہے۔

خالق نے نظام کائنات بیکار پیدا نہیں کیا

خالق کائنات نے دنیا کا اتنا زبردست نظام بیکار پیدا نہیں کیا۔ کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہو گا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی اللہ

تعالیٰ کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔ بے شک وہ دن آ کر رہے گا جب اس جہانِ فانی کو تہس نہس کر دیا جائے گا، تو کیا اس روز سب کچھ ختم ہو جائے گا؟ جی ہاں ساری چیزیں مٹا دی جائیں گی ایک باقی رہ جائے گا۔ وہ ہے انسان کا عمل جو اس نے آگے بھیجا ہو گا۔ اور اس کے بعد قائم ہونے والے دائمی جہان میں عملِ خیر ہی انسان کا واحد سرمایہ ہو گا وہی اس کا نجات دھندہ ہو گا بقول اقبالؒ:

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کُہن ہو کہ نَو، منزلِ آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

اسی طرح جب ہم قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بقول اقبالؒ کے اللہ تعالیٰ سے ہی ایک طرح کی واقفیت پیدا کر رہے ہوتے ہیں، جو کہ عبادت ہی کی ایک شکل ہے:

یہ سب ہیں ایک ہی سالک کی جستجو کے
وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسماء
مقام ذکر کمالات رومی و عطار
مقام فکر مقالات بو علی سینا
مقام فکر ہے پیمایش زمان و مکاں
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

اقبالؒ کا یہ خیال ہے کہ عبادت اور دعا در حقیقت مطالعہ فطرت کی سائنسی سرگرمیوں کا لازمی تکملہ ہیں، جو حقیقت مطلقہ کے بارے میں مزید گہری

بصیرت کے لیے ہمارے اندرونی ادراک کو تیز تر کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے انسان کے سارے اعمال و افعال کی قوت محرکہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، جو کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اللہ کی محبت ،اللہ کی ستایش اور عبادت واطاعت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیوں کہ اللہ نے انسانوں کو سوائے عبادت کے کسی اور کام کے لیے پیدا ہی نہیں کیا ہے۔

جذبہ عبادت انسان کی فطرت میں

خالق کائنات نے عبادت کا جذبہ انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے۔ گویا اگر انسان اپنی فطرت کا پابند رہے تو اللہ کی محبت کے سوا اس کے اعمال کا کوئی اور محرک نہیں ہو سکتا۔ انسان کو خلافت کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام دینے کے لیے مالکِ حقیقی نے اپنی ہدایت و رہنمائی سے نوازا تاکہ وہ عقل سلیم استعمال کر کے صراطِ مستقیم کی طرف چلے۔ پوری کائنات اس کے لیے مسخر ہے لیکن وہ خود رب تعالیٰ کی اطاعت کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ اس کا عمل یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کرے۔ اس عارضی حیات کی حیثیت ایک امتحان اور آزمایش کی ہے۔ یہ تمام امور انسان کو ازل سے سمجھا دیے گئے ہیں۔ ان سب کا شعور و احساس اور جذبہ عبادت اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا۔ اس کی تذکیر اور عبادت کے طریقے کی تشریح و توضیح کے لیے حضرت آدمؑ سے لے کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک، اللہ تعالیٰ انبیا علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہا۔ یہ عبادت انسان کی پوری زندگی پر نمایاں

ہو۔ ہر ہر سانس احساسِ عبدیت سے معمور ہو اور اس کا ہر قول و فعل مالک کی اطاعت کا مظہر ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ}

ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (الذّاریات۔ ۵۶)

I did not create the Jinns and the human beings except for the purpose that they should worship Me.

یعنی میں نے انسانوں کو غیروں کی بندگی کے لیے نہیں بلکہ اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ میری عبادت تو ان کو اس لیے کرنی چاہیے کہ میں ان کا خالق و مالک ہوں۔ کسی غیر نے جب ان کو پیدا نہیں کیا ہے تو اسے بندگی کا کیا حق پہنچتا ہے؟ اور انسانوں کے لیے یہ کیسے جائز ہو کہ خالق تو میں ہوں اور یہ عبادت کرتے پھریں غیروں کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ صرف جنوں اور انسانوں ہی کا پیدا کرنے والا تو نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام جہانوں اور اس کی ہر چیز کا خالق ہے، پھر صرف جنوں اور انسانوں ہی کے متعلق کیوں فرمایا گیا کہ میں نے انہیں اپنے سوا کسی کی عبادت کے لیے پیدا نہیں کیا ہے؟ حالانکہ سب مخلوقات کا ذرہ ذرہ رب تعالیٰ ہی کی عبادت کے لیے ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ زمین پر صرف جن اور انسان ایسی مخلوق ہیں جنہیں یہ آزادی عطا کی گئی ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں رب تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہیں تو کریں، بقیہ جتنی مخلوقات اس دنیا میں ہیں انہیں اس نوعیت کی کوئی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ان کے لیے تو کوئی دائرہ اختیار ہے ہی نہیں کہ وہ رب تعالیٰ

کی عبادت نہ کریں یا کسی غیر کی عبادت کر سکیں۔ یہاں صرف جنوں اور انسانوں کے متعلق اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے تفویض کردہ اختیار کی حدود میں اپنے خالق کی اطاعت و عبودیت سے منہ موڑ کر، اور خالق کے سوا غیروں کی عبادت کر کے خود اپنی فطرت سے لڑ رہے ہیں، انہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ وہ خالق کے سوا کسی کی عبادت کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں اور ان کے لیے صراط مستقیم یہ ہے کہ جو آزادی انہیں عطا کی گئی ہے اسکا غلط استعمال نہ کریں بلکہ اس عطا کردہ آزادی کی حدود میں بھی خود اپنی مرضی سے اسی طرح اللہ کی عبادت کریں جس طرح خود ان کے جسم کا انگ انگ ان کی زندگی کے غیر اختیاری حدود میں اس کی عبادت کر رہا ہے۔

لفظ عبادت اس آیت کریمہ میں محض نماز روزے اور اسی طرح کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں ہوا' کہ کوئی انسان اس کا یہ مطلب حاصل کرے کہ جن اور انس صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے اور تسبیح و تہلیل کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ مفہوم بھی اس میں شامل ہے، مگر یہی پورا مفہوم نہیں ہے۔ بلکہ پورا مفہوم یہ ہے کہ جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی، اطاعت، فرمانبرداری اور نیاز مندی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں۔ ان کا کام کسی اور کے سامنے جھکنا، کسی اور کے احکام بجا لانا، کسی اور سے ڈرنا، کسی اور کے بنائے ہوئے دین کی پیروی کرنا، کسی اور کو اپنی قسمتوں کا بنانے اور بگاڑنے والا سمجھنا، اور کسی دوسرے کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ پھیلانا نہیں ہے۔ (اس ضمن میں ایک اور بات یہاں صاف ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جنات' انسانوں سے الگ ایک مستقل

مخلوق ہے۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانوں ہی میں سے کچھ لوگوں کو قرآن میں جن کہا گیا ہے۔ ان کے اس دعوے کی نفی بھی ہوتی ہے)

اپنی تمام تر سرکشی اور آزادروی کے باوجود ہر دور اور ہر ملک کا انسان اس امر کا خواہاں رہا ہے کہ وہ اپنا سر اطاعت کسی دیدہ یا نادیدہ برتر ہستی کے سامنے خم کردے۔ اگر خدائے واحد تک اس کی رسائی نہیں ہوسکی تو اس نے معبودان باطل کو اپنی عقدت اور فرمانبردرای کا مرکز بنا لیا توحید کا دین اگر وہ قبول نہیں کرسکا تب بھی شرکیہ عقائد پر کاربند ہوگیا۔ اصنام واوثان کے سامنے ماتھا ٹیکنا ضروری سمجھا۔ کبھی مظاہر فطرت چاند' سورج' ستاروں اور پہاڑوں کو اپنا معبود بنا لیا۔ آگ اور پانی کی پرستش کی ۔ انسان کی نگاہ ہر دور میں بندگی و اطاعت کے لیے پیکر محسوس کی خوگر رہی ہے۔ ان دیکھے خدا تک پہنچنے کے لیے انبیاء ورسل علیھم السلام کی بعثت ہر عہد میں رہی لیکن انسانوں کی بڑی تعداد سچے دین سے منحرف رہی ۔ کبھی اس نے بادشاہوں کو پوجا اور اسے دنیا میں خدا کا اوتار قرار دیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فطرت انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ کسی برتر ہستی کو اپنی عقیدت و پرستش کا مرکز و محور بنایا جائے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم

{قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ}

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان

کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔ (الانعام۔ ۱۶۴)

Say, :My prayer, my offering, my life and my death are for Allah, the Lord of all the worlds. For Him there is no partner. And thus I have been commanded, and I am the first one to submit.

بے شک کائنات کی ساری چیزوں کا ربّ تو اللہ ہے، میرا ربّ کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بات کس طرح عقل والی ہو سکتی ہے کہ تمام کائنات تو رب تعالی کی اطاعت کے نظام پر چل رہی ہو، اور کائنات کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے میرا اپنا وجود بھی اُسی نظام پر عمل پیرا ہو، مگر میں اپنی شعُوری و اختیاری زندگی کیلئے کوئی اور پروردگار تلاش کروں؟ کیا ساری کائنات کے خلاف میں اکیلا ایک دُوسرے رُخ پر چل پڑوں؟۔

نظام کائنات یہ ہے کہ یہاں ایک انسان جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک قوم پیچھے ہٹا دی جاتی ہے اور دوسری قوم اس کی جگہ زمین کے ذرائع و وسائل پر قابض ہو جاتی ہے۔ یہ واقعات یہ یاد دلاتے ہیں کہ یہاں کسی کا اقتدار دائمی نہیں۔ دوسری طرف انسان کا یہ حال ہے کہ جب اسے ارض اللہ پر اقتدار کا موقع ملتا ہے تو وہ سابقہ انسانوں کے انجام کو بھول جاتا ہے۔ وہ اپنے ظلم اور سرکشی کو جائز ثابت کرنے کے لیے کئی طرح کے دلائل اور تاویلیں گھڑ لیتا ہے۔ جب اللہ تعالی حقیقتوں کا فیصلہ کرے گا تو انسان دیکھے گا کہ اس کی ان باتوں کی کوئی قیمت نہ تھی جن کو وہ اپنے موقف کے جواز کیلئے مضبوط دلیلیں اور تاویلیں خیال کرتا تھا۔ انسان کی سرکشی کی وجہ اکثر یہ

ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی نعمتوں کو اپنے حق میں انعام ربی سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ تو صرف آزمائش ہے نہ کہ انعام۔ دنیاوی چیزوں کو انسان اگر انعام سمجھے تو اس کے اندر فخر اور غرور پیدا ہوگا اور اگر وہ ان کو آزمائش سمجھے تو اس کے اندر عجز وانکساری پیدا ہوگی۔ فخر کی نفسیات انسان کے دل میں طاغوتیت پیدا کرتی ہے اور عجز کی نفسیات اطاعت پیدا کرتی ہے

جب رحمت دو عالم ﷺ کو اس عالم رنگ بو میں مبعوث کیا گیا اس وقت خانہ کعبہ (۳۶۰) بتوں سے اٹا ہوا تھا۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی سچی تعلیمات باطل عقائد اوہام اور مشرکانہ رسوم و رواج کے باعث ناپید ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے دین ابراہیمی کی تجدید اور احیاء کے لیے مساعی کیں اور وہ دین حنیف پھر سے ادیان باطلہ پر غالب آگیا۔

باب ۲:

آیاتِ الٰہی پر غور و فکر کی دعوت

قرآن عظیم میں اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں

یہ کتاب (قرآن مجید) جس کے الفاظ، حروف، نقوش اور معانی و مضامین ہر چیز میں برکت ہے۔ اور یہ اسی غرض سے اتاری گئی ہے تاکہ انسان اس کی آیات میں غور کرے اور پختہ عقل والے اس کی نصیحتوں سے نفع حاصل کریں۔ قرآن پاک کو برکت والی کتاب کہنے سے مراد یہ ہے کہ یہ کتاب انسان کے لیے نہایت مفید ہے انسان کی زندگی کو درست کرنے کے لیے بہترین ہدایات دیتی ہے، اس کی پیروی میں انسان کا نفع ہی نفع ہے، نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ سرور دو عالم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ انہی حقائق کی یاددہانی کے لیے ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے، یہ بابرکت کتاب دلوں کے لیے حیات جاودانی ہے اور اس کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو انسان عقل سلیم رکھتا ہے وہ اس کی آیات پر غور و فکر کرے اور ان سے نصیحت حاصل کرے۔ قرآن اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ انسان فطرت کے اسرار کو سمجھیں اور اس کی تسخیر کریں۔ ایسے ہی

باقی مذاہب کی طرح سائنس اور اسلام کے مابین کوئی تضاد یا تعارض نہیں ہے بلکہ قرآن ہی کا عطا کردہ ایک علم ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا میں ہونے والی سائنسی ترقی کی بنیاد امت مسلمہ ہی کی مرہون منت ہے۔

(۱) {كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ}

ترجمہ: بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور پختہ عقل والے (اس کے انوکھے مضامین سے) نصیحت حاصل کریں (ص۔ ۲۹)

This is a blessed Book We have revealed to you, so that they deliberate in its verses, and so that the men of understanding may heed to advice

''اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے، جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے، بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر، فہم و تدبر، سوچ اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کی اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے''۔

(سیرۃ النبی۔ از علامہ سلیمان ندوی)

''آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ وہ عملاً اوہ کام نہ کرے جس کے لیئے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی

ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصور مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہوں میں اس کے سارے رموز حل کر لئے جائیں۔۔۔۔۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافت الٰہیہ کے قیام تک پورے سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بنائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاع کفر و دین اور معرکۂ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو، اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اس طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں (تفہیم القرآن)

(۲) {وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ}

ترجمہ: اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ تعالی کی کن کن نشانیوں کو نہ مانو گے۔ (غافر۔ ۸۱)

He shows you His signs. Then, which of the signs of Allah would you (still) deny?

یہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے خالق کائنات کی متنوع اور گوناگوں نشانیاں ہیں۔ نشانیوں سے مراد ایسے مظاہر و مناظر جن سے توحید باری تعالی کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

علم کی اقسام

علم کے لغوی معنی جاننا کے ہیں اور اصطلاحی اعتبار سے کسی چیز کے مختلف پہلوں کا وسیع و ہمہ گیر علم حاصل کرنا کے ہیں۔ مادی اشیاء کا علم سائنسدانوں کی کوششوں کا ہدف ہے۔ باطنی علم یا روحانیات اہل مذہب کا منتہائے نظر ہے۔ علوم و فنون کی دنیا بہت وسیع ہے جتنا زیادہ تفکر و تدبر سے کام لیا جائے گا علوم و فنون کے نئے شعبے اور نئی جہتیں عقل سلیم کے آگے کھلتی جائیں گی۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم وہ ہے جس سے دنیا کی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرا علم وہ ہے جو آخرت کی فلاح کا راستہ دکھاتا ہے۔ جس انسان کے پاس دنیا کا علم ہو اس کے علم کی کامیابی کا نتیجہ فوری طور پر دنیا کی ترقی کی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ اس کے برعکس جس انسان کے پاس علم آخرت ہو اس کے نتائج فوری طور پر سامنے نہیں

آتے۔ جو دنیاوی علم رکھتے ہیں یہ تفریق ان کے اندر برتری کی نفسیات پیدا کردیتی ہے ۔ اس طرح کی اقوام کے پاس جب اللہ کے پیغمبر آئے تو انہوں نے اپنے آپ کو برتر سمجھا اور پیغمبروں کا مذاق اڑانے لگے ۔ اللہ تعالی نے ان اقوام کو ان کی تمام دنیاوی قوتوں اور بے حد ترقیوں کے باوجود تباہ و برباد کردیا۔ اب ان کے تاریخی آثار یا تو کھنڈر کی شکل میں ملتے ہیں یا زمین کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ اس طرح رب تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے ایک تاریخی مثال قائم کردی کہ مستقل کامیابی کا راز علم آخرت میں ہے نہ کہ علم دنیا میں۔ ان قوموں نے ابتداءً اللہ کے پیغمبروں کا انکار کیا۔ حالانکہ ان کے پاس دلیل (آیت الہی) کی طاقت تھی۔ مگر یہ قومیں دلیل (آیات الہی) کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئیں۔ آخر کار اللہ تعالی نے عذاب کی خبر سے آگاہ کیا۔

"دین اسلام دینی و دنیاوی علم میں فرق نہیں کرتا۔ علم ایک مکمل وحدت ہے جس کے دونوں بازو ہیں شریعت اور فطرت ۔ شریعت دایاں اور فطرت بایاں بازو ہے۔ ان دونوں کے صحیح تعاون اور ہمنوائی ہی کی بدولت ایک دوسرے کا صحیح نشوونما ہوسکتا ہے اور یہ دونوں کسی بھی طرح ایک دوسرے کے خلاف یا باہم متصادم ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ اس قسم کا نظریہ کوتاہ بینی کی دلیل ہے۔ علم قابل تغیر اور ارتقاء پذیر چیز ہے جو کبھی مکمل نہیں ہوسکتا اور اس حیثیت سے وہ قدیم و جدید کی تقسیم بھی قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ سورج کی ہر نئی کرن اپنے جلو میں نئی معلومات اور نئے انکشافات ساتھ لاتی ہے لہذا اس کو اگر قدیم و جدید کی اصطلاحوں میں تقسیم کردیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو

گا کہ ہر ڈوبنے والے سورج کے ساتھ ہی پورے علم کو قدیم کہنا پڑے گا۔ جس کے لیے شاید کوئی تیار نہ ہو۔ مگر علم کے ارتقاء پذیر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس علم کو "شجرِ ممنوعہ" سمجھ کر ترک کر دیں۔ اور اس سے استفادہ کرنا ہی چھوڑ دیں" (قرآن 'سائنس' اور مسلمان۔ از علامہ شہاب الدین ندوی)

حصول علم کے مراتب

قرآن پاک نے مشاہدہ اور تدبر کی بڑی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ وہ ذرائع علم ہیں جن کے توسط سے حجت الٰہی تمام ہوتی ہے۔ چنانچہ کلام اللہ نے مشاہدہ اور غور و فکر کے توسط سے حصول علم پر زور دیا ہے شرعی اعتبار سے اسی علم کو حجت (دلیل 'یا برہان) کہتے ہیں۔ اس علم کا پہلا مرتبہ "فکر و نظر" (مشاہدہ' اور دوسرا مرتبہ غور فکر ہے۔ مذکورہ علوم کے حاملین کو کتاب الٰہی میں اہل علم کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ}

ترجمہ: ہم یہ مثالیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں اہلِ علم کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔ (العنکبوت۔ ۴۳)

And these examples We present to the people, but none will understand them except those of knowledge.

آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت ہے جن پر غور و فکر کر کے انسان کو عرفان الٰہی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ اللہ کے نزدیک سچے

علم والے وہ نہیں جو کتابی بحثوں کے ماہر بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ انسان ہیں جو اللہ کی کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر فطرت (نشانیوں) سے نصیحت لیتے ہیں۔ مظاہر قدرت کے واقعات کو جو لوگ سمجھتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوتے ہیں۔ دوسرے مقام پر نظام فطرت کے مظاہر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

{وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ}

ترجمہ: انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو (حقائق کی بصیرت والے) صاحب علم ہیں بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (فاطر۔۲۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے ''صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اللہ کی نافرمانی پر انہیں جری نہ کرے۔ اللہ کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کر دے اور قرآن کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔ (قرطبی)

''انسان کا معاملہ بھی یہی ہے۔ مظاہر قدرت کی صورت میں اللہ کی جو نشانیاں کائنات میں بکھری ہوئی ہیں وہ اگرچہ بذات خود یکساں ہوتی ہیں مگر مختلف لوگ اپنے اندرونی مزاج کے مطابق اس سے مختلف قسم کی تاثیر قبول کرتے ہیں۔ کوئی انسان دعوت حق میں اپنی روح کی غذا پالیتا ہے۔ وہ فوراً اسے

قبول کر کے اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر لیتا ہے اور کسی انسان کی خواہشات نفس اس کے لیے رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ وہ اس سے بھاگتا ہے، حتیٰ کہ اس دعوت حق کا مخالف بن جاتا ہے۔ دعوت حق جس انسان کے لیے اس کے اندر (دل) کی آواز ثابت ہو وہی سچے علم والا ہے۔ اس انسان کے دل میں فطرت کا قدرتی نور زندہ تھا اس لیے اس کے تدبر نے حق ظاہر ہوتے ہی اس کو پہچان لیا۔ اس کے مقابلہ میں کلام الہی کی نظر میں وہ لوگ جاہل ہیں جو اپنی فطرتی صلاحیتوں پر پردہ ڈالے ہوئے ہوں اور جب حق ان کے سامنے (مظاہر فطرت کی شکل میں) ظاہر ہوا سے پہچاننے میں ناکام رہیں۔

اور ایک مقام پر اہل علم (نظام فطرت پر غور فکر کرنے والے) انسانوں کو ''عالم'' کے لقب سے پکارا گیا ہے جیسا کہ ارشاد عزوجل ہے:

{يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ}

ترجمہ: وہ اپنی نشانیوں (نظام کائنات کے دلائل) کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ (یونس۔۵)

He details the signs for a people who know

آخرت کی حقیقتوں کو اللہ نے نشانیوں کے انداز میں ظاہر کیا ہے۔ بالفاظ دیگر، اللہ موجودہ دنیا میں دلیل کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ محسوس مشاہدہ کے روپ میں۔ پھر رب جس روپ میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے اسی روپ میں ہم اس کو پا سکتے ہیں نہ کہ کسی اور روپ میں۔ اللہ نے اس دنیا میں ہدایت کے راستے کھول رکھے ہیں مگر یہ ہدایت انہیں کا مقدر ہے جو خدائی نقشہ کے مطابق اس کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہاں وہی لوگ صحیح راستہ پر چلنے کی

توفیق پائیں گے جو دلیل کی زبان میں بات کو سمجھنے اور ماننے کے لیے تیار ہوں۔ جو لوگ سچی دلیل کے آگے نہ جھکیں وہ گویا اللہ کے آگے نہیں جھکے۔ انہوں نے اللہ کو نہیں مانا۔ ایسے لوگوں کو اپنے لیے جہنم کے سوا کسی اور چیز کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ زمین و آسمان میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں مگر ان سے وہ لوگ سبق حاصل کر سکتے ہیں جن کے دل خوف الٰہی سے پر نور ہیں۔ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی زبردست تخلیقی توازن میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور اس میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اس کائنات کا مالک وہ ہے جو انسان پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ مرتبہ کے لحاظ سے اہل علم میں تفاوت ہے آیت شریفہ فوق کا علم کے مطابق خوب سے خوب تر کے سفر میں انسان مسلسل جستجو کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

قرآن انسانیت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے ۔ یہ برحق کتاب صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ یہ سارے عالم کے انسانوں کے لئے ذریعہء ہدایت ہے۔ صرف مسلمانوں کیلئے ہے، کہیں بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ جس طرح انجیل یا اور دوسری کتب کسی خاص مذہب کے ماننے والوں کے لئے ہیں ۔ قرآن خالق کائنات کا انسانیت کے نام عظیم پیغام اور بہترین دستور حیات ہے۔ یہ کتاب ہر دور میں انسانیت کے لئے رہنمائی کا واحد دستور ہے، جس کے حرف حرف میں رحمت و برکت

ہر حکم میں فلاح و بہبود پوشیدہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس عظیم کتاب کا طریقہ ہی بہترین طریقہ ہے۔ اس کے سایہ میں بسر ہونے والی زندگی مبارک، سعادت مند اور نجات والی ہے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے چودہ سو برسوں میں جتنی بھی تحقیق و ایجادات ہوئیں وہ اسی کتاب عظیم کی مرہونِ منت ہیں۔ جدید منزلیں تلاش کرنا اور نئی نئی تحقیقات کو سامنے لانا انسان کی فطرت میں شامل ہے ان ایجادات و انکشافات کے لئے کسی نہ کسی راہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے یہ عظیم کام انسانیت کے لئے کلام اللہ نے سرانجام دیا۔ یہی وہ مقدس صحیفہ ہے جو اپنے عہد نزول سے لے کر قیامت تک مسلسل معجزہ کے طور پر بھی موجود رہے گا۔ اس میں آج تک ایک لفظ تو بہت دور ایک نقطے کی بھی تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن ہر دور میں انسانیت کے لئے رہنمائی کا واحد دستور ہے،، جس کے حرف حرف میں رحمت اور ہر ہر حکم میں فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔ اس میں لعل وگوہر کے خزینے ہیں، امن و سکون کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے بے کراں سمندر موجزن ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ}

ترجمہ: یہ قرآن لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت ورحمت ہے (الجاثیہ۔ ۲۰)

These are insights for the people, and guidance and mercy for a people who believe.

فرقان جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی کتاب ہے۔ مگر اس کتاب سے ہدایت اور رہنمائی وہی پاتے ہیں جو اس کی صداقت پر یقین کامل رکھتے

ہوں۔ خوش نصیب انسان وہ ہیں جو اس کی بیان کردہ حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور اس برحق کتاب کے ارشادات کو خضر راہ بنا کر اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کرتے ہوں۔ کلام اللہ کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب بھی انسانوں نے اس پر عمل کیا، وہ وقوموں کے رہنما بن گئے، اور قدم قدم پر رحمت الٰہی سے فیضیاب ہوئے، بقول اقبال:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

This, Qur'an, is [a set of] insights for mankind, guideposts with which they can discern [God's] rulings and legal proscriptions, and guidance and mercy for a people who have certainty, with regard to the [truth of the] Resurrection.

قرآن ہر زمان ومکان میں انسانوں کے لیے بہترین منہج اور ضابطہ حیات ہے، نبی اکرم ﷺ کا رہتی دنیا تک کے لیے زندہ جاوید معجزہ ہے، یہ کتاب انسانوں کو ان کے دینی و دنیاوی تمام امور سے روشناس کراتی ہے، یہ صحیفہ الٰہی حق و باطل، سعادت وشقاوت اور علم وجہالت میں فرق کرنے کی کسوٹی اور معیار ہے، یہ سراسر نور ورحمت اور انسانیت کے لیے بہترین مشعلِ راہ ہے۔ قرآن حکیم کے علوم و معارف کسی ایک مقام یا وقت تک محدود نہیں ہیں بلکہ ہر عہد اور ہر ماحول میں اسکی تجلیات و برکات نئے نئے پیرایوں میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہیں۔

کتاب ہدایت کی اصل نوعیت

کتاب الٰہی اپنے اندر قیامت تک کے انسانوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی رکھنے والی ایسی رہنما کتاب ہے۔ جس میں عقائد و معاملات، عبادات و سیاسیات اور حیات انسانی کے تمام مسائل کے حل کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اصول و ضوابط اور قواعد و کلیات کے ساتھ واضح کیا گیا ہے ساتھ یہ بھی بتایا دیا گیا ہے کہ کن کن اصولوں پر عمل کر کے انسان سرخرو اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کا مقصد بھی قرآن ہی کے ذریعہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے، قرآن پاک میں انسانی ضروریات اور انسانی فطرت کے تقاضوں کی بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ تفصیل موجود ہے۔ قرآن پاک دو طرح سے کتاب ہدایت ہے اول یہ بنی نوع انسان کے لیے واضح مدلل ہدایت نامہ ہے۔ دوسرا یہ ہر مسلے کے حل کے لیے رہنما بھی ہے۔ یعنی یہ کتاب ہر انسان کی فکری و نظریاتی رہنمائی بھی کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ}

ترجمہ: یہ (قرآن) لوگوں کے لیے وضاحت نامہ اور (خاص کر) اہل تقوی کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران۔ ۱۳۸)

This is a declaration for mankind, and guidance, and a lesson for the God-fearing.

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ اس کتاب میں اہل ایمان کے لیے خوشخبری بھی ہے اور ہماری زندگی کے تمام گوشوں کے متعلق واضح ارشادات

بھی اس موجود ہیں۔ قانون، سیاست، معاشیات، معاشرہ، اخلاق، بین الاقوامی تعلقات، غرض یہ کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق اہل ایمان کی زندگی کے ساتھ ہے۔ ان سب کو اس کتاب نے بیان کر دیا ہے۔ اب اس سے استفادہ کرنا ہر ایک کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ}

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔ (نحل۔ ۸۹)

And We have revealed to you the Book, an exposition of everything, and guidance, and mercy, and glad tidings for the Muslims.

''کتاب'' سے مراد اللہ کی کتاب اور آپ ﷺ کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ احادیث مبارکہ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے 'کتاب اللہ' فرمایا ہے۔ ان میں ہر چیز کا بیان ہے، ماضی اور مستقبل کی خبریں ہیں جن کا علم ضروری اور مفید ہے، اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن کے دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔ قرآن و حدیث دونوں میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان فرما دیا گیا ہے۔ اور مقام پر ارشاد ہے:

{مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ}

ترجمہ: یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے۔ جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (یوسف۔ ۱۱۱)

اور مقام پر کتاب الٰہی کو دلوں کے روگ کا علاج فرمایا ہے ارشاد ہے:

{يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ}

ترجمہ: لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ (یونس۔ ۵۷)

قرآن پاک کا انسان کی تمام باطنی امراض کے لیے نسخۂ شفا ہونا ایک واقعہ اور ایک حقیقت ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں سسکتی ہوئی انسانیت اس سے شفایاب ہوئی اور ہر دور میں اس کی طرف رجوع کرنے والے انسان ہی صالح کردار کے حامل بنے، عصر حاضر میں جہاں اخلاقی گراوٹ اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے قرآن حکیم کے سایہ میں زندگی گزارنے والے انسان ہی اپنے اندر اخلاقی پاکیزگی کا وصف رکھتے ہیں۔ المختصر یہ کتاب انسان کی تمام قلبی، روحانی اور باطنی بیماریوں کا مکمل علاج ہے۔

آیت کریمہ میں کتاب الٰہی کے فیوض و برکات بیان فرمائے گئے ہیں۔

''موعظت'' کے معنی ہیں اخلاص اور نہایت اثر انگیز پیرایہ میں کسی کو نیکی اور بھلائی کی یاد دہانی کرنا۔ اس معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلام اللہ کی اس صفت کا جائزہ لیں تو خیر خواہی اور خیر اندیشی کا بے لوث جذبہ ہر آیت میں نظر آئے گا۔ یہی اس کلام کی اثر انگیزی کا عالم ہے کہ اس نے صدیوں سے آغوش غفلت میں مدہوش ہونے والی قوم کو بیدار کر دیا۔

کتاب الٰہی کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ دلوں کی لاعلاج اور قدیم امراض کا کامیاب علاج ہے۔ بغض و عناد، شک اور نفاق، حسد اور کینہ غرض یہ کہ ہر قسم کی مذموم صفات سے روح کو پاک کرتا ہے۔ اس سے زیادہ واضح آیات کیا ہو سکتی ہیں؟ اس اعتبار سے کتاب الٰہی پوری انسانیت اور ہر دور کے علوم و فنون اور ان کے ذریعے سے ہونے والی تمام سائنسی تحقیقات اور تمام افکار و نظریات کے توڑ کے لیے اپنے اندر سامان شفاء موجود رکھتی ہے۔ کتاب الٰہی نئے علوم و فنون جدید سے جدید مسائل کی رہنمائی تاقیامت کرتی رہے گی۔ تیسری صفت یہ ہے کہ یہ سراپا ہدایت ہے۔ حق و باطل کو واضح پیش کرتی ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ یہ پیکر رحمت ہے۔ جس کلام پاک کو لانے والا رحمۃ للعلمین ہو اس کتاب کے رحمت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ انسان ایک نفسیاتی مخلوق ہے۔ نفسیات کے بننے سے وہ بنتا ہے اور نفسیات کے بگڑنے سے وہ بگڑ جاتا ہے۔ کتاب الٰہی کی صورت میں جو ہدایت آئی ہے وہ ہر انسان کے لیے سراسر رحمت اور بہترین نصیحت ہے۔ لیکن اس نصیحت کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی راست فکری نہ کھوئے۔ جو انسان اپنی راست فکری کی صلاحیت کو بگاڑ لے گا، اس کے لیے اللہ تعالی کا ہدایت

نامہ بے اثر رہے گا۔ جو بھی انسان غور فکر کے ساتھ سوچے گا وہ اس بات پر خوش ہوگا کہ اللہ نے اپنا ہدایت نامہ اتار کر اس کے لیے ابدی نعمتوں کے حصول کا دروازہ کھولنے کے ساتھ ساتھ اسے ثابت قدمی بھی عطا فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ}

ترجمہ: کہہ دو کہ اس (کتاب) کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لیکر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور حکم ماننے والوں کے لئے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔ (نحل۔۱۰۲)

Say, :This has been brought down by RuH-ul-Qudus (the Holy Spirit - Jibra'il) from your Lord rightly (as due), so that it may bring firmness to the believers and become guidance and good news for the Muslims.

قرآن اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ بارش کی طرح ہے، جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ اہل ایمان کے دل صاف اور شفاف ہیں جو قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتے ہیں اور کفار کے دل شور زدہ زمین کی طرح ہیں جو کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے بھرے ہوئے ہیں، ان پر قرآن کی ضیاء بھی بے اثر رہتی ہیں۔ کتاب الٰہی کو حق کے ساتھ نازل فرمایا یہاں حق سے مراد اللہ کا خالص اور بے آمیز دین ہے۔ جو انسان

سچائی کے طالب ہوں اور ملاوٹی دین میں اطمینان قلب نہ پاتے ہوں، ان کے لیے قرآنی دین میں اپنی تلاش کا جواب بھی ہے اور ان کی تسکین قلب کا سامان بھی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ}

ترجمہ: یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت و عبرت کے دلائل ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت ورحمت ہے (الجاثیہ۔ ۲۰)

کتاب الٰہی تمام علوم کی کلید، رشدوہدایت کا سرچشمہ، اسلامی احکام کا بنیادی مأخذومصدراور تمام انسانوں کے لیے منبع و محور ہے اور ایک عام مسلمان بھی اپنے معاملے میں اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک بہترین لائحہ عمل ہے۔ جو زندگی کے تمام مراحل پر انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس میں غوروفکر کرکے اس کے احکام کواپنی زندگی میں نافذ کرلے تو ساری ضروریات کا علاج قرآن میں پائے گا۔ قرآن ایک ٹھوس و محکم کتاب ہے۔ یہ کوئی معمہ نہیں جسے سمجھا نہ جاسکے۔ اس کے احکام انتہائی سادہ اور سلیس ہیں یہ انسانی سمجھ سے بالاتر نہیں ہے محض تبرک حاصل کرنے یا لطف اور سرور حاصل کرنے کے لیے یا دفع مصیبت کرنے والی کتاب نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد نزول انسانیت کوجہالت کی گمراہیوں سے علم کی روشنی کی طرف لانا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے مقصدنزول کو پورا کیا جا ئے اوراس میں تدبرو تفکر کیا جائے خوداس پر عمل پیرا ہوکراس کی تعلیمات کو عام کیا جائے، اوراس کے احکام کولاگو کیا جائے۔

حدیث پاک میں رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''یہ اللہ کی کتاب

ہے۔جس میں گزرے ہوئے لوگوں کی سچی خبریں ہیں۔ مستقبل کی پیشین گوئیاں ہیں۔ زندگی کے لیے احکام ہیں۔ یہ قول فیصل ہے۔ اس میں ہنسی مذاق کی کوئی بات نہیں ہے۔ جو تکبر کی وجہ سے اسے چھوڑے گا اللہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا، اور جو اس کتاب کے بجائے کہیں اور ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے محروم کردے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی (حبل اللہ) ہے۔ یہ نصیحت اور حکمت سے معمور کلام ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے یہ وہ کتاب ہے جس کے ذریعے خواہشات کج روی اختیار نہیں کرسکتیں اور جس کے ذریعے زبانیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں یا دھوکہ دے نہیں سکتیں۔ اہل علم و دانش کبھی اس سے سیر نہیں ہوسکیں گے، اور بار بار پڑھے جانے کے باوجود اس کلام میں پرانا پن نہیں پیدا ہوگا۔ اس کی نادر باتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ یہ وہ کلام ہے جب جنوں نے اسے سنا، تو بول اٹھے ہم نے ایک عجیب کلام سنا ہے، جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جو قرآن کریم کے مطابق کہے گا وہ سچا ہے اور جو اس پر عمل کرے گا وہ اجر پائے گا، اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ انصاف کرے گا، اور جو اس کی طرف دعوت دے گا اس کی دعوت سیدھے راستے کی طرف ہوگی۔ (ترمذی)

"جميع العلم في القرآن لكن تقاصر عنه افهام الرجال"

ترجمہ: تمام علوم و معارف قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن انسانوں کی عقلیں ان کی بصیرت تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتی ہیں۔

اولوالالباب کون ہیں۔؟

(People of Understanding)

"اُولُوا الْاَلْبَابِ" کے معنی ہیں عقل والے 'قرآن پاک میں یہ لفظ (۱۶) مقامات پر آیا ہے ہر مقام پر اس سے مخاطب وہ انسان ہیں جو آیات الٰہی کی حکمتوں اور مصلحتوں پر غور فکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں نازل شدہ اسباق و بصائر سے بنی نوع انسان کو تنبیہ بھی کرتے ہوں۔ قرآن حکیم میں جہاں ظاہر بینوں اور عام فہم انسانوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے ظواہر طبیعی سے استدلال کیا گیا ہے وہیں اہل نظر اور اربابِ فہم و فراست کے لیے دقیق علمی و تکوینی نکات سے بھی بحث کی گئی ہے جیسا کہ ارشا باری تعالیٰ ہے:

{هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ}

ترجمہ: یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ اُن کو اِس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں اللہ بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔ (ابراہیم۔ ۵۲)

This is a message for mankind, so that they (take lesson and) be warned, and so that they may know that He is One God, and so that the people of understanding may observe the advice.

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں۔ ایک قوت نظری اور دوسری قوت عملی۔ ان دونوں قوتوں کی تکمیل میں انسان کی ترقی اور کمال کا راز موجود ہے۔ قوت نظری کا کام حقائق کائنات کو معلوم کرکے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفان حاصل کرنا اور قوت عملی سے انسان اخلاق فاضلہ اور شعار الٰہی کو اپناتا ہے۔ یہ دونوں کمالات آیات الٰہی میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب کوئی انسان طلب حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر قرآنی دلائل و براہین کا مطالعہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں کو متنبہ کرتا ہے۔ اس کے یقین کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ یہی وہ صاحبانِ عقل و بصیرت ہیں جو جذبات کو کنٹرول میں رکھتے ہیں' کبھی عقل و فکر سے عاری نہیں ہوتے۔ کبھی بھی اپنا دماغی توازن نہیں کھوتے' ہر معاملہ پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور و فکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا}

ترجمہ: جنہیں اگر اُن کے رب کی آیات (حکام و قوانین) سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔ (الفرقان۔ ۷۳)

And those who, when they are reminded of the verses of their Lord, do not fall at them as deaf and blind ones,

''الالباب'' کو جب آیات قرآنی سنائی جاتی ہیں تو وہ بہروں اور اندھوں کا طرز عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ ان آیات کو خوب غور و خوص سے سنتے ہیں۔ ان میں جھلکتے ہوئے انوار کو عقل سلیم سے دیکھتے ہیں۔ غور و فکر کی خدائی قوت

کو کام میں لاکر آیات الٰہی کے اسرار و معارف تک آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ غور و فکر سے قبول کرتے ہیں اور علم و بصیرت کی رو سے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کے نزدیک ''اولوالالباب'' وہ ہیں جو علم کی روشنی میں ایمان لائے ہوں۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کی نظر میں دوسرا انسان نابینا ہے۔ پہلا اپنی بصیرت سے حق اور باطل کا فرق کرتا ہے۔ جب کہ دوسرے انسان کا سرمایہ صرف سنی سنائی باتیں ہوتی ہیں۔ لوگ جسے باطل سمجھ لیں وہ بھی باطل سمجھ لیتا ہے، لوگ جسے حق سمجھ لیں، وہ بھی یقین کرلیتا ہے کہ یہ حق ہوگا۔

آیات الٰہی پر تدبر کرکے ہر انسان بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ غافل قلب والا نہ ہو، اور آثارِ کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھتا ہو بلکہ غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہو۔ قرآن پاک نے سابقہ انبیاء علیھم السلام اور ان کی قوموں کی کہانی عبرت کے اعتبار سے تمام انسانوں کی کہانی بتائی ہے۔ اگر انسان عقل سلیم سے کام لے تو وہ ماضی کے واقعات میں حال کی نصیحت پالے گا۔ دوسروں کے انجام کو دیکھ کر وہ اپنے احوال کو درست کرلے گا۔

قرآن پاک نے حضرت یوسفؑ ان کے بھائیوں، والدین، اہل مصر اور دیگر لوگ جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے ان کے واقعات میں اولوالالباب (عقل و دانش والوں) کے لیے بڑی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ}

ترجمہ: اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔ (یوسف۔ ۱۱۱)

Surely, in the narratives of these, there is a lesson for the people of understanding. It is not an invented story, rather, a confirmation of what has been before it, and an elaboration of everything, and guidance and mercy for a people who believe.

یہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلے قرآن نے فکر و فلسفہ کی بنیاد ڈالی اور اولوالالباب کو آسمان وزمین اور عالم آفاق میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی، کلام اللہ سے پہلے کسی بڑے سے بڑے آشنائے راز نے بھی ان حقائق کا پردہ چاک نہیں کیا، جو رب کے خزانہ غیب میں مستور تھے۔ یہ کلام الٰہی ہی ہے جس نے ایمان و عمل کے بعد اولوالالباب کو علم و جہل، نور و ظلمت اور تمدن و وحشت کے فرق کی دعوت فکر دی کیونکہ ذہنی تیاری کے بغیر کوئی نصب العین حاصل نہیں کیا جاسکتا، جب تک انسان کے اندر خیر و شر میں امتیاز نہ ہوگا؛ وہ شعوری طور پر خیر کو نہیں اپنا سکے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

{قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ}

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) اِن سے پوچھو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے

والے (اولوالالباب) ہی قبول کرتے ہیں۔ (زمر۔ ۹)

Say, "Are those who know equal to those who do not know?" Only they will remember [who are] people of understanding.

عقل وشعور انبیاء ومومنین کا وصف

کلام الہی میں عقل و شعور اور بصیرت کو انبیاء و مومنین کے عمدہ صفات میں سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ}

ترجمہ: ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو بڑی قوت عمل رکھنے والے اور صاحبان بصیرت تھے۔ (ص۔ ۴۵)

And remember Our servants - Ibrahim and IsHaq and Ya'qub - the men of strength and the men of vision.

یہاں چند پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ہاتھ والے (مراد طاقت والے) اور صاحب بصیرت تھے۔ یعنی انہیں جسمانی قوت اور ذہنی بصیرت دونوں اعلی درجہ میں حاصل تھیں۔ وہ عملی صلاحیت کے مالک ہونے کے ساتھ معرفت الہی کے ادراک کا صحیح ثبوت دیتے' وہ چیزوں کو فہم و فراست کی نظر سے دیکھنے اور معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے پروردگار نے ان کو پیغمبر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ سورۃ الزمر میں بھی مومنین اور متبعین کا یہی وصف بیان فرمایا ہے:

{الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ}

ترجمہ: جو توجہ سے بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں یہی ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل والے ہیں (الزمر۔۱۸)

Who listen to what is said, then, follow the best of it. Those are the ones whom Allah has guided, and those are the ones who possess understanding.

مذکورہ آیت کریمہ میں مومنین کا وصف بیان ہوا کہ وہ ہدایت یافتہ اور عقل والے ہیں۔ حدیث پاک میں صاحب عقل و دانا انسان کو قابل رشک تک قرار دیا گیا، سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

{لا حسد إلا فی اثنین رجل آتاه الله مالا فسلطه علی هلكته فی الحق ورجل آتاه الله حكمة فهو يقضی بها ويعلمها}

ترجمہ: دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک کرنا جائز نہیں ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اسے حق کے راستے میں خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے دانائی عطا فرمائی اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور اسے لوگوں کو سکھاتا ہو۔ (صحیح بخاری)

ایک روایت میں رسول اکرم ﷺ نے نماز میں صفوں کی درستگی کے حوالے سے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

{لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ

يَلُونَهُمْ}

ترجمہ: تم میں سے جو عقلمند اور سمجھدار ہوں وہ میرے قریب کھڑے ہوں، پھر جو (اس وصف میں) ان کے قریب ہوں پھر جو (اس وصف میں) ان کے قریب ہوں'' (صحیح مسلم)

اس حدیث سے بھی اس عظیم وصف (عقل و شعور) کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات میں ایک مخلوق ایسی تخلیق فرمائی جسے عقل و شعور کی نعمت سے نوازا پھر اس مخلوق میں دو طبقے پیدا فرمائے ایک وہ جسے علم و حکمت 'بصیرت و معرفت کی دولت سے نوازا اور دوسرا وہ جن کے بارے قرآن پاک میں ہے:

{خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ}

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے (البقرہ۔ ۷)

یہی وہ طبقہ ہے جس کے افراد آیات الہی پر غور فکر نہیں کرتے بلکہ اپنے خودساختہ عقائد و نظریات پر عمل کرتے ہیں۔ اول الذکر طبقہ جو صاحب بصیرت ہیں اسے '' اولوالالباب '' کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ انسان کے لیے رب تعالی کی رضا حاصل کرنے کا سب سے آسان راستہ یہی ہے کہ وہ آیات الہی اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات میں تدبر کرکے ''اولوالاباب'' کی صف کی میں شامل ہوکر رضائے خداوندی کا درست حقدار بنے (امین)

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کتاب الٰہی کی تعلیمات و ہدایات عقل کے عین مطابق ہیں۔ اگر کسی انسان کی فہم ان تعلیمات کو سمجھنے میں کوتاہی کرتی ہیں تو اس میں عقل کا قصور ہے۔ بعض افراد کی کوتاہی فکر اور محدود بصیرت قرآنی علوم و معارف کو سمجھنے اور ان کا احاطہ کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ علوم قرآنیہ عقل و فہم کے معیار پہ پورا نہیں اترتے بلکہ اسے متعلقہ افراد کی کج فہمی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

وہ آیات کریمہ جن میں "اولوالالباب" کا ذکر آیا ہے

(۱) {وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ}(البقرة۔۲۶۹)

(۲) {وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (البقرة۔۱۷۹)

(۳) {وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ}(البقرة۔۱۹۷)

(۴) {يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ} (آل عمران۔۷)

(۵) {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} (آل عمران۔۱۹۰)

(٦) {فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ}
(المائدة۔١٠٠)

(٧) {لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} (یوسف۔١١١)

(٨) {إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ} (الرعد۔١٩)

(٩) {وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ }
(ابراهیم۔١٥٢)

(١٠) {لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ} (ص۔٢٩)

(١١) {وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ}
(ص۔٤٣)

(١٢) {إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ} (الزمر۔٩)

(١٣) {أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ}
(الزمر۔١٨)

(١٤) {إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} (الزمر۔٢١)

(١٥) {هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} (غافر۔٥٤)

(١٦) {فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا} (الطلاق۔١٠)

قرآن اور کائنات میں مطابقت

(Universal & Harmony In Quran)

دین و دنیا کے تمام معاملات میں جس عدل و قسط کی دعوت قرآن حکیم نے دی ہے پوری کائنات اپنے وجود سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ آسمان کے سیارے اور ستارے ، سب اللہ کے حکم کے پابند ہیں اور ٹھیک اُس توازن پر قائم ہیں جو اُن کے خالق نے اُن کے اندر رکھ دیا ہے۔ کرہ ارض پر حیات انسانی کے دلکش نمونے زمین اور آسمان کے درمیان ہم آہنگی کا نتیجہ ہیں۔ حیات انسانی کی پر رونق بہاریں اور حیات آفریں جلوے خالق کائنات کی مرضی سے ہم آہنگ نتیجے ہیں۔ یہ حیات انسانی ایک جدوجہد ہے اندرون و بیرون کے درمیان ہم آہنگی کی تلاش اور ایک با معنی اور مربوط تعلق کے قیام کی جس طرح زمین پر بہار کیلئے ہواؤں کی ضرورت ہے اسی طرح قدرت نے انسانی زندگی میں حقیقی بہار کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ تر و تازہ ہوا کے مانند جاری و ساری کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ}

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو (الشوری۔ ۱۷)

Allah is the One who has sent down the Book with truth, and the Balance as well. And what can let you know? May be, the Hour (the Day of Judgment) is near.

اس آیت کریمہ میں لفظ "حق" کتاب اور کائنات دونوں کی مطابقت پر دلالت کررہا ہے۔ یعنی خالق کائنات دونوں کو حکمت بالغہ سے ایک دوسرے کی مطابقت سے تخلیق فرمایا ہے اس کے بعد قیامت کے آنے کا ذکر فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ دونوں کے تقابل سے نہ صرف قیامت قریب نظر آتی ہے بلکہ تمام شواہد بھی کھل کر سامنے آجائیں گے یہی وہ اسرار ہیں جن کے یہ دونوں ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔ دونوں میں کسی قسم کا کوئی تصادم نہیں پایا جاتا۔ دونوں ایک ہی طاقت کے دو مظاہر ہیں۔ قرآن میں انسان جتنا غوروفکر کرے گا کائنات کے حقائق سمجھنے کی راہیں کھلیں گی اور جتنا کائنات کے نظام پر تدبر کرے گا قرآن کی حقانیت واضح ہوتی جائے گی۔ کیونکہ قرآن میں مظاہر قدرت کے حقائق اشاروں اور کنایوں کے انداز میں بیان کیے گے ہیں۔ لہذا سائنسی تحقیقات کی مدد سے جیسے جیسے قوانین فطرت دریافت ہوتے جائیں گے ان قرآنی اشاروں کی اہمیت واضح ہوتی جائے گی۔

میزان کا معنی شریعت بھی ہے۔ جس سے حقوق کا وزن کیا جاسکتا ہے اور لوگوں کے درمیان عدل اور مساوات قائم کی جاسکتی ہے۔ حق تعالی نے مادی ترازو نازل فرمایا جس سے اجسام کا وزن ہوتا ہے اور علمی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑا ترازو دین حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتا ہے اور جس میں بات کا پورا وزن ہوتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ جیسے مادی اشیاء کے وزن کے لیے ترازو ہوتا ہے اسی طرح معنوی حقیقتوں کو تولنے کے لیے اللہ نے اپنی کتاب اتاری ہے۔ اللہ کی کتاب حق اور باطل کے درمیان فرق

کرنے کی کسوٹی ہے۔ دوسری اشیاء کو اللہ کی کتاب حق پر پرکھا جائے گا، نہ یہ کہ اللہ کی کتاب حق کو دوسری اشیاء پر پرکھا جانے لگے۔ قرآن اور کائنات دونوں ایک ہی ذات پاک کے جلوے ہیں ایک ہی حقیقت کے دورخ ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی صداقت کے شاہد ہیں اسی لیے یہ ممکن نہیں کہ ان میں تضاد و ٹکراؤ پایا جاتا ہو جو ایسا سوچتا ہے اور کہتا ہے اس کی عقل یقیناً فتور اور کمزوری کی حامل ہے۔

شرعی اور طبیعی میزان

اسی طرح شرعی اور طبیعی دونوں میزانیں مل کر کائنات میں یکسانیت پیدا کرتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں ان دونوں کا کامل نمونہ ہوتی ہیں۔ اسی لیے انکی سیرتیں قابل اتباع ہوتی ہیں دوسرے مقام پر اشاد فرمایا:

{وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ}

ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔ (رحمن۔ ۹)

Observe the correct weight with fairness, and do not make weighing deficient.

انسان سے جو عادلانہ روش مطلوب تھی اس کا عملی نمونہ اللہ تعالی نے کائنات میں قائم کردیا۔ انسان کے گردوپیش کی کائنات عین اسی اصول عدل پر قائم ہے جو انسان سے اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور قرآن میں اسی عدل کو لفظی طور پر بیان کردیا گیا ہے۔ اکثر سلف نے وضع میزان سے عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے یعنی حق تعالی نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر

اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا۔ اگر عدل و حق ملحوظ نہ رہے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ قرآن حکیم خدائی عدل کا لفظی اور کائنات خدائی عدل کا عملی اظہار ہے۔ لھذا بندوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و عمل کو اسی میزان سے ناپتے رہیں۔ وہ نہ لینے میں بے انصافی کریں اور نہ دینے میں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ اِس آیت کریمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ناپ تول میں کامل انصاف کا حکم ایک عظیم حکم ہے۔ حقیقت میں یہ اُس میزان عدل کی ایک فرع ہے جس پر حق تعالیٰ نے اِس کائنات کا نظام قائم فرمایا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قوم اِس میں فساد برپا کر دیتی ہے، وہ سارے نظام تمدن میں فساد برپا کر دیتی ہے۔ عدل و انصاف اس کائنات کا بنیادی اصول ہے قسط و عدل کے بغیر اس جہاں کا نظام درہم برہم ہونے کا خدشہ ہے۔

قرآن و حدیث اور جدید سائنس میں مطابقت

دین اسلام دیگر اَدیانِ باطلہ کی طرح چند مفروضوں پر عقائد و نظریات کی بنیاد پر اُٹھا کر اِنسان کی فطری صلاحیتوں کو مفلوج اور بے معنی عقائد کی نذر نہیں کرتا۔ دین اِسلام نے کبھی بھی اِنتہاء پسندی خواہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں ہو پسند نہیں کی، بلکہ اِسلام نے انسان کے لیے فطری تعلیمات کے شعور و آگہی کے بے شمار چراغ منور کر کے اُسے خیر و شر کا فرق عطا کیا۔ قرآن نے اپنے متبعین کو سائنسی علوم کے حصول کا درس دیتے ہوئے اسے ہمیشہ راہ

اِعتدال دِکھائی ہے۔ قرآن نے اِس کارخانۂ قدرت میں اِنسانی فطرت اور نفسیات کے مطابق اِنسان کو قوانین اور ضابطوں کا پورا نظام دِیا ہے۔

مسلم مفکرین نے اپنے سفر کے اولین زمانے میں غور و فکر کے ذرِیعہ سائنسی علوم میں نہ صرف بیش بہا اِضافے کئے بلکہ اِنسان کو قرآنی آیات کی روشنی میں تسخیرِ کائنات کی ترغیب بھی دی۔ چنانچہ اُس عہد میں بعض حیران کن ایجادات و انکشافات بھی عمل میں آئیں۔ بہت سے سائنس داں ایسے ہیں جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی تحقیق میں خالق کائنات کا عکس پاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جب سائنسی تحقیقات کو قرآن حکیم کی روشنی میں پڑھیں گے تو قرآن حکیم کے اندر بہت سے ایسے معجزات ہیں جو خالق کائنات کے سرار پنہاں کی طرح ہیں، ان اسراروں کا آشکار ہونا صرف سائنسی تحقیق کے ذریعہ ممکن ہے۔اسی لیے سائنسی تحقیقات' تجزیے اور ریسرچ آیات الٰہی کے نکات کو سمجھنے میں معاون ومددگار ہیں۔ سائنسی انکشافات قرآنی تعلیمات کے منافی نہیں، بلکہ سمجھنے میں مددگار ہیں خالق کی ذات اقدس تک کا سفر کراتی ہے اور ایمان کی پختگی کا سبب بنتی ہیں۔

اسلام اور سائنس کے درمیان جو مصنوعی فرق ہے اس کو سائنسی ایجادات نے حقائق کے منافی ثابت کر دیا ہے۔ اسلام کا برحق دعویٰ ہے کہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا گیا۔ سائنس نے کئی تحقیقات سے اس دعوے کو سچ ثابت کردیا ہے۔ کئی سائنس داں ایسے ہیں، جن کے قلب و نظر نے مذہب کے مطالعہ سے وسعت حاصل کی، اسی مطالعے سے انہوں نے اہم سائنسی انکشافات کیے۔ انہوں نے سائنس اور مذہب کے درمیان بے

حد مطابقت اور گہرے ربط کو ثابت کیا۔ قرآن و حدیث اور جدید سائنس میں کوئی تضاد نہیں جتنے سائنسی انکشافات اور ایجادات ہو رہے ہے وہ قرآن کے عین مطابق ہیں۔ سائنس کا سفر جاری ہے اس دوران بعض اوقات کچھ چیزیں خلاف قرآن نظر آتی ہیں لیکن بعد کی تحقیقات ثابت کردیتی ہیں کہ سائنسی ایجادات اور اصول و قوانین کی ترقی یافتہ شکلیں قرآن حکیم کے عین مطابق ہیں۔ سائنس کے تدریجی و ابتدائی مراحل میں اصل حقیقت نہاں ہوتی ہے لیکن بعد کی تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ ان کا اسلام سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

قرآن سائنس کی کتاب نہیں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں بلکہ یہ آیات (نشانیوں) کی مدلل برحق کتاب ہے۔ قرآن مجید میں ایک ہزار سے زیادہ آیات سائنس اور سائنسی اُمور سے متعلق ہیں۔ ان میں خالق کائنات نے اپنی زبردست قدرت اور اسرار و رموز کے بارے میں انکشافات فرمائے ہیں۔ ان مظاہر فطرت کو بعض مقامات پر مفصل اور بعض مقامات پر اشارۃً بیان کر کے انسان کو دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں قرآن و حدیث مبارک میں بیان کردہ حقائق کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے۔ جدید تحقیقات و انکشافات مسلمانوں کے لیے نئی نہیں ہیں بلکہ یہ تمام حقائق و انکشافات قرآن و حدیث میں پہلے سے بیان کردیے گئے ہیں اس اعتبار سے آج قرآن کے ساتھ حدیث مبارک کی سچائی کا اعجاز ثابت ہوتا ہے۔ سائنس ان رازوں کو

آشکار کرتی ہے جو مظاہر فطرت کی نشانیاں ہیں۔ ان سے اہل ایمان کو غور و فکر کا نایاب موقع ملتا ہے اور وہ اعتماد و یقین کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو کر خود کو خالق کائنات کے قریب کرلیتا ہے۔ جیسے جیسے سائنسی تحقیقات سے رغبت بڑھتی جاتی ہے قدرت کی کرشمہ سازیاں عیاں ہوتی جاتی ہیں۔

قرآن حکیم کے ہر حرف میں علم و حکمت کے جواہر پارے پوشیدہ ہیں، یہ کتاب سائنس اور ٹیکنالوجی کا منبع و مصدر بھی ہے ایک معروف سائنسدان کا قول ہے "کہ سائنس کی انتہا قرآن کی ابتدا ہے" جن تحقیقات اور علوم کا وہ اس دور میں انکشاف کر رہے ہیں قرآن میں واضح بیان کردی گئی ہیں، اسی لیے کئی متبحر سائنسداں حلقہ بگوشِ اسلام بھی ہو چکے ہیں۔

دین سلام مطالعہ سائنس کی حوصلہ افزائی کے ساتھ اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اگرانسان چاہے تو تحقیقی امور کے اعلیٰ نتائج حاصل کرنے کے لیے شریعت مطہرہ کے بیان کردہ حقائق سے بھی مدد لے سکتا ہے۔ اس مدد سے پختہ نتائج حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مطلوبہ منزل مقصود بھی جلد مل جائے گی۔ کیونکہ شریعت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو نظام حیات اور نظام کائنات کے ظہور میں آنے سے متعلق سوالات کا صحیح جواب اور رہنمائی کرتی ہے۔ انسانی تحقیق کی منزل صحیح بنیادوں پر اگر استوار ہوگی تو وہ نظام کائنات کی ابتداء مقصد حیات اور نظام حیات کے متعلق مختصر وقت میں بڑے بڑے حقائق و انکشافات تک پہنچا دے گی۔ عصر حاضر کی سائنسی ترقی نے انسان پر حیرت کے دروازے کھول دیے ہیں، جن اشیاء کے بارے میں آج سے 50 یا 100 برس پہلے تصور کرنا ناممکن تھا وہ موجودہ دور میں ممکن ہو

چکا ہے۔ قرآن حکیم و حدیث مبارک ہر دور میں دلیل اور برہان رہیں گے۔ نئی نئی سائنسی تحقیقات دراصل قرآن و حدیث کی حقانیت و تصدیق کرتے نظر آرہے ہیں۔ ان میں کبھی تعارض پیدا نہیں ہوسکتا۔ سائنسی انکشافات سے مذہبی اصولوں پر نہ کوئی حرف آسکتا ہے نہ ہی مومنین کے ایمان پر کسی قسم کا حرف آئے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ}

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے ایمان والوں کے لئے تو اس میں (وحدانیت اور قدرت کی) بڑی بھاری دلیل (نشانی) ہے (العنکبوت۔۴۴)

Allah has created the heavens and the earth with truth. Surely in this there is a sign for the believers.

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

{هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ}

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک برا مانیں۔ (توبہ۔۳۳)

نزول قرآن کا بنیادی مقصد راہ راست سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر گامزان کرنا دلوں کی کجی دور کرنا' روحانی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور اخلاقی اوصاف کا پیدا کرنا اس کتاب کا مرکزی مدعا ہے۔ گویا کہ اس میں جملہ

علوم کا اجمالی طور پر احاطہ کر لیا گیا ہے۔ سائنسی علوم کی بنیادیں اس کتاب میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس کا مرکزی نکتہ انسانوں کی روحانی اصلاح اور اخلاقی سربلندی ہے۔

جدید سائنس (Modern Science)

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کی تمام تعلیمات ایک زندہ عربی زبان میں پائی جاتی ہیں جب کہ باقی تمام ادیان کی ابتدائی کتابیں ایسی زبانوں میں ہیں جو اب مردہ ہو چکی ہیں۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسلام کے دشمنوں نے اس روشن چراغ کو بجھانے کی کتنی کوششیں کیں۔ کئی بار یہودیت، عیسائیت اور شرک و کفر نے سر جوڑ جوڑ کر علانیہ مقابلے کیے اور سازشوں کے خطرناک جال ہر دور میں بچھاتے رہے۔ نصرت ربی سے دین اسلام کا نور ہمیشہ درخشاں ہی رہا اور تاقیامت رہے گا۔ اہل ایمان کی تعداد بڑھتی ہی رہی اور بڑھتی ہی رہے گی۔ پروردگا عالم کا یہ وعدہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت سرورِدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت کو گرہن نہیں لگا سکتی۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن اور سائنس میں تضاد ہے ' دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ ان کے نزدیک اسلام ایک قدیم مذہب ہے جو عصر حاضر کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ صاحب ''تفہیم القرآن'' جدید سائنس کے حوالے سے رقم طراز ہیں ''قدیم زمانے میں لوگوں کے لیے آسمان وزمین کے رتق وفتق اور پانی سے ہر زندہ چیز کے پیدا کیے جانے اور تاروں کے ایک ایک فلک میں تیرنے کا مفہوم کچھ اور

تھا موجودہ زمانے میں طبیعیاتPhysics)، حیاتیات (Biology)، اور علم ہیئت (Astronomy) کی جدید معلومات نے ہمارے لیے ان کا مفہوم کچھ اور کر دیا ہے اور نہیں کہہ سکتے کہ آگے چل کر انسان کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ ان الفاظ کے کن معانی پر روشنی ڈالیں گی''

جدید سائنس اور قرآن مجید میں دی گئی معلومات میں زبردست مطابقت پائی جاتی ہے جس سے ایک عام غور و فکر رکھنے والا انسان بھی اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ عصر حاضر کی جدید ٹیکنالوجی کے بغیر وہ تمام معلومات جن کو چھٹی صدی عیسوی میں نازل ہونے والی کتاب میں بیان کرنا انسانی عقل و فہم کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام کسی مافوق الفطرت ہستی نے

اپنی حکمت سے نازل کیا ہے۔ اسی خالق نے مذکورہ تمام علوم و پیشین گوئیوں اور ہدایات کے ساتھ قرآن حکیم کی صورت میں کلام حق اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ}

ترجمہ: جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ (التکویر۔ ۱)

When the sun will be folded up,and when the stars will swoop down,

انسان کی زندگی میں سائنسی حقائق و نظریات کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔ اسی کی چھاپ پوری زندگی پر پڑتی ہے۔ سائنس ہی ایسے مسائل بھی پیدا کرتی ہے جن کے حل کی ضرورت فوراً پیش آتی ہے اور حل بھی ایسا پیش کرتی ہے جو

سائنسی اعتبار سے بالکل درست تحقیق شدہ ہوتا ہے، اسی لیے عقل و دماغ، شعور و فکر کے پیمانہ پر بھی وہ پوری طرح قابل قبول ہوتا ہے۔ یہ سائنس کا کمال ہے اور جواب قرآن سے ملتا ہے۔ یہی کلام اللہ کا معجزہ۔ ایسا اس لیے بھی ہے کہ خدا نے خود حکم دیا ہے کہ تم زمین و آسمان کی مسافت کے بارے میں غور و فکر کرو۔ یہ کام کو سائنس کر رہی ہے، یعنی سائنسی دور میں مسائل بھی سائنسی پیدا ہوتے ہیں، اس لیے جواب بھی سائنسی ہی ہونا چاہیے اور یہ جواب ہمیں کلام اللہ سے حاصل کرنا ہے، جو بلاشبہ موجود ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنسی فکر و نظر کے ساتھ سائنسی علوم کا بھی ملکہ حاصل ہو۔ بس مسئلہ کا حل مل جائے گا، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن کریم کی مکمل تعلیم ہو۔ سائنسی تحقیقات و ریسرچ پر پوری طرح دسترین ہو، چونکہ سوالات نئی سائنسی تحقیقات پیدا کر رہی ہیں، اس لیے ان تحقیقات کے نوک و پلک سے واقفیت ہو یہ لازم ہے۔ سائنس پوری کائنات کے پوشیدہ راز کو تحقیق و ریسرچ کے ذریعہ آشکار کرتی ہے۔ ان رازوں کو جاننا سمجھنا، ان پر غور و فکر کرنا، خالق کی کرشمہ سازیوں کو سمجھنے میں مددگار ہے۔ خالق کائنات تک یہی کرشمہ سازی پہنچاتی ہے۔

قرآن حکیم کتاب دلیل و برہان

(Quran Book Of Arguments)

قرآنِ حکیم روئے زمین پر خالق کائنات، مالک ارض و سماوات، حاکم و مقتدرِ اعلیٰ کے وجود کی سب سے بڑی روشن دلیل ہے۔ اسی لیے اسے

"بُرہان" فرمایا گیا۔ بُرہان کے معنی دلیل اور حجت کے ہیں۔ وہ نظریہ، عقیدہ، فکر اور اصول جو کسی بھی معاملے میں انسان کی واضح اور فیصلہ کن رہنمائی کر سکے اسے دلیل یا برہان کہتے ہیں۔ یعنی برہان ایسی روشن دلیل جس کے بعد کسی عذر کی گنجائش باقی نہ رہے اور ایسی حجت جس سے سب شکوک و شبہات زائل ہو جائیں۔ "برہان" کے لفظ سے ان عقلی و استدلالی پہلوؤں کو واضح فرمایا گیا ہے کہ وہ ایک حجت قاطع ہے، اس کے اندر ہر شبہ، ہر اعتراض اور ہر سوال کا تسلی بخش جواب موجود ہے اگر انسان اس پر قلب سلیم سے غور کرے۔

کلام الٰہی کی ہر آیت اور ہر حرف میں تاقیامت دلیل و حجت اور کامل رہنمائی موجود ہے۔ وہ انسان جنہیں حق کی تلاش ہو اور ان کے دل ہر طرح کی کجی روی سے پاک ہوں، کتاب الٰہی ان کے لیے ہمہ پہلو دلائل و براہین کا شعور اور عمل صالح کی توفیق و استقامت مہیا کرتی ہے۔ کلام اللہ اپنے طرزِ استدلال میں تمام وہ اسالیب اختیار کرتا ہے، جو انسانی عقل و فہم، تدبر و تفکر، سماعت و مشاہدے سے متعلق ہوں۔ ہر انسان اس کتاب سے اپنی فہم و دانش اور عقلی استعداد کے مطابق اس سے صراطِ مستقیم کا شعور حاصل کر سکتا ہے۔ کتاب الٰہی نے اپنے دلائل و براہین سے جن انسانوں کو تفکر و تدبر کی دعوت دی ان میں اہلِ عقل و بصیرت، اہلِ ایمان و عمل، اہلِ تقویٰ و خوف اور اہلِ علم و عرفان جو آیات الٰہی کو بغور سننے اور سمجھنے کی صلاحیت کے حامل ہوں۔ کلام الٰہی بے شمار دلائل اور نشانیوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ

نُوۡرًا مُّبِيۡنًا}

ترجمہ: لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل (روشن) آچکی ہے۔ اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کو) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔ (النساء۔۱۷۴)

O mankind, there has come to you a conclusive proof from your Lord, and We have sent down to you a clear light.

آیت کریمہ میں برہان سے مراد قرآن حکیم ہے جو کفر اور شرک کی تمام تاریکیوں میں نور ہدایت ہے۔ ضلالت وشک کی پگڈنڈیوں میں صراط مستقیم اور حبل اللہ المتین ہے۔ اس برہان مبین کے مطابق جو انسان ایمان لائیں گے وہ رب تعالی کے فضل اور رحمت کے مستحق ہونگے۔ ''نورِ مبین'' سے اس کے اس عملی صفت کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ زندگی کے تمام نشیب و فراز میں حق و باطل کے فرق کو واضح کر کے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ اور تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لاتا ہے۔ یہ کتاب تا قیامت انسانوں کے لیے اور ہر طرح کی ذہنیت اور باطل قوتوں کے توڑ کی دلیل اور حجت رہے گی زمانہ خواہ کتنی ترقی کر لے یہ کتاب حق تعالی کی حجت اس کے بندوں پر اپنے دلائل سے کرتی رہی گی۔ اس کے مقابلے میں بقیہ تمام علوم و فنون مغلوب رہیں گے۔ اور ہمیشہ دلائل و برہان کے میدان میں ناکام رہیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ}

ترجمہ: آپ فرما دیں کہ اللہ ہی کی حجت (دلیل) غالب ہے بے شک اگر

اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا (الانعام۔ ۱۴۹)

Say, "With Allah is the far-reaching argument. If He had willed, He would have guided you all."

''حق و باطل کا فیصلہ حقیقی دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ اس قسم کے قیاسات پر۔ خدا نے اس دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے۔ یہاں آدمی کو یہ موقع ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے اختیار کرے اور جس چیز کو چاہے اختیار نہ کرے۔ یہ معاملہ تمام تر آدمی کے اپنے اوپر منحصر ہے۔ ایسی حالت میں کسی چیز کا رواج عام اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کوئی چیز برحق ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ دلائل کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ رواجی عمل کی بنیاد پر۔ دنیا کو اللہ نے امتحان گاہ بنایا۔ انسان پر اپنی مرضی جبراً مسلط کرنے کے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ انسان کو صحیح اور غلط کا علم دیا اور یہ معاملہ انسان کے اوپر چھوڑ دیا کہ وہ صحیح کو لیتا ہے یا غلط کو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں دلیل (حجت) خدا کی نمائندہ ہے۔ آدمی جب ایک سچی دلیل کے آگے جھکتا ہے تو وہ خدا کے آگے جھکتا ہے۔ اور جب وہ ایک سچی دلیل کو ماننے سے انکار کرتا ہے تو وہ خدا کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ جب آدمی دلیل کے آگے نہیں جھکتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش سے اوپر اٹھ نہیں پاتا۔ وہ باطل کو حق کہنے کے لیے کھڑا ہوجاتا تاکہ اپنے عمل کو جائز ثابت کرسکے۔ اس کی ڈھٹائی اس کو یہاں تک لے جاتی ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں کو نظر انداز کردے۔ وہ اس بات سے بے پروا ہوجاتا ہے کہ خدا اس کو بالآخر پکڑنے والا ہے۔ وہ دوسری دوسری چیزوں کو وہ اہمیت دے دیتا ہے جو اہمیت صرف خدا کو دینا چاہیے۔'' (تذکیر القرآن)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

{إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ}

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو، ان کے سینوں میں سوائے غرور کے اور کچھ نہیں ہے وہ اُس (حقیقی برتری) تک پہنچنے والے ہی نہیں۔ پس آپ (ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگتے رہیے، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ (غافر۔۵۶)

Surely, those who quarrel in Allah's verses without any authority having reached them, there is nothing in their hearts but pride of greatness that they are not (able) to reach. So seek refuge with All ah. Surely, He is the All-Hearing, the All-Seeing.

{أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ}

ترجمہ: کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ ان کو اللہ کے ساتھ شرک کرنا بتاتی ہے؟ (الروم۔۳۵)

Is it that We have sent down to them any authority that speaks to them about their associating partners with Him

قرآن حکیم کتاب دلیل و برہان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن براہ راست عقل انسانی سے اپیل کرتا ہے وہ آیات قرآنیہ میں تفکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے کہ اسکی تعلیمات کو عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھیں کیا اس کی کوئی نصیحت کوئی حکم ایسا ہے جو فطرت انسانی اور عقل سلیم کے خلاف ہو یہی

اس کتاب کے برحق ہونے کی سچی دلیل ہے۔ چودہ سو برس سے زیادہ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اس کی آیات بینات کو خلاف عقل و فطرت انسانی ثابت نہیں کیا جاسکا اور نہ روزِ قیامت تک ایسا کرنا ممکن ہوگا۔

دلائل و براہین قرآنی کا کلیدی موضوع

دلائل و براہین قرآنی کا کلیدی موضوع وجودِ حق تعالیٰ' توحید الٰہی، عظمت و جلالت، حکم و اقتدار، طاقت و قدرت کے اعلان و اظہار کا ہے۔ نزولِ کتاب الٰہی اور بعثتِ سرورِ عالم ﷺ کا مقصد عظیم یہی ہے یعنی تحقیق کائنات کی حقیقی غرض و غایت بھی یہی ہے۔ کلام اللہ انسان کو اپنی تخلیق، تکوین کائنات اور بے شمار ظاہری و باطنی، مظاہر فطرت اور مناظر قدرت کو نشانی (برہان) بنا کر خالق کائنات کی وحدانیت و عظمت، شان وکبریائی، قوت و اختیار' جاہ و جلال اور جمال ذاتِ باری کے ہر پہلو کو نمایاں کرکے واضح کرتا ہے۔ اور اپنے روشن دلائل سے تخلیق کائنات کا مقصد واضح کرتا ہے کہ یہ کھیل تماشے کے لیے اور بے مقصد ہرگز نہیں ہے۔ کتاب الٰہی کی ہر آیت ضرور کسی نہ کسی انسانی رویے کے حُسن و قبح فعل پر دلیل و حجت اور کسی نہ کسی اَبدی اور سچی حقیقت کی علامت ہے۔ یہ تمام دلائل و براہین انسانی ہدایت کے لیے سامان قلب و نظر اور اطمینان و تسکین، اور دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا باعث ہیں۔ یہ تمام دلائل و براہین پوری بنی نوع انسانیت اور بالخصوص مؤمنین کے لیے دعوت فکر ہیں۔ اسلام کے بنیادی عقائد توحید' رسالت' ملائکہ اور یوم آخرت کے اثبات کے لیے مختلف زاویوں سے بحث

کی گی ہے۔ نہایت عمدہ اور دلنشین موثر اور زر فہم اسلوب میں ان عقائد کو انسانی فہم و سمجھ کے لیے قابل قبول بنایا گیا ہے۔

اصل کسوٹی قرآن ہے نہ کہ سائنس

سائنس کو بطور کسوٹی قرآن حکیم کی صداقت ثابت کرنے کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن کبھی بھی سائنسی دلیلوں کا محتاج نہیں ہوگا بلکہ سائنسی تحقیقات کی حقانیت یا انکار کو جانچنے کے لیے کتاب الٰہی سے رجوع کرنا نہایت ضروری ہے۔ سائنسی تحقیقات کا محقق انسان ہے اور انسانی ذہن سے کی جانے والی مادی تحقیق کو ممکنہ نقص سے پاک نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں سائنسی بنیادوں پر پیش کیے جانے والے نظریات کو سائنس نے خود ہی رد کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں مسلمان کے لیے کسی چیز کے صحیح یا غلط پرکھنے کی اصلی کسوٹی ''قرآن مجید'' ہی ہے نہ کہ سائنس۔ مسلمانوں کو صرف انہی سائنسی دریافتوں کا ذکر کرنا چاہیے جو واقعی دلائل 'ثبوت اور وزن رکھتی ہیں بقیہ سائنسی مفروضوں کے ذکر سے اجتناب کیا جانا بہتر ہے۔ اہل اسلام نے جب تک اپنا ضابطہ و منشور قرآن کریم کو بنائے رکھا، اس کی تعلیمات پر عمل پیراء رہے اور ہر معاملے کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھتے رہے ان کی عزت و ناموس اور جان و مال سب محفوظ رہے۔ انہوں نے جب قرآن و حدیث کے احکامات کو پس پشت ڈالا، وضعی قوانین اور سائنسی تحقیقات کو اپنا قانونِ حیات بنانے لگے تب سے وہ ذلیل و خوار ہونے لگے، معزز قوم کی عزت و آبرو، جان و مال، زر وزن اور

زمین سب بے قیمت ہو گئیں، ہمارے اسلاف تو صاحبِ قرآن ہو کر معزز و مکرم تھے، اور ہم تارکِ کتاب الہی ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے ہیں۔

قرآن حکیم انسانیت کے نام اللہ تعالی کا آخری پیغام ہے جس میں دارین کی فلاح و نجات کا سامان موجود ہے اس میں بیان کردہ علوم و معارف صداقت پر مبنی ہیں۔ اس کی تعلیمات آفاقی اور ابدی ہیں اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہے حق و باطل کو پرکھنے اور صداقت و حقانیت کی جانچ کرنے کے لیے معیار قرآن حکیم ہے۔ سائنس کے نظریات زمان و مکاں کی تبدیلیوں سے بدل جاتے ہیں عصری اور مادی علوم میں ابدیت اور آفاقیت نہیں ہو سکتی اس لیے یہ کہنا بالکل برمحل ہے کہ حق و باطل کی تمیز کے لیے اصل کسوٹی قرآن ہے نہ کہ سائنس۔

قرآن مجید کا انقلابی تصور حیات

Revelation Life Concept Of Quran

قرآن عظیم کا انقلابی تصورِ حیات یہ ہے کہ انسانی زندگی مختلف گوشوں اور شعبوں میں تقسیم نہ ہو۔ پوری زندگی اللہ رب العزت کی بندگیِ و اطاعت میں گزرے۔ قرآن پاک انسان کے فکروخیال اور عقیدہ و رجحان سے لے کر اجتماعی حیات کے ہر پہلو پر خالق کائنات کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔ سب خیالات، نظریات، عُلوم، طرز معاشیات، طرز حیات' طرز معاملات اور سعی و عمل تمام کے تمام شریعت مطہرہ کے تابعِ ہوں۔ یہ نہ ہو کہ زندگی کے کچھ حِصّوں میں قرآن حکیم کی پیروی ہو اور کچھ حصے پیروی سے مستثنیٰ ہوں۔ قرآنی

انقلاب سے مراد کتاب و سنت کی عظیم فکر پر مبنی ایسی دعوت ہے جو ہر لحاظ سے باطل طاغوتی اور استحصالی قوتوں کے ہر قسم کے اثر و نفوذ سے پاک ہو۔ بد قسمتی سے جو پاکیزہ روح اس عظیم انقلاب کے پیچھے مضمر تھی اُمت مسلمہ کی نظر، عمل، زندگی اور افکار سے غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ باطل افکار اور غلط رسوم نے لے لی۔ قرآن و سنت کے مکمل نفاذ سے امت مسلمہ انقلاب کی جانب گامزن ہوگی۔ رحمت دو عالم ﷺ کی بعثت کے ساتھ دین مکمل ہو گیا آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب آخری کتاب ہے جس میں تمام انسانیت کے لیے ھدایت اور رہنمائی موجود ہے۔ قرآن حکیم کی انقلابی تعلیمات پر جو معاشرہ قائم ہوا وہی عالم گیر معاشرہ بنا جس کی مثال تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر رہی۔ سرورعالم ﷺ نے قرآن حکیم کے سنہری اصولوں کی بنیادوں پر جو اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اس میں کسی قسم کا نسلی و علاقائی، جغرافیائی و لسانی اور تعصبی فرق نہ تھا۔

کتاب الٰہی کا مطالبہ خود اہل اسلام سے بھی یہی ہے کہ:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ}

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ:۲۰۸)

O you who believe, enter Islam completely, and do not follow the footsteps of Satan. Surely, he is an open enemy for you;

آیت کریمہ اسلام کے پاکیزہ مزاج کی وضاحت کر رہی ہے کہ یہ دین مکمل ضابطہ حیات اور مستقل دستور زندگی ہے۔ اس دین کامل کا اپنا واضح دیوانی اور فوجداری نظام قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے بارے اپنے واضح نظریات اور روشن اصول و ضوابط ہیں۔ اس دین برحق کی کتاب انسان کی ذہنی وروحانی اور مادی و اخروی ترقی کے لیے مکمل ضامن ہے۔ اسلام میں پورے داخل ہونے کے بعد مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبے میں خالق کائنات کی ہدایت ورہنمائی سے آزادی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مسلمان کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی سب کی سب قانون الٰہی کی پابند اور اس کی مرضی کے تابع ہوتی ہے۔ اسی طرح تمدن کے پورے نظام میں معاشرت، سیاست، معیشت، قانون و عدالت، انتظام و انصرام، ملکی اور بین الاقوامی تعلقات سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم ہوگی۔ مسلمان نہ صرف اپنے آپ پر اس قانون کا نفاذ کرتا ہے، بلکہ پوری انسانیت کو اپنے قول اور فعل سے دعوت حق دیتا ہے۔ مخلوق خدا کو دعوت حق کی طرف بلانا، اور اس میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا جو عبد اور معبود کے درمیان اس تعلق کے قیام کی راہ میں مزاحم ہے۔ اس کا نام دعوتِ حق ہے جو اسلام میں جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ یہی وہ دعوت ہے جس کی طرف یہ الہامی کتاب بلاتی ہے۔ کتاب الٰہی کی یہی دعوتِ انقلاب ہے کہ زمانے کے انداز' چال چلن تبدیل ہوں انسان کی دنیا دل اور انسانی معاشرہ دونوں میں قرآنی انقلاب آئے۔ ایسا صالح انقلاب جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی روش کا خاتمہ ہو اور اس کی اطاعت و بندگی کا دور دورہ ہو۔ یہ ہے نزولِ قرآن کا مقصد

اور یہی ہے وہ انقلاب جو قرآن انسانیت کی نجات کے لیے بتاتا ہے۔

"اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمہاری مصلحتوں اور خواہشات کے مطابق ہوں ان پر تو عمل کر لو دوسرے حکموں کو نظر انداز کر دو اس طرح جو دین تم چھوڑ آئے ہو اس کی باتیں اسلام میں شامل کرنے کی کوشش مت کرو بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ اس سے دین میں بدعات کی بھی نفی کر دی گئی اور آجکل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لئے تیار نہیں بلکہ دین کو عبادت یعنی مساجد تک محدود کرنا اور سیاست اور ایوان حکومت سے دین کو نکال دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انہیں چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے جیسے مرگ اور شادی بیاہ کی مسرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج وغیرہ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو جو تمہیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا ہے برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کراتا ہے تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمین میں پھنسے رہو۔" (احسن البیان)

قرآن حکیم اپنے انقلابی منشور کا بڑی صداقت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ:

{مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا}

ترجمہ: جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا،

اور جو شخص کسی ایک کی جان بچائے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا (المائدہ۔ ۳۲)

whoever kills a person not in retaliation for a person killed, nor (as a punishment) for spreading disorder on the earth, is as if he has killed the whole of humankind, and whoever saves the life of a person is as if he has saved the life of the whole of humankind. Certainly,

قرآن حکیم کا یہ عظیم منشور اسلام کی انسانیت کے ساتھ حسن سلوک ٗہمدردی ٗرحمت کے موقف کی تائید کے لئے کافی ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ دین اسلام امن پسند، فطرت سے ہم آہنگ اور مظاہر فطرت سے بھرپور دین برحق ہے اس کی پالیسیوں سے انسانیت کو احترام اور بنی نوع انسان کو اپنے حقوق کا تحفظ ملتا ہے۔ بقاء نوعِ انسانی کا انحصار اس بات میں ہے کہ ہر انسان کے دل میں دُوسرے انسانوں کی جان کا احترام اور ایک دُوسرے کی بقاء حیات و تحفظ میں مددگار بننے کا سچا جذبہ ہو۔ جو کسی انسان کو ناحق قتل کرتا ہے وہ ایک فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل احترام انسانیت اور ہمدردیِ کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پُوری انسانیت کا قاتل ہے، کیونکہ اس میں وہ شیطانی صفت ہے جو اگر تمام انسانوں میں پائی جائے تو پُوری انسانیت کا خاتمہ ہو جائے۔ اور جو انسانی زندگی کے قیام میں مدد کرے وہ حقیقت میں انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت عظیم پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔

قرآنی انقلاب تاریخ انسانیت کا عظیم الشان اور بے مثال انقلاب ہے۔ جو ظہور اسلام سے لے کر آج تک کے تمام ادوار کے مقابلے میں سب انقلابات سے امن و سلامتی اور بنی نوع انسانیت سے ہمدردانہ سلوک' نرم خوئی' احترام انسانیت' رحمت و رافت کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اسی لحاظ سے اس دین کا انقلاب انسانیت کے لیے رحمت بھی ہے۔ اس لازوال انقلاب کے مقاصد دوسرے انقلاباتِ زمانہ سے ہر لحاظ اور انداز سے مختلف اور جُدا تھے۔ انقلاب رحمت محمدی قومیت کی بنیاد پر قائم نہیں کیا گیا تھا۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اسلامی انقلاب عرب قومیت کے پرچم کی سربلندی کرتے ہوئے عرب اقوام کو اکٹھا کر کے روم و فارس کے زیر تسلط عربوں کے سرسبز و شاداب علاقوں اور دوسری طرف شام و یمن کی بازیابی کے لیے غزوات کرتے ہو سکتا تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کے تمام قبیلے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم کے سایے میں اکھٹے ہو جاتے اور رومی اور ایرانی سلطنتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ بھی جیت جاتے، لیکن انقلابِ اسلام کی نوعیت تو مختلف تھی۔ اس نقلاب سے عربی قومیت اور عصبیت کی آگ سے ظالم سلطنتوں سے آزادی تو حاصل ہو جاتی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد دنیا کو عربی قومیت کے تسلط میں گرفتار کرانا نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرامن انقلاب کا مقصد تو پوری کائنات کو رحمت کی آزادی سے سرفراز فرمانا تھا۔ اور یہی وہ انقلاب حیات ہے جو نزول قرآن کا منشاء ہے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''جو شخص دین کو جاننا چاہتا ہے، اس

کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن ہی کو اپنا مونس و ہم دم بنائے۔ شب و روز قرآن ہی سے تعلق رکھے۔ یہ ربط و تعلق علمی اور عملی دونوں طریقوں سے ہونا چاہیے۔ ایک ہی پر اکتفا نہ کرے۔ جو شخص یہ کرے گا وہی شخص گوہر مقصود پائے گا'' (الموافقات)

''فہمِ قرآن کی ان ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا، جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے، جس کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے، کہ آپ آرام کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سارے رُموز حاصل کر لیے جائیں۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لاکھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اُٹھوائی اور وقت کے علَم برداران کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے، ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعیِ حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے، ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اُٹھایا اور حامیانِ حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فردِ واحد کی پکار سے کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پورے سال میں یہ کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی۔ اور حق و باطل کی اس طویل و جاں گسل کش مکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اس نے تخریب کے

ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سر سے سے نزاع کفر و دیں اور معرکہ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کش مکش کی منزل کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو، اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اُٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیں اور جس جس طرح یہ کتابِ ہدایت دیتی جائے، اس طرح قدم اُٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔ مکہ، حبشہ اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے اور بدر و اُحد سے لے کر حنین اور تبوک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابوجہل اور ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا۔ منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے اور سابقین اوّلین سے لے کر مولفۃ القلوب تک سبھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔ یہ ایک اور ہی قسم کا سلوک ہے جس کو میں سلوکِ قرآنی کہتا ہوں۔ اس سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گزرتے جائیں گے، قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آ کر آپ کو بتاتی چلی جائیں گی کہ وہ اس منزل میں اُتری تھیں اور یہ ہدایت لے کر آئی تھیں۔ اس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور نحو اور معانی اور بیان کے کچھ نکات سالک کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے بخل برت جائے۔ پھر اس کلیے کے مطابق قرآن کے احکام، اس کی اخلاقی تعلیمات، اس کی معاشی اور تمدنی

ہدایات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اس کے بتائے ہوئے اصول و قوانین، آدمی کی سمجھ میں اس وقت تک آ ہی نہیں سکتے، جب تک وہ ان کو برت کر نہ دیکھے۔ نہ وہ فرد اس کتاب کو سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی انفرادی زندگی کو اس کی پیروی سے آزاد رکھا ہو اور نہ وہ قوم اس سے آشنا ہو سکتی ہے، جس کے سارے ہی اجتماعی ادارے اس کی بنائی ہوئی روش کے خلاف چل رہے ہوں۔ (مقدمہ تفہیم القرآن)

قرآن مجید کا انقلابی تصور حیات انسانیت کے لیے ایک نیا عالمگیر پیغام زندگی لے کر آیا۔ انسان انسان کا غلام تھا۔ شرک و بت پرستی نے انسانوں کو اشرف المخلوقات کے بلند رتبہ سے پستیوں کے گڑھوں میں پھینک دیا تھا۔ شرف انسانیت زائل ہو چکا تھا حیوانیت 'وحشت اور درندگی کے گھٹیا جذبات نے انسانوں کو جکڑ رکھا تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت اور قرآن صحیفہ انقلاب کے نزول نے افراد اور معاشرے کی کایا پلٹ دی انسان کو زیرو سے ہیرو بنا دیا۔

قرآن حکیم کا نظریۂ آفاقیت

(Universal Ideology Of Quran)

قرآن حکیم اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ انسانی فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ یہ سوچ کہ بنی نوع انسان ایک آفاقی برادری ہے کوئی باہر کا تصور نہیں بلکہ قرآن کا اصول اصلی ہے۔ یہ دین اسلام کے آفاقی نظریے کا

ایک جزو لازم ہے اس کو الگ نہیں کر سکتے۔ خالق کائنات نے انسانیت کی تخلیق دین فطرت سے کی ہے۔ اُس وقت سب انسان عقیدہ توحید پر تھے۔ انسانیت کی ابتدا راہ ہدایت پر ہوئی۔ شیطان نے لوگوں کو فرقہ بندی میں مبتلا کر کے دین میں بگاڑ پید کر دیا۔ اس کی وجہ اس آزادی کا غلط استعمال ہے جو لوگوں کو امتحان کی غرض سے دی گئی۔ قرآن پاک نے تمام انسانوں کو قانون کی نگاہ میں یکساں اور برابر قرار دیا ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل، علاقہ و قبیلہ تہذیب و تمدن، فکر و عقیدہ حتیٰ کہ دین و مذہب کی بنا پر بھی ان میں کوئی فرق نہیں کیا۔ یہی وہ آفاقی نظریہ ہے جسکا ذکر نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا۔ ہاں البتہ قوانین کی پاسداری میں سارے انسان برابر ہیں اسی لیے اسلامی قانونِ فوج داری اور شہری دونوں میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق اسلامی نظریہ کے سامنے بے معنیٰ ہیں۔

طلوع اسلام سے پہلے تفاخر کا یہ جاہلی نظریہ فقط غیر مہذب قوموں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جتنی متمدن اور شائستہ اقوام آباد تھیں وہ بھی کسی نہ کسی صورت میں اس مرض میں مبتلا تھیں۔ کہیں نسل اور قومیت پر فخر کہیں وطن کی سرزمین کی بڑائی و برتری باعث فخر کہیں زبان و رنگ وجہ افتخار تھے۔ اس فاسد نظریہ نے مختلف قوموں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر قوم نسلی شرافت کے باعث یہ حق سمجھتی تھی کہ وہ باقی ملکوں کو تاراج کرے، دولت لوٹے، باشندوں کو غلام بنائے اور اپنے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ اس شر انگیز نظریہ سے جنگ و جدل کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا تھا انسانیت کی شرف قبا ان تہذیب و تمدن کے نام نہاد علمبرداروں کے

ہاتھوں تار تار ہوتی رہتی۔ کتاب الٰہی کی بے شمار آیات انسانی برادری کی آفاقیت پر زور دیتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ}

ترجمہ: اور (سب) لوگ پہلے ایک ہی امت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے۔ پھر جدا جدا ہو گئے اور اگر ایک بات جو تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ (یونس۔ ۱۹)

All the people were no more than a single community; later, they differed. But for a word from your Lord that had already come to pass, a decisive judgment would have been made about their mutual differences.

اسلام نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا۔ امیر و غریب، سفید و سیاہ، مشرق و مغرب، مرد و عورت خواہ وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ مساوات کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے حجاج کرام ہر سال مکۃ المکرمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس ہو کر فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید مساوات بنی نوع انسان کی اساس بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ

تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا}

ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے (النساء۔ ۱)

اسی طرح عدم مساوات و تفریق کی کوئی حیثیت نہیں حجۃ الوداع کے موقع پر محسن انسانیت ﷺ کا خطبہ اس کی روشن دلیل ہے '' اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔ (بیہقی)

توحید کے حق میں تاریخ کی شہادت

Evidence Of History In Favour Tauhid

" یہ توحید کے حق میں تاریخی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے ن انبیاء و مرسلین کے ذریعہ سے لوگوں کو ایک ہی دین توحید کی تعلیم دی اور ایک ہی امت بنایا۔ لیکن لوگوں نے بعد میں اس میں اختلاف پیدا کر کے کج پیچ کی

بہت سی راہیں نکال لیں اور مختلف امتوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ آج گمراہی کے مختلف طریقوں کی موجودگی سے کوئی یہ دلیل نہ پکڑے کہ یہ راستے بھی خدا اور راس کے پیارے سول کے بتائے ہوئے ہیں۔ ان کو خدا سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ گمراہوں کی اپنی ایجاد سے ظہور میں آئے ہیں۔۔۔ ضمناً اس سے جدید فلسفیوں کے اس نظریہ کی بھی تردید ہوگئی کہ انسان نے دین کا آغاز شرک سے کیا پھر درجہ بدرجہ ارتقاء کرتے ہوئے توحید تک پہنچا۔ قرآن اس کے بالکل برعکس یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے انسان کو توحید کی تعلیم دی لیکن گمراہوں نے اس میں اختلاف پیدا کر کے فتنے کھڑے کر دیے'' (تدبر القرآن)۔

اسلام انسانوں کے درمیان جس فرق و امتیاز کو تسلیم کرتا ہے اس کی بنیاد انسانوں کا پروردگار کو شعور اور بصیرت سے پہچاننا ہے۔ وطنیت، قوم، رنگ، نسل اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی اسی زور و شور سے ہو رہی ہے۔ قرآن پاک نے ان تمام بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا جن پر مختلف قوموں نے اپنی اپنی برتری اور شرافت کے ایوان تعمیر کر رکھے تھے واضح ترین الفاظ میں انسانی برادری کی زیادہ سے زیادہ عملی و سچی اور آفاقی صورت سمجھا دی، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

{يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ}

ترجمہ: لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو در

حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والااور باخبر ہے (الحجرات۔۱۳)

O mankind, We have created you from a male and a female, and made you into races and tribes, so that you may identify one another. Surely the noblest of you, in Allah's sight, is the one who is most pious of you. Surely Allah is All-Knowing, All-Aware.

احترامِ انسانیت اور برابری کے آفاقی نظام کی بنیاد ڈالنے کے بعد دین برحق نے عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق عطا فرمائے۔ حقوق انسانیت کے بارے میں اسلام کا تصور آفاقی یکساں ہے جو زماں و مکاں کی تاریخی اور جغرافیائی حدود سے ماوراہے۔ قرآن حکیم اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اعجاز تھا کہ ایک ایسی امت معرض وجود میں آئی جس کے نزدیک عظمت و بزرگی کا معیار فقط تقویٰ اور پارسائی تھی۔ بقیہ تمام جھوٹے امتیازات مٹ گئے۔ فخر و مباہات کے جملہ اسباب کا قلع قمع ہوگیا۔ کائنات میں بکھرے آثار قدیم زمانے سے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اس کائنات میں اصل حقیقت توحید ہے شرک کی تمام صورتیں انسان کے اپنے پیدا کردہ اوہام ہیں۔

قرآن حکیم کا نظریہ آفاقیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کتاب رشد و ہدایت کے اندر ایسی عالمگیر صداقت کے حامل اصول و نظریات ہیں جو زماں و مکاں کی تغیرات سے اثر پزیر نہیں ہوتے یہ ہدایت خداوندی ہر دور ہر مکاں کیلئے کارآمد

ہیں۔ انسان اگر نظریاتی اور عملی طور پر خود کو ان تعلیمات کے سانچے میں ڈھال لے تو وہ فرش کی پستیوں سے اٹھ کر عرش کی بلندیوں پر جلوہ فرما ہو سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور کتابِ الٰہی

خالق کائنات نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اس دنیا میں کئی طریقوں سے بندوبست فرمایا ہے۔ فطرت ہر انسان کی رہنمائی کرتی ہے عقل و شعور ہر انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ انفس و آفاق کی نشانیاں قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کے لیے موجود ہیں اس ہدایت کی سب سے بڑی علامت انبیاء علیہم السلام تھے جو انسانوں کی زبان میں براہِ راست ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ایک نبی تھے آپ کے بعد ہر زمانے اور ہر قوم میں انبیاء علیہم السلام آتے رہے۔ سورۃ الحدید میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور کتابِ الٰہی کے نزول کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ}

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازوئے عدل) نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ (الحدید۔۲۵)

We have indeed sent Our messengers with clear proofs, and sent down with them the Book and the Balance, so

that people may uphold equity.

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ}

ترجمہ: ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور اُن کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا نہیں،) اختلاف اُن لوگوں نے کیا، جنہیں حق کا عمل دیا چکا تھا اُنھوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے پس جو لوگ انبیا پر ایمان لے آئے، انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اُس حق کا راستہ دکھا دیا، جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اللہ جسے چاہتا ہے، راہ راست دکھا دیتا ہے (البقرہ۔ ۲۱۳)

''دین کی تاریخ لکھنے والے اس کے آغاز، اس کی نشوونما اور اس کے عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے مدتوں سرگرداں رہے کہ دین کی ابتدا کیوں کر ہوئی ان کی طویل تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ انسان ابتدا میں مشرک تھا اور عقیدۂ توحید تک اس کی رسائی آہستہ آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی۔ قرآن بتاتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ انسان اول (آدم علیہ السلام) موحد تھا۔ شرک سے اس کا کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہی قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لئے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آثار قدیمہ کے ماہرین، انسانیات اور اجتماعیات کے علماء سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دین اولین دین توحید تھا۔ (تفسیر ماجدی)

دین میں اختلاف تعبیر و تشریح کے اختلاف سے شروع ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنے ذہنی سانچہ کے مطابق خدا کے دین کا ایک تصور قائم کرلیتا ہے۔ ایک ہی کتاب ہدایت کو مانتے ہوئے بھی لوگوں کی رائیں الگ الگ ہوجاتی ہیں۔ اس وقت اللہ اپنے چنے ہوئے بندے کے ذریعہ امر حق کا اعلان کراتا ہے۔ یہ آواز اگرچہ انسان کی زبان میں ہوتی ہے اور بظاہر عام آدمیوں جیسے ایک آدمی کے ذریعہ بلند کی جاتی ہے۔ تاہم جو سچے متلاشی حق ہیں وہ اس کے اندر شامل خدائی گونج کو پہچان لیتے ہیں اور اپنے اختلاف کو بھول کر فوراً اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو خودساختہ دین کے ساتھ

خود کو اتنا زیادہ وابستہ کرچکا ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ جذبہ ابھر آتا ہے کہ میں دوسرے کی بات کیوں مانوں۔ اس کے اندر ضد کی نفسیات پیدا ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی چیز کا انکار کردیتا ہے جس کا وہ اپنے خیال کے مطابق علم بردار بنا ہوا تھا۔

حق جب روشن دلائل کے ساتھ آجائے اور اس کے باوجود آدمی اس کا ساتھ نہ دے تو اس کی وجہ ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی کو نظر آتا ہے کہ اس کا ساتھ دینے میں اس کی خوش گمانیوں کا محل ڈھے جائے گا۔ اس کے مفادات کا نظام ٹوٹ جائے گا۔ اس کی آسودہ زندگی خطرہ میں پڑجائے گی۔ مگر یہی وہ چیز ہے جو اللہ کو اپنے وفادار بندوں سے مطلوب ہے۔ جس راستہ کی دشواریوں سے گھبرا کر آدمی اس پر آنا نہیں چاہتا وہی وہ راستہ ہے جو جنت کی طرف لے جانا والا ہے۔ جنت کی واحد قیمت آدمی کا اپنا وجود ہے۔ آدمی اپنے وجود کو فکر و عمل کے جن نقشوں کے حوالے کیے ہوئے ہے وہاں سے اکھاڑ کر جب وہ اس کو خدا کے نقشہ میں لانا چاہتا ہے تو اس کی پوری شخصیت ہل جاتی ہے۔ اس میں اس وقت اور زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے جب کہ اس کے ساتھ وہ خدا کے دین کا داعی بن کر کھڑا ہوجائے۔ داعی بننا بالفاظ دیگر دوسروں کے اوپر ناصح اور ناقد بننا ہے اور اپنے خلاف نصیحت اور تنقید کو سننا ہر زمانہ میں انسان کے لیے مبغوض ترین امر رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مدعو کی طرف سے اتنا شدید رد عمل سامنے آتا ہے جو داعی کے لیے ایک بھونچال سے کم نہیں ہوتا۔

''انبیاء علیہم السلام کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی، عدل

پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگانِ خدا کے حقوق، جن سے اس کو کسی طور پر سابقہ پیش آتا ہے، ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے۔ اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے، تمدن وتہذیب کا ہر پہلو افراط وتفریط سے محفوظ ہو، حیاتِ اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ بہ الفاظ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصود عدل انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی۔ وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ اس کے ذہن، اس کی سیرت، اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے، تاکہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع و مزاحم ہونے کے بجائے معاون ومددگار ہوں'' (تفہیم القرآن)

نظام کائنات کی تعمیر و تشکیل میں قسط و عدل کے سنہری اصول کی کار فرمائی ہے۔ عدل وانصاف حشر کے دن تو ضرور برپا ہوگا لیکن اس عالم میں بھی عدل کے نمونے سامنے آجاتے ہیں۔ بقول شاعر

عدل وانصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

کتاب اور میزان نازل کرنے کی علت عدل وقسط

''رسولوں کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کرنے کی علت عدل وقسط کے قیام کو قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ کہنا مقصود ہے کہ میزان کے استعمال کے ذریعے انسانوں کے باہمی تعلقات اور کتاب پر عمل کے ذریعے اخروی امور دونوں کا درجہ برابر کا ہے۔ قسط ایک جامع لفظ ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جن سے متصف ہونا دنیا اور آخرت کے نظام کو صحیح رکھنے کیلئے ضروری ہے'' (روح المعانی) عدل وانصاف انسانی معاشرہ کی روح ہے جس سوسائٹی میں انصاف مفقود ہوجائے جلد تباہی کا شکار ہوجاتی ہے۔ اسی طرح حکومتیں اور افراد جب شاہراہ عدل سے ہٹتے ہیں تو بربادی یقینی ہوجاتی ہے۔

قرآن عظیم کا کھلا چیلنج

قرآن عظیم تمام انسانوں اور ان کے باطل خداؤں کو چیلنج کرتا ہے کہ تم سب ملکر ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ یہ مثال قدیم مشرکین کے ساتھ عصر حاضر کے سائنس دانوں پر بھی صادق آتی ہے جنہیں جاہل لوگوں نے خدائی مرتبہ پر فائز کیا ہوا ہے (نعوذباللہ) یعنی آج کا سائنس دان جو بھی بنانا چاہے ایجاد کر سکتا ہے۔ وہ اگر اس خوش فہمی میں ہیں تو ایک حقیر جیسی چیز مکھی پیدا کر کے دکھائیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{يَآيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۖ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾

ترجمہ: لوگو، ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور (عابد اور معبود دونوں) (الحج۔۷۳)

یہ مشرکین جن باطل معبودوں کی بندگی کرتے ہیں ان کے پاس اس کی نہ کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی۔ یہ صرف جہالت اور حماقت کا نتیجہ ہے۔ انہیں اس فعل قبیح کے متعلق ایک مثال دے کر بتایا گیا ہے تاکہ ان پر اپنی حماقت اور جہالت آشکارا ہو جائے اور وہ اس قبیح فعل سے باز آ جائیں۔ فرمایا تم جن بے جان بتوں کو اپنا حمایتی اور حاجت روا سمجھتے ہو ان کی حقیقت پر کبھی غور کیا؟۔ کائنات کی خوب صورت، مفید اور بڑی تخلیق کو چھوڑو ان سے کہو کہ سب مل کر ایک مکھی ہی بنا دیں جو بالکل حقیر اور کمزور سی مخلوق ہے۔ پھر خود ارشاد فرمایا! مکھی بنانا تو دور کی بات ہے یہ بچارے اتنی طاقت بھی نہیں رکھتے کہ اگر مکھی ان سے کوئی کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس لے سکیں جن معبودوں کی بے بسی کا یہ حال ہے انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جسے ایجاد و اختراع، تحقیق و انکشافات اور عقل و شعور کی حیران کن صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں وہ اگر انکو اپنا معبود بنا لے تو اس سے بڑی حماقت اور ظلم کیا ہو سکتا ہے؟۔ مکھیاں اپنے ساتھ کئی خطرناک بیماریاں مثلاً میعادی بخار، پیچش اور

آشوب چشم وغیرہ کے جراثیم لے کر پھرتی رہتی ہیں۔ یہ حقیر مخلوق انسان کو کئی بیماریوں میں مبتلا کردیتی ہے۔ اور انسان خود بھی اتنا بے بس ہے کہ مکھی جیسی حقیر اور ناتواں مخلوق اگر ان سے کھانے کا کچھ حصہ لے کر اُڑ جائے تو وہ اس سے واپس لینے میں بے بس ہے۔

"ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ"

یہاں نہایت لطیف و بلیغ اشارہ جو اس حقیقت کی طرف ہے کہ انسان کسی کو معبود اس لیے مانتا ہے کہ وہ اس کے ضعف و ناتوانی کا مداوا کرے گا، لیکن ان جاہلوں نے اپنا معبودان کو بنایا ہے جو ان سے بھی بڑھ کر عاجز و بے بس ہیں۔ یہ اپنی خستگی کی داد انہیں سے مانگتے ہیں جو بے چارے اپنے چہرے سے مکھی تک نہیں ہٹا سکتے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ}

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار ہی (سب کچھ) پیدا کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (الحجر۔۸۶)

عہد حاضر میں انسان اپنی تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود روح کی حقیقت دریافت نہیں کرسکا اس کا دائرہ فکر و نظر طبیعات اور مادی اشیاء تک محدود ہے۔ نزول قرآن کے دور میں تو انسانیت علوم و فنون کے دائرہ میں موجودہ دور سے بھی بہت پیچھے تھی۔ اس عہد میں بھی کسی ذی روح شئے کا تخلیق کرنا موجودہ زمانہ کے معاملہ میں اور بھی مشکل محسوس ہوتا تھا۔ قرآن حکیم نے اپنی صداقت 'توحید کے اثبات اور انسان کے عجز و کو ظاہر کرنے کے لیے یہ چیلنج دیا کہ کفار و منکرین اپنے معبودان باطل کے لاؤ لشکر کی امداد لے کر مکھی جیسی

حقیر مخلوق ہی پیدا کرلیں لیکن وہ اس مین بھی ناکام رہے۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے، نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لئے

کتابِ الٰہی کی اِنقلابی دعوتِ فکرونظر

قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے جو تمام غلط نظریات ' غلط عقائد ' مفروضات کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے انسان کو نظام قدرت سے استدلال کرنے اورچاند ' ستارے ' زمین و آسمان ' ابر ' ہوا ' بادل ' پہاڑ ' حیوانات ' نباتات ' اور تمام مظاہر فطرت پر شعور کی آنکھ سے مطالعہ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ کتاب اللہ کی یہ بہت اعلیٰ صفت ہے وہ سلبی و ایجابی (منفی ومثبت) دونوں حیثیتوں سے بنی نوع انسان کو موجودات عالم کے بغور مطالعے ' مشاہدے اور ان کی تفصیلات جاننے کی ترغیب دیتی ہے ۔ ان مظاہر فطرت کی ساخت اوراس کے نظام کا بغور مطالعہ کرکے ان چیزوں اور حوادث کے علل و اسباب کا کھوج لگانا ان سب کے مسبب الاسباب ذات تک پہنچنے کی دعوت فکر دیتی ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیات کریمہ میں لفظ '' نظر '' یعنی غور فکر کرنا آیا ہے۔ جیسے:

''لِلنّٰظِرِيْنَ'' اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ'' اُنْظُرُوْٓا''قُلِ انْظُرُ''

نظر کا دائرہ عالم نباتات ' حیوانات ' جمادات ' عالم آفاق ' اور تمام موجودات پر مشتمل ہے۔ یہاں بھی نظر (دیکھنے) سے مراد سرسری دیکھنا

نہیں بلکہ غورو تدبر سے دیکھنا ہے تاکہ قدرت کی کرشمہ سازی اور اس کی حکمت کی پختہ کاری کے جلوے نظر آنے لگیں۔ امام قرطبی نے اس کی وضاحت کرتے ہوتے لکھا ہے :

"ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر"

"انظر" کے معنی سر سری دیکھنے کے نہیں بلکہ غورو فکر سے دیکھنے کے ہیں (قرطبی)

{وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ}

ترجمہ: اور ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کیلیۓ اس کو سجادیا۔ (الحجر۔١٦)

And We have placed within the heaven great stars and have beautified it for the observers.

برجوں" سے مرادیہاں بڑے بڑے سیارات ہیں بعض نے منازل سورج اورچاند کے منازل کہا ہے، بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔ آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ رات کے وقت جب بادل اور گردوغبار نہ ہو، بیشمار ستاروں کے قمقموں سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے اور غورو نظر کرنے والوں کے لیے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے موجود ہیں۔ انسان اگر نظر سے یعنی شعور کی آنکھ سے دیکھیں تو آسمان و زمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل سلیم رکھنے والا درس توحید بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ایسی روشن نشانیاں دیکھ کر اس نے کیا معرفت حاصل کی؟۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

{اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ٥ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ٥ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ٥ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ}

ترجمہ: کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا۔ اور پہاڑوں کی طرف کس طرح (مضبوطی سے) گاڑھ دیئے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کس طرح (گولائی میں) بچھائی گئی۔ (غاشیہ۔۲۰)

سب سے پہلے اونٹ کی طرف توجہ دلائی کہ تم اپنے سفر و حضر کے سب سے زیادہ خدمت گزار، وفا شعار اور جاں نثار ساتھی اونٹ ہی پر کیوں نہیں نظر (غور) کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کن صفات و خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ جانور عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کی خوبیوں اور خصائص سے اہل عرب اچھی طرح آگاہ تھے۔ اس لیے اس کی تخلیق میں جو خوبیاں ہیں ان میں غور و فکر (نظر) کرنے دعوت دی گئی۔ یہ اتنا بڑا جانور ہے لیکن اس کو کس طرح انسان کا مطیع بنایا ہے کہ اس عظیم الجثہ اور طویل القامت جانور ہونے کے باوجود اس کی ناک میں نکیل ڈال کر ایک چھوٹا سا بچہ جیسے حکم دیتا ہے یہ تعمیل کرتا ہے۔ بیٹھنے کو کہے تو بیٹھ جاتا ہے، اٹھنے کا اشارہ کرے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ جہاں چاہے لیے پھرتا ہے' بوجھ لادے تو اٹھا لیتا ہے۔ یہ حضر اور سفر میں ان کا رات دن کا ساتھی اور باربردار رفیق

ہے ' صحرا میں ان کا سفینہ ہے۔ کئی کئی دن بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرتا ہے۔ وسرے جانوروں کی طرح اسے بار بار پیاس نہیں لگتی۔ خاردار جھاڑیوں سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے اور کسی بڑی سے بڑی مشقت سے بھی انکار نہیں کرتا۔ دوسرے جانوروں کی تمام صفات اس میں پائی جاتی ہیں۔ کچھ جانور دودھ دیتے ہیں کچھ بوجھ اٹھاتے ہیں کوئی سواری کے کام آتے ہیں۔ بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ یہ ایسا جانور ہے جو دودھ بھی دیتا ہے، بوجھ بھی اٹھاتا ہے، سواری کے کام بھی آتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ الغرض اس کی جس چیز میں انسان نظر کرے گا اسے خالق کائنات کی حکمتوں کے بے شمار جلوے نظر آئیں گے۔ غور (نظر) کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ اتنے گوناگوں فوائد و مصالح کے ساتھ یہ جانور اپنے آپ پیدا ہو گیا یا انسان نے اس کو اتفاق سے پکڑ کر اپنے لیے سازگار بنا لیا ہے یا خالق کائنات نے اپنی قدرت و حکمت سے اس کو پیدا کیا اور اس کو انسان کی خدمت میں لگایا ہے۔ یہ ایک جانور کی مثال دی گئی ہے اس طرح کی مثالیں کلام الٰہی میں موجود ہیں۔ انسان کو دیگر مخلوقات عالم پر عقل کے باعث فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ جس کی واضح مثال اونٹ اور انسانی بچے کے تعلق کی صورت میں بیان کی گی ہے۔ عظیم الجسم اونٹ کس طرح ایک چھوٹے انسانی بچے کی اطاعت تعمیل کرتا ہے اس طرح باقی معاملات میں بھی انسان کی عظمت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

آسمان کی بلندیوں پر نظر کی دعوت

آسمان پر کیوں نہیں نظر کرتے کہ کس طرح اس کی چھت بلند کی گئی! ایسی ناپیدا کنار چھت جس کا کسی کو ستون نظر نہیں آئے گا جس پر یہ قائم ہے اور عجیب بات تو یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کب سے یہ قائم ہے، عصر حاضر کا بھی کوئی ماہر سے ماہر انجینئر کسی بڑی سے بڑی دوربین کی مدد سے بھی، اس میں معمولی سے خلا کی نشان دہی نہیں کر سکتا۔ اور عجیب ترین ماجرا یہ ہے کہ ہے کہ یہ زمین سے کتنا دور ہے اس کی مسافت کا علم کسی کو نہیں اسی آسمان کے سورج، چاند، ستارے اور سیارے زمین کے لیے رونق ' روشنی، حرارت اور حیات کا ذریعہ ہیں۔ بارش کا نزول اسی سے ہوتا ہے جس سے تمام زمینی مخلوقات کو روزی ملتی ہے۔ آسمان کی بلندی پر نظر کی دعوت دینے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی کائنات میں بلند ترین چیز یعنی آسمان کا روز مشاہدہ کرتا ہے وہ اس نیلگوں سقف کی پنہائیوں اگر نگاہ حقیقت سے غور کرے تو یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

پہاڑوں پر نظر؟

آسمان اور ملکوت سماوی کے عجائبات کی سیر کرانے کے بعد نظر کی توجہ پھر زمین دلائی ان مظاہر فطرت کی طرف اشارہ فرمایا جو زمین و آسمان کے درمیان خالق کائنات کی قدرت و میں حکمت کے سب سے بڑے نشان ہیں۔ پہاڑوں کو دیکھیں کس طرح نصب کیے گئے ہیں۔ یہ زمین کے توازن کو برقرار

رکھنے کے ساتھ ہواؤں اور بادلوں کو بھی کنٹرول کرتے ہیں تاکہ بارش کی تقسیم قدرت کی حکمت اور اس کے منشا کے مطابق ہو۔ یہ بظاہر پتھر کے ہیں لیکن فطرت نے ان کے اندر سے مخلوق کی سیرابی کے لیے شیریں پانی کے چشمے جاری کر رکھے ہیں۔ یہ خالق کے بے شمار قیمتی خزانوں کے محافظ بھی ہیں جنہیں انسان برابر تلاش کرنے اور ان کو اپنے تمدن کی تعمیر و ترقی میں صرف کرنے میں رات دن سرگرم عمل ہے۔ ایسے طویل پہاڑ بھی ہیں جو ناقابل عبور ہیں لیکن خالق نے ان کے اندر راستے نکال دیے ہیں تاکہ یہ قوموں کے درمیان حجاب نہ بنیں۔ انسان غور (نظر) کرے کہ کیا یہ اللہ کی عظیم قدرت و حکمت، اور اس کی عالم گیر ربوبیت کے گواہ نہیں ہیں؟ قرآن حکیم میں جگہ جگہ پہاڑوں کی عظمت' استقامت اور ان کی بلندئ شان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ انسان ان کے وجود' بلند قامتی اور شان و شکوہ پر نظر ڈالے اور یہ سوچے کہ کیا اتنی بڑی مخلوق آپ سے آپ وجود میں آسکتی یقیناً جواب نفی میں ہوگا اور اس طرح انسان اس امر پر مجبور ہو جائے کہ صنعت و کاریگری کو دیکھ کر صانع کی ذات کا اعتراف کرلے۔

زمین کے عجائبات کی طرف نظر

اب نظر کو پہاڑوں سے زمین پر اتار کر دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ زمین کی طرف نظر کریں کس طرح انسان کے قدموں کے نیچے بچھائی گئی ہے۔ کس طرح اس کے اندر ان کی پرورش کے لیے ضروریات زندگی کی اشیاء پیدا کی گئی ہیں۔ اس کی سطح پر اپنے رہنے کے لیے گھر بنا لیتے ہیں۔ میدانوں میں کھیت

فصلیں اور باغات ہیں۔ اس کی نہریں، اس کے کنوئیں ' چشمے کھیتوں اور باغوں کو سر سبز شاداب رکھتے ہیں۔ ان تمام اشیاء پر نظر دوڑائیں کہ جس نے ان کو اس بنے بنائے گھر میں اتارا اور اس کی ساری چیزیں وہ استعمال کر رہے ہیں کیا اس کو اس بات سے کوئی بحث نہیں ہے کہ کون کائنات کے مالک کی رضاء سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ میں سب سے قریب کی نمایاں چیز اونٹ ہے. جس کی طرف پہلے اشارہ فرمایا جس کے نفع سے مخاطبین میں سے کسی کے لیے انکار کی مجال نہیں تھی۔ اونٹ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد وہیں سے آسمان کی طرف توجہ دلا دی کہ ایک نظر اس کو بھی دیکھیں۔ پھر زمین کی طرف بازگشت ہوئی تو درمیان میں پہاڑ آ گئے، ان کی طرف توجہ (نظر) دلا دی۔ پہاڑوں کے بعد سطحِ زمین توجہ کے لیے اپنے اندر قدرتی کشش رکھتی ہے۔ ان میں سے دو نشانیاں ' اونٹ اور زمین میں ربوبیت کے پہلو زیادہ نمایاں ہیں اور دو آسمان اور پہاڑ ہیں جو خالق کی قدرت و حکمت کے پہلو سے نمایاں ہیں۔ خالق کائنات کی انہی صفات پر قیامت، معاد اور جزا و سزا کے پورے فلسفہ کی بنیاد ہے۔ بقول ابن کثیر عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے تھے۔ اس وقت ان کے سامنے بیشتر یہی چار چیزیں ہوتی تھیں۔ سواری میں اونٹ اوپر آسمان نیچے زمین، اردگرد پہاڑ، اس لئے انہی علامات میں غور اور نظر کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

{اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ}

ترجمہ: تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) انکے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت خدا کی بہت

سی) نشانیاں ہیں ۔ (انعام ۔ ۹۹)

Look at its fruit when it bears fruit, and at its ripening. Surely, in all this there are signs for the people who believe.

مذکورہ آیت کریمہ انسان کو دعوت فکر و نظر دے رہی ہے کہ اے انسان تمہارے اوپر اور نیچے ، تمہارے دائیں اور بائیں میری تخلیقات موجود ہیں تم ان میں نظر تو کرو۔ ہر چیز یہ شہادت دے گی کہ وہ اپنی نیز نگیوں اور بو قلمو نیوں سمیت خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا ایک خالق ہے جو بڑا علیم اور قدرت والا ہے۔ نظر کرو بیج کا دانہ شق ہو رہا ہے۔ اس کے اندر سے نرم و نازک بال نکل آتی ہے۔ پودا جو شروع میں ہرا بھرا اور نرم و نازک تھا اب اپنی رنگت تبدیل کرنے لگا ہے ۔ نظر (غور کرنے والی آنکھ) خود سوچے کہ کیا یہ اندھے مادے کی حکمت اور کاریگری ہے یا علیم و حکیم رب العالمین کی صنعت کا اعجاز ہے ؟۔ پھل لگنے سے لے کر پکنے تک اس کی مقدار، اس کے ذائقہ میں آہستہ آہستہ جو تبدیلیاں آتی رہتی ہیں انہی پر انسان نظر (غور) کرے تو حقیقت روشن ہو جائے گی۔ جس قوم کی برحق کتاب نے اسے نظام فطرت کی ہر چیز میں فکر و تدبر (نظر) کرنے کی ترغیب دلائی وہی قوم اس میدان میں سب سے پیچھے نظر آرہی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

{قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ}

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں اور تنبیہیں کچھ فائدہ

نہیں پہنچاتیں۔ (یونس۔ ۱۰۱)

صاحب نظر تفکر اور غور کرنے والوں کے لیے آسمان و زمین میں اللہ کی قدرت و حکمت اور توحید و تفرید کے کیا کچھ نشان موجود ہیں۔ بلکہ ہر ذرہ اور ہر پتہ اس کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو صاحب نظر نہیں ان کے لیے یہ سب نشانات و دلائل فطرت بیکار ہیں۔ دیکھنے کا حق ادا کرنے والی آنکھ کے لیے کائنات کے ہر ذرے میں غور و فکر کا سامان موجود ہے۔ اگر چشم بصیرت کھلی ہو اور سینے میں قلب سلیم موجود ہو تو انسان آسانی سے رب کائنات کی توحید خالص کے یقین تک پہنچ سکتا ہے۔

غور و فکر (Thinking)

بیشک کتاب الٰہی کی تلاوت اور سماع بذات خود بہت بڑی عبادت ہیں اور یہ ایمان کو تر و تازہ رکھنے کا موثر ترین ذریعہ بھی ہیں۔ حقیقت میں یہ عمل کلام الٰہی پر غور و فکر کرنے کے لیے زیادہ ضروری ہے۔ آیات الٰہی میں غور و فکر کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں "کلامِ الٰہی نازل ہی اس لیے ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے۔ بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لیے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے بھی گزر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا بلکہ ایک ایسا ان پڑھ شخص جو ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو اور اب اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو اگر اس یقین

کے ساتھ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اسے کھول کر بیٹھتا ہے اور محبت و عقیدت اور احترام و تعظیم کے ساتھ اس کی سطور پر محض انگلی پھیرتا رہتا ہے تو اس کے لیے اس کا یہ عمل بھی یقینا موجب ثواب و برکت ہو گا۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم و فنون حاصل کیے ہوں مادری ہی نہیں غیر ملکی زبانیں بھی سیکھی ہوں اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزاء کے مجرم گردانے جائیں اور اس اعراض عن القرآن کی سزا تلاوت کے ثواب سے بڑھ جائے۔ الاّ یہ کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرنے کا عزم کرلیں اور اس کے لیے سعی و جدوجہد شروع کر دیں تو درمیانی عرصے میں اگر مجرد تلاوت بھی کرتے رہیں تو امید ہے کہ اس کا اجر انہیں ملتا رہے گا۔ پھر "فہم قرآن" کوئی سادہ اور بسیط شے نہیں بلکہ اس کے بے شمار مدارج و مراتب ہیں اور ہر انسان علم کے اس اتھاہ و ناپیدا کنار سمندر سے اپنی فطری استعداد، ذہنی ساخت، طبیعت کی افتاد پھر اپنی اپنی سعی و جہد، محنت و مشقت، کدو کاوش اور تحقیق و جستجو کے مطابق حصہ پا سکتا ہے، حتیٰ کہ کوئی انسان خواہ کیسی ہی اعلیٰ استعداد کا مالک کیوں نہ ہو اور کتنی ہی محنت و کاوش کیوں نہ کر لے، پھر چاہے پوری کی پوری عمر قرآن پر تدبر و تفکر میں بسر کر دے، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی بھی مرحلے پر پہنچ کر وہ سیر ہو جائے اور یہ محسوس کرے کہ قرآن کا فہم کماحقہ اسے حاصل ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ خود صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور جس پر غور و فکر

سے انسان کبھی فارغ نہ ہو سکے گا

{وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ}

پس چاہیے کہ اصحابِ عزم و ہمت اور اربابِ حوصلہ و امنگ اس میدان کو اپنے حوصلوں اور امنگوں کی آماجگاہ بنائیں اور اس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں...... آیاتِ قرآنی، آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی میں تفکر و تعقل کے نتیجے میں انسان محسوس کرتا ہے کہ ایک تو ان تینوں میں گہری ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ سب کامل توافق کے ساتھ بعض ایسے حقائق کی جانب رہنمائی کرتی ہیں جن کی شہادت خود اس کی اپنی فطرت میں مضمر ہے۔ اس طرح اس کے اپنے باطن کی مخفی شہادت اجاگر ہو کر اس کے شعور کے پردوں پر جلوہ فگن ہوتی ہے اور حقیقت نفس الامری کا علم جس کا دوسرا نام ایمان ہے، اس کے شعور میں بالکل اس طرح ابھرتا ہے جیسے کسی تحریک کی بنا پر کوئی پرانی بھولی بسری بات انسان کی یادداشت کے ذخیرے کی گہرائیوں سے ابھر کر افق شعور پر طلوع ہوتی ہے اسی عمل (phenomenon) کا نام قرآنی اصطلاح میں "تذکر" ہے۔ ان سب کے باوجود نہ توقرآن کریم کے تعلق سے امت مسلمہ کے دلوں پر جڑے ہوئے تالے کھلتے ہیں اور نہ ہی دل پر لگی گرہیں کچھ ڈھیلی پڑتی ہیں۔ اس لئے کہ امت مسلمہ اس کیفیت کو خود پر طاری کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جس کے بارے میں شاعر مشرق نے کہا ہے:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

مطالعۂ کائنات سے علم و یقین میں اضافہ

کسی بھی انسان کو حق کا راستہ دکھانے کے لیے قدرت خود سامنے نہیں آتی بلکہ وہ اس کائنات میں موجود نشانیوں اور دلائل کی شکل میں اپنا راستہ انسانوں کے لیے کھولتی ہے۔ جن انسانوں کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ دلائل اور مظاہر فطرت کے روپ میں ظاہر ہونے والے حق کو اپنے مطالعے اور علم سے پہچان لیں اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے پر راضی ہو جائیں یہی انسان اس دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ سچائی ایک ایسی چیز ہے جسے ہر انسان کو اپنانا چاہیے۔ انسان علم 'دل' آنکھ اور کان جیسی صلاحتیوں کو بروے کار لاکر سچائی اور یقین کو پالیتا ہے۔ اور جو انسان ان صلاحیتوں کو استعمال نہیں کرتا وہ یقینا حق و یقین حاصل کرنے سے محروم رہے گا، خواہ حق اس سے کتنا زیادہ قریب موجود ہو۔ سچائی کو حاصل کرنا ہر انسان کا ایک شعوری اور ارادی عمل ہے۔ حق و سچ کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے جس نے اپنے دل کے دروازے اس کے لیے کھلے رکھے ہوں۔ اسی طرح مطالعہ کائنات اور مظاہر فطرت سے بصیرت و یقین وہ حاصل کرے گا جس نے اپنی آنکھوں پر مصنوعی پردے نہ ڈال رکھے ہوں۔ اور مطالعہ کائنات سے علم و یقین کا اضافہ اسی انسان کے لیے ہوگا جس نے اپنے کان میں کسی قسم کے ڈاٹ نہ لگا رکھے ہوں۔ یہی انسان حق کی آواز کو پہچان کر اس کے آگے سر خم تسلیم کر لیں گے۔ جو انسان مطالعہ کائنات سے بصیرت حاصل نہیں کرتا اس کا معاملہ اس کے بر عکس ہے وہ جانوروں کی طرح نا سمجھ بنا رہے گا۔ مظاہر فطرت

اس کے ایمان اور علم میں کسی قسم کے اضافہ کا سبب نہیں بنیں گے۔ پہاڑ جیسے دلائل و مظاہر قدرت کا وزن محسوس کرنا بھی اس کے لیے ناممکن ہوگا۔ اس کے سامنے خالق کائنات کی تجلیاں ظاہر ہوں گی مگر وہ ان درس سے عبرت حاصل نہ کرسکے گا۔

اسی طرح نباتات' حیوانات' پہاڑوں اور انسانوں کی مختلف رنگت کے مظاہر یہ سب قدرت کی نشانیاں ہیں ان نیر نگیوں کو صرف اہل علم اور صاحب بصیرت انسان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مطالعہ کائنات سے ان کے دلوں میں علم ویقین' خشیت وتقوی اور اطاعت الہی کے جذبات پیدا ہونگے۔ وہ ان سے عبرت اور بصیرت حاصل کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ}

ترجمہ: کیا آپ نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گھری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ (فاطر۔۲۷)

آیت کریمہ میں بارش کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ آسمان سے ایک ہی پانی برستا ہے مگر اس سے مختلف قسم کی چیزیں اگتی ہیں۔ اچھے پھل دار

درخت بھی اور کانٹے بھی۔ اسی طرح ایک ہی مادہ جو پہاڑوں کی صورت میں منجمد ہوتا ہے مگر ان میں کچھ سرخ و سفید ہیں اور کچھ کالے۔ اسی طرح جاندار بھی سب ایک خوراک کھاتے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی انسان کے لیے کار آمد ہے اور کوئی بے کار۔ یعنی اللہ تعالی کا فیض عام ہے مگر اس سے فائدہ ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتا ہے۔ انسان کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اللہ کی رحمت جو دعوت حق کی صورت میں مظاہر قدرت کے طور پر ہر طرف پھیلی ہوئی ہے وہ اگرچہ بذات خود ایک ہوتی ہے مگر مختلف انسان اپنے اندرونی مزاج کے مطابق اس سے مختلف قسم کے اثرات قبول کرتے ہیں۔ کوئی انسان مظاہر فطرت میں اپنی روحانی غذا پا کر اسے فوراً قبول کر کے اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر لیتا ہے اور کسی کی نفسانی خواہشات حق کے مقابلے میں اس کے لیے رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ وہ دین حق کا مخالف بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

مظاہر قدرت کی دعوت جس انسان کے لیے اس کے دل کی آواز ثابت ہو وہی صاحب علم انسان ہے۔ اس کے اندر فطرت کی قدرتی روشنی زندہ تھی اس نے مظاہر فطرت کے جلوؤں کو اپنے علم سے پہچان لیا اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جاہل رہے جو اپنی فطرت کی روشنی پر پردہ ڈالتے رہے اور جب حق ان کے سامنے ظاہر ہوا تو اس کو پہچاننے میں ناکام رہے۔ مظاہر قدرت کا انسان جتنا گہری نگاہ سے مطالعہ کریں گے حکمت ربانی کے نئے نئے جلوے ان پر رونما ہوتے جائیں گے انہیں اس غور فکر سے قدرت کی عظمت و کبریائی کا ایسا علم نصیب ہو گا جو انہیں عین الیقین کی منزل تک پہنچا دے گا اور ان کے لیے حق الیقین کی منزل زیادہ دور نہیں ہوگی۔ جتنی جستجو صدق دل سے ہوگی اتنی

توفیق عنایت ہوگی۔ علم و یقین انہیں ان بلندیوں پر فائز کر دے گا جہاں حق الیقین کا نور ہر سو پھیلا ہوا ہے یہاں شک و شبہ کا کوئی غبار نہیں ہوگا۔ خالق کائنات نے ان مظاہر قدرت سے عبرت و بصیرت حاصل نہ کرنے والوں کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ}

ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو ئے گئے ہیں (اعراف۔ ۱۷۹)

Surely We have created for Hell a lot of people from among Jinn and mankind. They have hearts wherewith they do not understand, eyes wherewith they do not see, and ears wherewith they do not hear. They are like cattle. Rather, they are much more astray. They are the heedless.

دل آنکھ کان یہ چیزیں اللہ تعالی نے اس لیے عنایت کیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے خالق کو پہچانے اس کی آیات کا مشاہدہ کرے لیکن جو انسان ان حواس سے یہ کام نہیں لیتا وہ گویا ان سے عدم انتفاع

(فائدہ نہ اٹھانے) میں جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ جانور تو پھر بھی اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچ کر رہتے ہیں لیکن ہدایت سے اعراض کرنے والے انسان کے اندر تو یہ صلاحیت ہی ختم ہوجاتی ہے کہ اس کے لیے کیا مفید ہے اور کیا مضر؟ انسان روحانی، شہوانی، سماوی، ارضی ہے جب اس کی روح شہوات پر غالب ہوجاتی ہے تو ملائکہ سے فائق ہو جاتا ہے اور جب شہوات روح پر غلبہ پاجاتی ہیں تو زمین کے جانوروں سے بدتر ہوجاتا ہے۔ انسان فطری طور پر ملکوتی اور بہیمی ہر دو صفات کا جامع ہے وہ جس پہلو کی ترقی پر توجہ دے گا اسی میں وہ آگے بڑھتا جائے گا وہ ملکوتی (فرشتوں والی) صفات ہوں یا بہیمی (جانوروں والے) اوصاف۔

مظاہر فطرت پر غور و فکر کرنے والوں کیلئے القاب

قرآن پاک نے مظاہر فطرت کو اللہ تعالی کی نشانیوں کے طور پر پیش کر تے وقت ان صفات کے حامل لوگوں کو مختلف القاب سے نوازا ہے

{لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ}

(signs for a people who understand.)

جیسا کہ ارشاد ہے:

(۱) {اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

مِنَ السَّمَآءِ مِن مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا

مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ

السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ}

ترجمہ: (اِس حقیقت کو پہچاننے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت در کار رہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اِسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔ (البقرہ۔ ۱۶۴)

عقل کے استعمال کے لیے اہل ایمان کو ترغیب دی گئی ہے چنانچہ عقل کے لوازم حسب ذیل امور ہیں (۱) غور فکر (۲) تفکر (۳) اور دونوں کے نتیجے میں سامنے آنے والے علمی حقائق پر متوجہ ہونا۔ اس آیت میں توحید کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ کے اثبات کے لئے کلام الٰہی کا طرز استدلال فلسفیوں کے طرز سے بالکل مختلف ہے۔ قرآن فکرو نظر کے گھڑے ہوئے دلائل پیش نہیں کرتا جو پیچیدہ

اصطلاحات سے لبریز ہوں۔ جنہیں سمجھنے کے لیئے خاص ذہنی اور علمی استعداد کی ضرورت پیش آئے۔ اور اگر سمجھ آ بھی جائیں تو ان میں وہ وزن نہیں ہوتا کہ وہ انسان کو شک اور گمان کی دلدل سے نکال کر یقین کامل تک پہنچا دیں۔ اس کے بر عکس کلام ربانی وہ دلائل پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھلے صفحات پر روشن ہیں یہ اتنے واضح ہیں کہ ہر انسان انہیں اپنی صلاحیت کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ عقل کی گرہیں جتنی کھلتی جاتی ہیں انسان یقین و تصدیق کی دولت سے مالا مال ہوتا جاتا ہے۔ یہی قرآن کے طرز استدلال کا طرہ امتیاز اور وجہ اعجاز ! ہے۔ ان چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد قرآن نے بارہا "افلا تتفکرون' افلا تتدبرون" کے جملے کہے کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تم تدبر نہیں کرتے؟ اور ان فقروں سے اہل دانش و خرد کو للکارا ہے۔

مظاہر فطرت میں اس قسم کی نشانیاں گویا مخلوقات کے اندر خالق کی جھلکیاں ہیں۔ وہ اللہ کی ہستی کا، اس کے ایک ہونے کا، اس کے تمام صفاتِ کمال کا جامع ہونے کا اتنے بڑے پیمانہ پر اظہار کر رہی ہیں کہ کوئی صاحب بصیرت اس کو دیکھنے سے محروم نہیں رہ سکتا اور کوئی صاحب عقل اس کو پانے سے عاجز نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسری آیت میں (a people who reflect.) {لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ} کا لقب استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

(۲) {وَ هُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡهٰرًا ؕ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡهَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّهَارَ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے، اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیے ہیں اُسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں (الرعد۔ ۳)

آسمان کی نشانیوں کے بعد جب زمین کے حالات پر غور و فکر کیا جائے تو وہ انسانی رہائش کے لیے انتہائی موزوں ہے۔ زمین ایک قدرتی فرش کی مانند انسان کے قدموں کے نیچے پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں ایک طرف انسان کی ضرورت کے لیے سمندر کی گہرائیاں ہیں تو دوسری طرف پہاڑوں کی بلندیاں بھی ہیں۔ تاکہ دونوں مل کر زمین کا توازن برقرار رکھ سکیں۔ درخت ایک دوسرے سے الگ الگ بھی ہوسکتے تھے مگران میں جوڑے ہیں۔ زمین سورج کے چاروں طرف اپنی سالانہ گردش کے ساتھ اپنے محور پر بھی مسلسل گردش کرتی رہتی ہے.جس کا دور 24 گھنٹہ میں پورا ہوتا ہے اور جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں۔اس قسم کی (مظاہر فطرت) نشانیوں پر جو انسان بھی سنجیدگی سے غور و فکر کرے گا وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس کائنات کا کوئی ایک خالق ہے۔ اگر کائنات حادثاتی طور معرض وجود میں آئی ہوتی تو اس کے جمال و کمال میں رعنائی اور نکھار اس طرح نہ ہوتے۔ اسی طرح اگر کائنات کے کئی خالق ہوتے تو اس کی اشیاء میں جو حیرت انگیز ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ مفقود ہوتی۔ آسمان سے لیکر زمین تک، سورج سے لیکر ذرہ تک، دریاؤں سے لیکر

ایک معمولی جڑی بوٹی تک ایسا نظم و نسق قائم ہے گویا کسی ماہر کاریگر نے کائنات کی بظاہر متضاد اور بکھری ہوئی چیزوں کو ایسی لڑی میں پرو دیا ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسری کا تصور ممکن نہیں۔ اگر پہاڑوں کا بنانے والا کوئی دوسرا خالق ہوتا اور میدانوں کا بنانے والا اور تو وہ کبھی پہاڑوں سے ایسے دریا جاری نہ کرتا جن کا پانی وہاں سے بہہ کر میدانوں کو جا کر سیراب کرے۔ اسی طرح اجرام فلکی اور زمین کے خالق الگ الگ ہوتے تو انہیں کیا ضرورت تھی کہ سورج چاند اور دوسرے کواکب کو اتنی مسافت پر رکھتے کہ ان سے پیدا ہونے والی حرارت اور روشنی کی صرف اتنی مقدار زمین پر پہنچے جس سے زندگی نشوونما پا سکے۔ کائنات کے تنوع میں جو وحدت، اختلاف میں یکسانیت اور ہر چیز کا دوسری چیز سے جو گہرا ربط ہے وہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ایک قادر مطلق حکیم اس کا خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں لیکن یہ مظاہر فطرت ان انسانوں کے دلوں کو ہی نور یقین سے منور کر سکتے ہیں جو ان میں غور و فکر کریں۔

(۳) {لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ} ''سمجھ بوجھ رکھنے والے''

(the people who understand.)

(۳) {وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ}

ترجمہ: اور وہی (ا) ہے جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا فرمایا ہے پھر (تمہارے لئے) ایک جائے اقامت (ہے) اور ایک جائے امانت (مراد رحم مادر اور دنیا ہے یا دنیا اور قبر ہے) بیشک ہم نے سمجھنے والوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر

بیان کردی ہیں۔ (انعام۔۹۸)

He is the One who created you from one person, then, you have a place to dwell and a place to sojourn. We have elaborated the signs for the people who understand.

(۴) {لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ} ''نصیحت قبول کرنے والے''

(a people who remember.)

(۴) {وَ مَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ}

ترجمہ: اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، اِن میں بھی ضرور نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں (نحل۔۱۳)

And [He has subjected] whatever He multiplied for you on the earth of varying colors. Indeed in that is a sign for a people who remember.

سورج، چاند، ستارے وسیع خلا میں انتہائی صحت کے ساتھ مسلسل گردش کرتے ہیں۔ زمین میں طرح طرح کی مخلوقات (حیوانات، نباتات، جمادات) بے شمار تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ اول الذکر میں تسخیر امر کا پہلو نمایاں ہے۔ اور ثانی الذکر میں اختلاف الوان کا پہلو۔ ایک منظر خدا کی قدرت کے بے پناہ ہونے کو یاد دلاتا ہے۔ دوسرا منظر خدائی صفات کے ان گنت ہونے کو۔ یہ مناظر اتنے حیرت ناک ہیں کہ جو شخص ان کو نظر ٹھہرا کر دیکھے وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان چیزوں میں اس کو خدا کی عظمت اور اس کی ربوبیت دکھائی

دے گی۔ وہ ظاہری واقعات کے اندر چھپے ہوئے غیبی حقائق کو دریافت کرے گا۔ وہ مخلوقات کو دیکھ کر خالق کی معرفت میں ڈوب جائے گا۔ (تذکیر القرآن)

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں تفکر کرنے پر زور دیا گیا ہے جو عقل کی پہلی منزل ہے اس غور و فکر کے نتیجے میں سوجھ بوجھ آتی ہے جو عقل کی دوسری منزل ہے تیسری آیت میں تذکیر (تنبیہ) کا ذکر ہے یہ عقل کی آخری منزل ہے جو انسان کو نتائج فکریہ تک لے جاتی ہے اس طرح حاصل ہونے والی معلومات علم کہلاتی ہیں۔ وہ علم جو خالق نے مظاہر فطرت میں رکھ دیا ہے۔

مظاہر قدرت پر غور و فکر کرنے والوں کو قرآن میں نگاہ تحسین سے دیکھا گیا ہے۔ جو لوگ اسرار و رموز قرآنی سمجھنے میں کوشاں رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فرامین کے مطابق قرآن فہمی کے صحیح راستے پر گامزن رہتے ہیں۔ اگر تائید خداوندی ان کے شامل حال رہے اور وہ شیطان رجیم کے مکر و فریب سے بچتے رہیں تو مطالعہ قرآن حکیم کے ذریعے ان پر نئے علوم اور جدید مضامین کی کئی دنیائیں ان کے سامنے عیاں ہو سکتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی ہدایت و نجات کا ساماں فراہم کر سکتے ہیں۔

علم اسماء الاشیاء (TheNames Of Things)

علم مظاہر "علم الاسماء" کہلاتا ہے جو دین میں حجت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سکھایا تھا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت ارضی کے منصب پر فائز فرمایا تو اس کی اہلیت کے لئے علم الاسماء ضروری قرار پایا جس میں مادی اشیاء کی

خصوصیات، صنعت و ٹیکنالوجی کے قوانین اور آلات کار سے متعلق تمام علوم شامل تھے کیونکہ اس علم الاسماء کے بغیر کائنات میں غلبہ اور ترقی ممکن نہیں تھی گویا کہ مادی اشیاء پر تحقیق اور ان کے خام مواد سے ایجادات و اکتشافات کا عمل خلافت کا تقاضہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ}

ترجمہ: اور اللہ نے آدم کو (سب چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ (البقرہ۔ ۳۱)

And He taught 'Adam the names, all of them; then presented them before the angels, and said,: Tell me their names, if you are right.

حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء پیش فرما کر آپ کو ان کے اسماء و صفات و افعال و خواص و اصول علوم و صناعات سب کا علم بطریق الہام عطا فرمادیا۔ اسی علم سے متصف انسانوں کو بعض آیات میں اہل علم (جو دانش رکھتے ہیں) (people who have knowledge.) کے لقب سے نوازا گیا ہے کیونکہ وہ آیات الٰہی کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

And He taught Adam the names, that is, the names of things named, all of them, by placing knowledge of them into his heart; then He presented them, these names, the majority of which concerned intellectual beings, to the angels and said, to them in reproach, 'Now tell Me, inform Me, the names of these, things named, if you speak truly', in your claim that I would not create

anything more knowledgeable than you, or that you are more deserving of this vicegerency; the response to the conditional sentence is intimated by what precedes it.

اللہ نے اپنی قدرت سے آدم کی تمام ذریت کو بیک وقت ان کے سامنے کردیا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ دیکھو یہ ہے اولاد آدم۔ اب بتاؤ کہ ان میں کون کون اور کیسے کیسے لوگ ہیں۔ فرشتے عدم واقفیت کی وجہ سے بتا نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان کے ناموں، بالفاظ دیگر شخصیتوں سے آگاہ کیا اور پھر کہا کہ فرشتوں کے سامنے ان کا تعارف کراؤ۔ جب آدم نے تعارف کرایا تو فرشتوں کو معلوم ہوا کہ آدم کی اولاد میں، فسادیوں اور برے لوگوں کے علاوہ کیسے کیسے صلحاء و متقین ہوں گے۔ انسان کا سب سے بڑا جرم، انکار رب کے بعد، زمین میں فساد کرنا اور خون بہانا ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی کارروائیاں کرے جس کے نتیجہ میں زمین پر خدا کا قائم کیا ہوا فطری نظام بگڑ جائے، انسان انسان کی جان مارنے لگے۔ ایسا ہر فعل آدمی کو خدا کی رحمتوں سے محروم کردیتا ہے۔ زمین میں خدا کے بنائے ہوئے فطری نظام کا قائم رہنا اس کی اصلاح ہے اور زمین کے فطری نظام کو بگاڑنا اس کا فساد" (تذکیر القرآن)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ}

ترجمہ: وہی ہے جس نے سُورج کو روشن بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کردیں تاکہ تم اُس سے

برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو اللہ نے یہ سب کچھ (کھیل کے طور پر نہیں بلکہ) با مقصد ہی بنایا ہے وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ (یونس۔۵)

زمین و آسمان میں اگرچہ بے شمار مظاہر قدرت پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سے سبق وہ انسان حاصل کرتے ہیں جو ڈر رکھتے ہیں۔ ڈر یا اندیشہ وہ چیز ہے جو انسان کو سنجیدہ بناتا ہے۔ جب تک انسان کسی معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو وہ اس معاملہ پر پوری توجہ نہیں دے گا اور نہ اس میں پوشیدہ حکمتوں کو سمجھے گا۔

ذکر و فکر سے انسان کی روحانی ترقی و تکمیل

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی روحانی ترقی و تکمیل کے لیے یہ دونوں قسم کے فضائل یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور کسی ایک قسم کو نظر انداز کر دینے سے انسان روحانی صفت سے خالی رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید فضائل کی ایک صنف کو ''ذکر'' اور دوسری کو ''فکر'' کا نام دے کر ان دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ}

ترجمہ: کیا انہوں نے اپنے دل میں غور کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک
وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے
پروردگار سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔ (روم۔۸)

Did they not reflect in their own selves? Allah did not create the heavens and the earth and what is between them but with a just cause and for an appointed time. Yet many of the people are disbelievers in the meeting with their Lord.

یہ آیت کریمہ انسان کو دعوتِ غور و فکر دے رہی ہے کہ اپنے اندر تفکّر اور غور و فکر کرو آسمانوں اور زمین میں اور ان کے اندر جو کچھ پیدا فرمایا گیا ہے یہ حق ہے اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔ گویا انسان کو انفس و آفاق دونوں میں تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔ انسان سوچ کے ذریعہ سے رب تعالی کو پالیتا ہے۔ رب تعالی نے اس دنیا میں اپنے دلائل بکھیر دیے ہیں، انسان کی اپنی ذات میں، باہر کی کائنات میں اور پھر پیغمبروں کی تعلیمات میں جو انسان ان خدائی نشانیوں میں غور کریں گے وہی خالق حقیقی کو پائیں گے۔

آیات الٰہی (دلائل) اس دنیا میں اللہ تعالی کی نمائندہ ہیں۔ ایک انسان کے سامنے سچی دلیل (نشانی) آئے اور وہ اسے نظر انداز کردے تو گویا اس نے اللہ تعالی کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ایسے انسانوں کے لیے اللہ تعالی کے یہاں ابدی محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کفر و گمراہی کی اندھیری رات میں غور و فکر کا چراغ روشن کرنے کی ترغیب انسان کو دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے جسم کی ظاہری ساخت اور مختلف باطنی حواس اور ان کے وظائف میں تدبر کرے۔ آسمان کی بلندی، زمین کی پستی پر نگاہ عبرت ڈالے، ہر ایک چیز

شاہد ہے کہ ان کا خالق ان کو مختلف خوبیوں اور خصوصیات سے متصف کرنے والا قادر بھی ہے اور حکیم و علیم بھی۔ اس فکر و تدبر سے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے دور ہو جائینگے حق و صداقت کا اجالا ان کی زندگی کے سارے شعبوں کو منور کر دے گا، لیکن مشکل یہ ہے کہ اکثر لوگ آیات الٰہی میں غور و تدبر کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے اور ساری عمر بھٹکتے رہتے ہیں۔

ذکر و فکر سے انسان کی روحانی ترقی و تکمیل کا گہرا تعلق ہے۔ زبان و قلب کی تطہیر کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف ہو۔ اس کا دل خدا کی یاد سے معمور ہو اور اس کی جملہ سوچوں اور توجہات کا مرکز بھی اللہ تعالیٰ کی ذات با برکات ہو۔ اس تمہیدی کیفیت کے بعد اس سے جو اعمال و افعال سرزد ہونگے وہ انسان کی ذہنی، فکری اور قلبی تطہیر پر منتج ہونگے۔

تفکر فی آیات اللہ

سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

{تتفکروا فی آیات اللہ ولا تفکروا فی اللہ}

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی آیات میں تفکّر کرو مگر اس کی ذات میں تفکّر مت کرو۔

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''ایک لمحہ کا تفکّر دونوں جہانوں کی عبادت سے بہتر ہے''۔

کسی علم کو سیکھنے یا کسی چیز کو سمجھنے کے لئے جب انسان تفکّر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ تجسس پیدا ہوتا ہے کہ اس چیز کی اصلیت کیا ہے؟ یہ کیوں

ہے؟ اور کس لئے ہے؟ اگر چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی تفکّر کیا جائے تو اس چھوٹی سی بات کی بڑی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور اگر کسی بڑی سے بڑی بات پر غور وفکر نہ کیا جائے، تو وہ بڑی بات غیر اہم اور فضول معلوم ہوتی ہے۔ تفکّر سے انسان کسی چیز کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے اور پھر تفکّر کے ذریعہ سے اس علم میں جتنی گہرائی پیدا ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس چیز اور اس کی صفات کے بارے میں انسان باخبر ہو جاتا ہے۔ آج دنیا مادی اور سائنسی ترقی کے جس مقام پر کھڑی ہے اس کی بنیاد بھی غور وفکر ہی ہے۔ ہر نئی ایجاد اور نئی دریافت کے پیچھے کسی سائنس دان، فلسفی یا مفکر کا غور وفکر اور تفکّر موجود ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ قدرت کی نشانیوں اور دین کی حقیقت پر غور و فکر کے ساتھ ساتھ اپنی روح کی حقیقت اور اس کے خالق سے تعلق پر بھی غور فکر کرے اور رب تعالی کی رضا کو سمجھنے اور اس کے قرب کے حصول کے طریقوں کو جاننے کی کوشش کرے۔ یہ سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے کہ دین کا صحیح فہم حاصل ہونے کے لیے علم ایک بنیادی اہم ضرورت ہے۔ علم صرف نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور ظاہری عبادات کا نام نہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد، اوامر و نواہی، رب تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی سنت مطہرہ کا علم ہونا ہر ایک مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے۔ اسی طرح تمام علوم کے منبع و مرکز قرآن پاک سے اپنی زندگی استوار رکھنا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید کی ساری دعوت پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر ایک آیت انسانی عقل کو دعوت غور فکر دے رہی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے اعمال و عقائد کے متعلق غور وفکر

کرے اورغافل انسان کی طرح زندگی بسر نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ علماء کرام پر بھروسہ نہ کریں بلکہ جولوگ علماء کے لبادے میں توہمات سکھاتے ہیں، دین کی حقیقی صورت سے دور رکھتے ہیں، قرآن کے معانی و مطالب پڑھنے سے دور رکھتے ہیں، ان سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔ توحید و رسالت جو ہر قسم کے شرک اور توہمات سے پاک ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حق تعالیٰ نے ہر انسان کو فہم و فراست عطا کی ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں بیان کردہ مشاہدات کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے علاوہ بے شمار صحابہ کرام آیات الہیہ کے مشاہدات سے متاثر ہو کر ایمان لائے۔ حق تعالی کی طرف سے دعوت کا اسلوب یہ رہا ہے کہ قرآن پاک کی آیت کو پیغام کی شکل میں پیش کیا گیا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی مثال پر غور کریں وہ قرآن پاک کی آیات ہی سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔ اسی طرح قرآن پاک کی عظمت کا حوالہ دیکر تفہیم قرآن کے عمل سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ تفہیم قرآن کیلئے عام تحریک شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درست ہے کہ احکام و مسائل کے استنباط کے لیے علماء سے رجوع کیا جائے گا۔ یہ عمل ماضی میں رائج تھا اور آج بھی رائج ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن کو کوئی عام مسلمان نہیں سمجھ سکتا یا ترجمہ پڑھ کر وہ رب تعالی کے ارشادات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر ایک کافر بادشاہ قرآن پاک کی آیت کو سن کر مسلمان ہو سکتا ہے تو کیا صاحب ایمان مسلمان کے دل پر اللہ کا خوف طاری نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک کو سمجھنا اسکی آیات (نشانیوں) پر غور و فکر کرنا اور اس پر عمل کرنا ہر مومن پر لازم ہے۔ فی زمانہ

اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان تلاوت آیات کے ساتھ ساتھ ان کی معانی و مفاہم کا ادراک و شعور حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔

فہم دین رکھنے والے کون ہیں؟

کتابِ الٰہی اور حدیث مبارک میں لفظ ''فقہ'' استعمال ہوا جیسے کے معنی ہیں دین کی سوجھ بوجھ اور حسن ادراک رکھنے کے ہیں۔ ''فقہ'' کا لفظ عقل کے ہم معنی ہے۔ لفظ عقل زیادہ عام ہے جبکہ فقہ کا لفظ زیادہ تر دین کی فہم و ادراک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کلام الٰہی میں یہ لفظ دینی و شرعی امور میں فہم و فراست اور مظاہر فطرت کا پتہ کرنے کے لیے آیا ہے۔ اسلامی تعلیم کے لیے "تفقہ فی الدین" کا لفظ آتا ہے۔ اس سے مراد معروف فقہی تعلیم نہیں ہے جو دین کے تفصیلی علم کا نام ہے۔ یہاں "تفقہ فی الدین" کے معنی ہیں اللہ کے نازل کیے ہوئے دین کو جاننا اور اس میں سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ علم جو انسان میں حق شناسی پیدا کرے اور بنیادی حقیقتوں سے باخبر کر کے آخرت کی بنیادوں پر زندگی تعمیر کرنا سکھائے۔ جس دین کا مقصد کائنات دل بدلنا اور انسانی زندگی کے کارواں کے لیے ایک اعلیٰ منزل متعین کر کے اس تک پہنچنے کی تڑپ پیدا کرنا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تسلیم کرنے والوں میں ایسی شخصیات موجود ہو جو دین کے اسرار و رموز سے اچھی طرح آگاہ ہوں اس کے اغراض و مقاصد کا ادراک ہو اور دوسروں کے سمجھانے سے ان کے دل نشین کرنے کی صلاحیت رکھتے

ہوں۔ علم اور تفقہ میں فرق یہ ہے کہ علم عقل و شعور کا فعل ہے اور تفقہ دل کا،چنانچہ قرآن میں بے شمار مقامات پر ارشاد ہوا ہے:

{لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا}

ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں۔ انسان پر اللہ کی نشانیاں اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب وہ اپنی عقل اور دل کو استعمال کرتا ہے۔ جب وہ محسوسات کا غلام بن جاتا ہے، تب اس کی مثال گدھے کی ہوتی ہے جو صرف ڈنڈے کی زبان سمجھتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ عقل اور دل بھی مشاہدہَ کائنات سے خالق تک اسی صورت میں پہنچتے ہیں جب ان کے اندر محسوسات سے آگے بڑھنے کی ہمت اور حوصلہ ہو۔ اگر وہ صرف محسوسات ہی پر قانع ہو جائے اور اس کی تمام تر کوشش انہی چیزوں کے لیے رہ جائے جو اس چند روزہ زندگی میں کام آنے والی ہیں تو اس طرح تل تو نظر آتا ہے لیکن تل کی اوٹ کا پہاڑ اوجھل ہی رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

{وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ}

ترجمہ: اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں (توبہ۔ ۱۲۲)

{لِّيَتَفَقَّهُوْا} تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں آیت میں "تفقہ فی الدین" تعلیم دین کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ انسان قوم کے لیے انذار (ڈرانے) کا کام کرنے کے قابل ہو سکے۔ کتاب الٰہی میں یہ لفظ آخرت کے مسئلہ سے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیم سے ایسے افراد تیار ہوں جو قوموں کے اوپر اللہ کی طرف سے منذر بن کر کھڑے ہو سکیں۔ تاکہ لوگ اللہ سے ڈریں اور دنیا کی زندگی میں اس روش سے بچیں جو انہیں آخرت کے ابدی عذاب کی طرف لے جانے والی ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ}

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا دیکھو ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے ایک متنفس سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ (انعام۔۹۷)

عالم آفاق کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب انسان کی خود اپنی تخلیق اور اس کے ارد گرد جو سامان معاش و معیشت فراہم فرمایا ہے، اس کی

طرف توجہ دلانے کے بعد قدرت اپنے شاہکار حضرت انسان کا ذکر کر رہی ہے کہ ان سب کا اصل الاصول اور جد امجد ایک آدم علیہ السلام ہے جنہیں تمام آسمانی مذاہب نسل انسانی کی اصل کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ انسان کو یہ دعوت فکر دی جارہی ہے کہ غور کریں ان سب کی تخلیق ایک ہستی سے کس طرح ہوئی ہے۔ ایک ہی خالق ہے جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، اسی جنس سے جوڑا بنایا، اسی طرح مردوں اور عورتوں کی ایک دنیا پیدا کر دی۔ ان میں شکلوں، صورتوں، زبانوں، لہجوں کا اختلاف ضرور ہے، لیکن جبلی تقاضوں اور فطری داعیات کے لحاظ سے متفق ہیں جو اس امر کی واضح نشانی ہے کہ سب کا خالق اور پروردگار ایک ہی ہے جس نے ایک ہی درخت سے یہ سارے برگ و بار پیدا کیے ہیں۔ عورت اور مرد میں بظاہر تضاد و اختلاف ہے لیکن ان دونوں کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ سازگاری کے جو ظاہری و باطنی محرکات و اسباب جمع ہیں وہ زبان حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ دونوں کا خالق و مربی ایک ہی ہے جس نے ایک مشترک مقصد کے لیے ان کو وجو عطا فرمایا۔ اہل علم ودانش کے لئے کائنات ہستی کی ہر چیز میں تو قدرت کی دلیلیں موجود ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی آپ کوئی چیز لیں اس کی وضع و قطع کی مطابقت، اس کی خصوصیات، اس کے بے شمار فوائد اور پھر سارے نظام عالم کے ساتھ اس کی وابستگی کو دیکھ کر انسان کو مجبورا کہنا پڑتا ہے کہ اسے تخلیق کرنے والی ذات بڑی قدرت، علم اور حکمت کی مالک ہے۔ جتنا علم زیادہ ہوگا اسی مناسبت سے عرفان توحید زیادہ ہوگا۔

''اسلام ایک متوازن دین ہے وہ فہم کے تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے،

اور تمام امور میں ایک توازن رکھتا ہے۔ وہ تو ہر پہلو سے معجزات کا دین ہے۔ لیکن وہ اس معجزہ کا دین نہیں ہے جو عقل کو لاجواب تو کردے لیکن مطمئن نہ کرے، کیونکہ وہ عقل کا دین ہے، اوراس دین میں غوروفکر کرنا ایک فریضہ ہے'' (التفکیر فریضۃ اسلامیۃ)

دوسرے مقام موقع پر زندگی کے حقائق وواقعات میں غوروفکر نہ کرنے اور شعورو عقل سے کام نہ لینے والوں کی مذمت کے ساتھ انہیں غفلت میں جانوروں سے مشابہت دی گئی ہے۔ حالانکہ تمام جانور کھانے پینے اور دنیوی کاموں میں اپنے حواس سے کام لیتے ہیں، انسان بھی اتنا ہی کرتا رہا تو اس کو جانوروں پر کیا فضیلت؟ کیونکہ جانور بھی اپنے فائدے کی طرف بڑھتا ہے اور نقصان سے بچتا ہے۔ انسانی روحانی، شہوانی، سماوی اورارضی اوصاف کا حامل ہے جب روح شہوات پر غالب ہوجاتی ہے تو فرشتوں سے افضل ہوجاتا ہے اور جب شہوات روح پر غالب آجاتی ہیں تو جانوروں سے بدتر ہوجاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ}

ترجمہ: اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ (بالکل) چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔

یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (اعراف۔۱۷۹)

''دل آنکھ کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان حواس سے یہ کام نہیں لیتا وہ گویا ان سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچ کر رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے مفید چیز کون سی ہے اور مضر کون سی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انہیں غافل بھی کہا گیا ہے۔ (احسن البیان)

اس طرح بہت سی آیات ہیں جن میں لفظ فقہ اپنے عموی معنی میں سوجھ بوجھ فہم و فراست کے لیے استعمال ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

{فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا}

ترجمہ: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ (نساء۔۷۸)

{وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ}

ترجمہ: حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ (منافقون۔۷)

فِقہ افضل ترین علوم میں سے ہے۔ حدیث مبارک میں ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے لئے بہتری چاہتا ہے اس کو دین میں فقیہ بناتا ہے (بخاری و مسلم)

اور حدیث مبارک میں ہے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔ (ترمذی)

ایک مسلمان کے لیے دین اسلام کا فہم بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ سمجھ بوجھ پیدا کرنے بعد ہی اسلام کی تعلیمات پر کاربند رہا جاسکتا ہے۔ اس لیے مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن و سنت میں مذکور احکام و مسائل کا زیادہ سے زیادہ ادراک حاصل کرے۔ عربی زبان سے واقفیت کا حصول اس مقصد کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اہل علم سے استفادہ کے ذریعے بھی دینی معلومات میں اضافہ کرنا چاہیے۔ فرائض کے علم کا حصول بھی فرض ہے سنن کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔ یہی حال باقی امور کا ہے۔

قرآن پاک سمجھنے کے لیے آسان

Quran Esay To Understand

قرآن پاک مؤمنوں کو بار بار متوجہ کرتا ہے کہ اس کتاب سے تعلق نصیحت حاصل کرنے کے لئے قائم کریں۔ اس سلسلہ میں بنیادی وضاحت بار بار یہ فرمائی ہے کہ اس میں آسانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو انسان کے سمجھنے کے لیے بہت آسان کر دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ}

ترجمہ: اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا۔ پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (القمر۔ ۱۷)

Indeed We have made the Qur'an easy for seeking advice. So, is there one to heed to the advice?

لفظ ''یَسَّرْنَا'' کے معنی محض آسان بنانے کے نہیں ہیں، بلکہ کسی چیز کو پیشِ نظر مقصد کے لیے موزوں بنانے اور تمام لوازمات سے آراستہ کر کے پوری طرح تیار کر دینے کے ہیں۔اب جو انسان نصیحت قبول کرنے اور ہدایت پانے کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کتاب حق کو آسان کر دیتا ہے۔ اس کو فہم و فراست کے نور سے روشن فرما دیتا ہے۔ اس کے سینے کو کشادہ اور فکر کو بالغ نظری عطا فرما دیتا ہے۔اسی طرح جو انسان ہدایت کے لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اسے صحیح سمجھ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک اگرچہ وسیع معانی کی کتاب ہے۔ مگر اپنے اندازِ بیان میں حد درجہ وضاحت رکھتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن کا سمجھنا ہر انسان کے لیے آسان ہو گیا ہے، خواہ وہ ایک عام انسان ہو یا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد۔

انسان کی تعلیم و تذکیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اتارا ہے یہ فصیح و بلیغ زبان میں ہے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا ہے تاکہ پوری توجہ کے ساتھ اِس سے استفادہ کیا جا سکے،اِس کی سورتیں محکم بھی ہیں اور مفصل بھی تاکہ ایجاز کے طالب اِنھیں آسانی کے ساتھ حرزِ جاں بنا لیں اور وضاحت کے خوگر ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ سمجھ لیں۔ ایک ہی مضمون کو مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی معاملے میں کوئی ابہام باقی نہ رہے، سورتیں اِس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ یہ ترتیب بجائے خود فہم مدعا کی کلید بن گئی ہے۔ لہٰذا

اللہ کی اِس عنایت اور اِس نعمت عظمیٰ سے انسان فائدہ کیوں نہیں اٹھاتا۔

اس آیت کریمہ میں قرآن پاک کی تعلیم و تعلّم اور اس کے ساتھ محبت رکھنے اور اسکو حفظ کرنے کی ترغیب بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حفظ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور یہ اسی آسانی ہی کا نتیجہ ہے کہ چھوٹی عمر کے بچّے اس کو حفظ کر لیتے ہیں۔ قرآن پاک کے علاوہ دنیا میں کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جو حفظ ہو جاتی ہو اور با آسانی ہو یہ اعجاز صرف قرآن پاک کا ہے۔

قرآن مجید سے عبرت، یاددہانی اور نصیحت حاصل کرنا یہ سب انسانوں کا کام ہے۔ قرآن پاک کو سمجھنے کا حکم کم و بیش بیس (۲۰) مرتبہ آیا ہے۔ قدرت کے مشاہدے اور نشانیوں پر غور و فکر کرنے کے لیے قرآن مجید انتہائی آسان اور بہترین رہنما کتاب (Guide) ہے۔ دنیاوی زندگی کے بعد حقیقی زندگی میں نجات کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ انسان میں حق و صداقت کی تلاش کی آرزو کتنی تھی؟ انسان کے پاس جو علم تھا، اس کی شخصیت و کردار میں اس کا کتنا عکس تھا؟ یعنی انسان اپنے پروردگار سے کتنا مخلص تھا۔ اس کتاب کے تعارف میں فرمایا گیا ہے:

{یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ}

ترجمہ: لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔

(یونس۔۵۷)

''موعظت'' کے معنی ہیں وہ چیز جو انسان کو مرغوب کی طرف بلائے اور خطرے سے بچائے۔ قرآن پاک کی سب سے بڑی نصیحت خالق کائنات کو پہچاننا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی

گزارنا ہے۔ پھر عبادات اور معاملات سے متعلق نصیحتیں ملتی ہیں۔ بطور خاص اخلاق کے ضمن میں جو تفصیلات درج ہیں وہ قرآنی نصیحت کی شاہکار کہی جا سکتی ہیں۔ قرآن پاک کو فہم انسانی کے لئے نہ صرف آسان بنایا ہے بلکہ اس کی آیات پر غور وفکر اور اس سے استفادہ کے اصول بھی متعین کر دئے ہیں۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ. فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ. وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ. وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا. وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ}

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگا کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔ (آل عمران۔ ۷)

قرآن پاک سمجھنے کے لیے آسان ہے ''الدین یسر'' فرمان نبوی کے مطابق دین کا فہم اور اسی پر عمل انسان کے لیے آسان ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے ایسے امور کے لیے مکلف نہیں کیا جو اس کی وسعت اور طاقت

سے باہر ہوں۔ فطرتاً انسان کے لیے دین کا سمجھنا اوراس کی تعلیمات پر عمل ہونا آسان ہے بشرطیکہ اس مقصد کے حصول کے لیے اس میں عزم صادق پایا جاتا ہے۔

آیاتِ محکمات

''محکم پکّی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں۔ "آیات محکمات" سے مراد وہ آیات ہیں جن کی زبان بالکل صاف ہے، جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے، جن کے الفاظ معنیٰ ومدعا پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں۔ یہ آیات "کتاب کی اصل بنیاد ہیں"، یعنی قرآن جس غرض کیلیے نازل ہوا ہے اس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں۔ انہی میں اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دی گئی ہے، انہی میں عبرت اور نصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں، انہی میں گمراہیوں کی تردید اور راہ راست کی توضیح کی گئی ہے۔ انہی میں دین کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ انہی میں عقائد، عبادات، اخلاق ،فرائض اور امر و نہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ پس جو شخص طالب حق ہو اس کی پیاس بجھانے کے لئے آیات محکمات ہی اصل مرجع ہیں اور فطرۃً انہی پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی۔ متشابہات ، یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔'' (تفہیم القرآن)۔

بقول شاعر مشرق:

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شئے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی

ہم تو مائل بہ کرم ہیں ، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے، راہ رو منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے ، جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی ، یہ وہ گل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اہم قرآنی معلومات

قرآن پاک

قرآن کا معنی (لغت عرب میں) جمع کرنا، ملانا، پڑھنا، علامت، نشان، دلیل، سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں۔

کل اجزاء

قرآن کے کل تیس پارے ہیں۔

کل منزلیں

قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں جن کی ترتیب درج ذیل ہے :

(۱)۔ سورۃ فاتحہ سے سورۃ النساء تک 3 سورتوں کی پہلی منزل

(۲)۔ سورۃ مائدہ سے سورۃ توبہ تک 5 سورتوں کی دوسری منزل

(۳)۔ سورۃ یونس سے سورۃ النحل تک 7 سورتوں کی تیسری منزل

(۴)۔ سورۃ بنی اسرائیل سے سورۃ فرقان تک 9 سورتوں کی چوتھی منزل

(۵)۔ سورۃ شعراء سے سورۃ یٰسین تک 11 سورتوں کی پانچویں منزل

(۶)۔ سورۃ الصّٰفّٰت سے سورۃ حجرات تک 13 سورتوں کی چھٹی منزل

(۷)۔ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک 66 سورتوں کی ساتویں منزل

قرآن مجید کی سورتیں، آیات، حروف اور اعراب کی تعداد

ا۔ کل آیات: 6666

۲۔	کل سورتیں:	114
۳۔	کل الفاظ:	86430
۴۔	کل حروف:	322671
۵۔	کل زبر:	53243
۶۔	کل زیر:	39582
۷۔	کل پیش:	8804
۸۔	کل رکوع:	540
۹۔	کل نقطے:	105682
۱۰۔	کل مدات:	105682
۱۱۔	کل تشدیدات:	1253
۱۲۔	قرآن کے صفاتی نام:	55
۱۳۔	مکی سورتوں کی تعداد:	65
۱۴۔	مدنی سورتوں کی تعداد:	18
۱۵۔	مکی ومدنی (مشترکہ) سورتیں : 31	
۱۶۔	سجدہ ہائے تلاوت: 14 (متفق علیہ)، 1۔ مختلف فیہ۔	
۱۷۔	حروفِ مقطعات والی سورتیں : 14	
۱۸۔	سب سے بڑی سورۃ:	البقرۃ
۱۹۔	سب سے چھوٹی سورۃ:	الکوثر

حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن

سورۃ کہف آیت کے لفظ "وَلْيَتَلَطَّفْ" کی ''ف'' پر آدھا قرآن ہوتا ہے۔

قرآن پاک کا موضوع انسان

غرض و غایت ہدایت انسانی

جامع القرآن سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ (25ھ میں لغت قریش پر نسخہ تیار کیا گیا)

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں۔

پہلے کاتب وحی حضرت خالد بن سعید ابی العاص رضی اللہ عنہ۔

سب سے بڑا قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (نزول وحی کے اعتبار سے آخری وحی کے کاتب بھی یہی ہیں)۔

علوم القرآن کی تعداد قرآن مجید میں کل 70450۔ علوم وفنون ہیں۔
(امام جلال الدین سیوطیؒ)

سب سے بڑی آیت سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 282 (آیۃ المداینہ یا آیت دین)

سب سے چھوٹی آیت "مُدۡهَآمَّتٰنِ"، سورۃ الرحمن، آیت نمبر 64

سب سے پہلی وحی 17 رمضان المبارک یکم نبوی، اگست 610ء
{اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ}

سب سے آخری وحی 3 ربیع الاول 11ھ
{وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ}
(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر۔ 4544)

کاتبانِ وحی کم و بیش 40 صحابہ کرام

مراحل نزول لیلۃ القدر میں بیت العزۃ میں یکبارگی اتارا گیا۔

زمانہ فترت 6 ماہ کا عرصہ جس میں وحی کا سلسلہ بند رہا۔

اقسام آیاتِ قرآن وتعداد

۱۔ آیاتِ وعد:	1000	۲۔ آیاتِ وعید:	1000
۳۔ آیاتِ نہی:	1000	۴۔ آیاتِ اوامر:	1000
۵۔ آیاتِ امثال:	1000	۶۔ آیاتِ قصص:	1000
۷۔ آیاتِ تحلیل:	250	۸۔ آیاتِ تحریم:	250
۹۔ آیاتِ تسبیح:	100	۱۰۔ آیاتِ متفرقہ:	66

مقام پہلی وحی غار حرا

مقام آخری وحی مدینہ منورہ

عرصۂ نزولِ قرآن 22:سال 2ماہ چند دن (کم و بیش 23سال)

مضامین قرآن

(۱) تذکیر بآلاء اللہ

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت وربوبیت کی جو نشانیاں کائنات میں بکھری ہوئی ہیں، ان کی یاددہانی۔

(۲) تذکیر بایام اللہ

ایام کا لفظ عربی زبان میں اصطلاحاً یادگار تاریخی واقعات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایام اللہ سے مراد تاریخِ انسانی کے وہ اہم واقعات ہیں

جن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی قوموں اور بڑی بڑی شخصیتوں کو اُن کے اعمال کے لحاظ سے جزا یا سزا دی ہے۔

(۳) تذکیر بما بعد الموت

یعنی اس بات کی یاد دہانی کہ اس دنیا سے جانے کے بعد جو یوم الجزاء آنے والا ہے، اس دن اللہ تبارک و تعالیٰ انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔

(۴) علم الاحکام والشرائع

یعنی شریعت کے وہ قوانین جن کی پابندی اس دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے مطلوب ہے۔

(۵) علم المخاصمة

یعنی قرآن کا مخاطب بننے والے جو گروہ قرآن کے دعاوی اور اس کے پیغام کو تسلیم کرنے اور اس کی دعوت کو قبول کرنے سے گریزاں تھے اور اس پر ان کے ذہن میں کچھ استدلالات اور کچھ شبہات تھے، ان کا جواب دینا اور ان کی تردید کر کے صحیح بات کو واضح کرنا۔

لفظ قرآن

پورے قرآن میں لفظ 68 مرتبہ آیا ہے۔

سورتوں کے القاب

ا۔ سورۃ البقرۃ: سنام القرآن (قرآن کی کوہان)، فسطاط القرآن (قرآن کا خیمہ)

۲۔ سورۃ یٰسین: قلب القرآن (قرآن کا دل)

۳۔ سورۃ الرحمن: عروس القرآن (قرآن کی دلہن)

انبیاء کے نام پر سورتیں

یونس، ھود، یوسف، ابراہیم، نوح، محمد

شخصیات کے نام پر سورتیں

مریم، لقمان، لہب

طبقات کے نام پر سورتیں

النساء، الشعراء، الجن، الانبیاء، المؤمنون، المنافقون

اقوام کے نام پر سورتیں

آل عمران، بنی اسرائیل، قریش

حشرات اور جانوروں کے نام پر سورتیں

النحل، النمل، العنکبوت، الفیل، البقرۃ، الانعام

جگہ اور ملک کے نام پر سورتیں

الحجر، الکہف، الروم، السباء، احقاف، الحجرات، الطور، البلد

فلکیات کے نام پر سورتیں

الرعد، النور، الدخان، النجم، القمر، الطارق، الشمس، البروج

اشیاء کے نام پرسورتیں

المائدہ، الانفال، الحدید، القلم، المعارج، التین، الماعون

اوقات کے نام پرسورتیں

الدھر، الفجر، الیل، الضحیٰ، العصر

عبادت کے نام پر سورت

سورۃ الحج

ایام کے نام پرسورت

سورۃ الجمعۃ

اسمائے قرآن

القرآن ، الفرقان ، التنزیل، الذکر، الکتاب ، الشفاء ، الرحمۃ، الھدیٰ، الحق، نور مبین، الموعظہ، الحکمۃ، البلاغ، القول الفصل، حبل اللہ،احسن الحدیث، العروۃ الوثقیٰ، عبرہ، البرھان، صراط مستقیم، المیزان، القرآن الحکیم، القرآن الکریم، قرآن مجید، البیان، خیر، مصحف وغیرہ۔

باب : ۳

آیات کے معنی اور لفظ آیت کا قرآن عظیم میں بیان

آیات بینات کیا ہیں؟

قرآنی اصطلاح میں '' آیات ''یا'' آیات اللہ'' کا اطلاق حسب ذیل امور پر ہوتا ہے۔ آیات جمع ہے اس کا واحد ''آیت'' ہے اس کے لغوی معنی (۱) واضح علامت (نظام فطرت کا کوئی اشارہ) (۲) پہچان (۳) عبرت (۴) معجزات انبیاء (۵) قرآنی احکام و مضامین کے ہیں۔ یا نشانی کے ہیں جو نشانی قابلِ مشاہدہ ہو' (آنکھوں میں سما جانے والی، پُرکشش اور جاذب نظر ہو) اور کسی بات کی علامت یا نشانی ہو خواہ وہ نشانی عقلی ہو۔ آیات اور بینات کے الفاظ قرآن پاک میں نظام فطرت میں موجود خدائی اشارات پر دلالت کے طور پر (۳۸۲) مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی قدرت کی وہ واضح علامات یا نشانیاں ہیں جو عقلی و منطقی دلائل بننے کی طاقت رکھتی

ہوں۔ آیات سے مراد وہ علامات قدرت اور نشانات جو صحیفہ فطرت کے اوراق پر منقش ہیں۔ان سے ذات باری تعالی کے وجود 'اس کی قدرت و وحدانیت 'ربوبیت ورحمانیت 'حکمت و منصوبہ بندی' رسالت' یوم آخرت کی شہادت ملتی ہو۔جونشانات انسان کی ذات کے بارے میں ہیں انہیں ''دلائل انفس'' کہتے ہیں اور جو نشانات قدرت انسان کے چاروں طرف (حیوانات' نباتات' جمادات و افلاک میں) بکھرے ہوئے ہیں انہیں ''دلائل آفاق ''کہتے ہیں۔ انہی دونوں دلائل کا نام ''آیات الہی'' ہے۔ مذکورہ علامات یا نشانات علمی و عقلی دلائل دنیا کی تمام مادی اشیاء اور مظاہر فطرت میں ودیعت کردیئے گئے ہیں تاکہ ان سے منکرین کو ہدایت نصیب ہوسکے اور انکار کرنے پر روز قیامت حجت کا اتمام ہوسکے۔ عصر حاضر میں انسان عالم مادیات میں کھوکر خالق حقیقی سے غافل ہوچکا ہے۔مادہ کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے رب العلمین کا منکر ہو رہا ہے ۔اسی فکر اور سوچ کو تبدیل کرنے اور اسے صراط مستقیم پر لانے کی غرض سے اسے مظاہر قدرت میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ ان نظاموں کو سمجھتے ہوئے منطقی نتائج اخذ کرسکے یہ دعوت وہی ذات دے سکتی ہے.جس نے ان تمام مظاہر میں اپنے وجود کی علامات رکھ دی ہوں۔ جیسا اس آیت کریمہ میں انسان کو کتنے بلیغ انداز سے دعوت فکر دی گئی ہے {وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ } اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری ذات (جسمانی نظام) میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو (الذریات۔ ۲۰)

زمین کی ساخت اور اس میں رونما ہونے والے عجیب و غریب تغیرات میں غور سے قدم قدم پر ایسے آثار و نشانات ملیں گے جن کو انسان غور سے دیکھے تو حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

کلامِ الٰہی کے وہ حصّے جن کے آغاز اور انجام معین ہونے کے علاوہ ہر آیت اپنی مخصوص جگہ میں درج ہے، اس کو اصطلاح میں آیت کہا جاتا ہے۔، اور آیۃ اور جملے کے مابین عام و خاص من وجہ کا فرق قابل تصور ہے۔ یعنی کبھی جملہ ہے آیت نہیں ہے، کبھی آیت ہے جملہ نہیں ہے، کبھی جملہ اور آیت دونوں ہیں۔ کلام الٰہی میں مفردات، جملے اور کلمات بیان ہوئے ہیں جن کے ایک خاص مجموعہ کو آیت کہتے ہیں، جو ہر حوالے سے فصاحت و بلاغت کے اصول و ضوابط سے ہم آہنگ ہونے کے علاوہ مکمل اور معقول مطلب کو ادا کریں نیز تمام آیات کی حد بندی، جگہ کا تعین بھی نبی کریم انے ہی فرمایا ہے، لہٰذا آیات کی حد بندی، جگہ کا تعین توقیفی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے ہے) جس میں عقل اور اجتہاد و قیاس وغیرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے یعنی جس جملہ اور ترکیب کو آیت کہا گیا ہے یا جس سورہ کی جگہ معین فرما دی گئی ہے، اس میں اجتہاد اور قیاس ناممکن ہے، اس بات پر تمام اہل اسلام متفق ہیں۔ اس نئی ترتیب میں حکمت کیا تھی؟ مختلف مواقع پر نازل ہونے والی آیات جب اللہ ہی کے حکم سے ایک مربوط کتاب کی شکل میں آئیں تو اس سے ترتیب میں آنے والا نظم کلام کیا تھا؟ البقرہ، آل عمران سے پہلے کیوں، بعد میں کیوں نہیں؟ الانعام، المائدہ کے بعد ہی کیوں؟ بیشک یہ زبان و بیان کا معجزہ تھا۔

قرآن کی آیات اور سورتوں میں منظم ربط

قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں منظم ربط ہے۔ یہ ربط انہیں ایک ایسی دیدہ زیب عمارت بنا دیتا ہے کہ اگر ایک اینٹ بھی کسی دوسری جگہ لگائی جاتی تو عمارت کا حسن مجروح ہوتا۔ کلام الٰہی ایک حیرت کدہ ہے، جو بھی اس بحر میں غوطہ لگاتا ہے کوئی عجیب بات دریافت کرلاتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اس کے عجائب قیامت تک ختم نہیں ہوں گے''۔ انسان کو اس کے مظاہر تاریخ کے ہر دور میں دکھائی دیتے رہیں گے۔ علوم قرآن کے ماہرین کے نزدیک "الٓمٓصٓ" ایک آیت ہے، جبکہ "الٓمٓرٰ" کو آیت میں شمار نہیں کرتے ، "یٰسٓ" کو آیت جبکہ اس کے ہم وزن "طٰسٓ" کو آیت شمار نہیں کرتے۔ اس طرح "حٰمٓ عٓسٓقٓ" کو دو آیات، اور "کٓھٰیٰعٓصٓ" کو حروف کے حوالے سے زیادہ ہونے کے باوجود ایک آیت قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ آیات قرآنی کی حدبندی اور جگہ کا تعین امر توقیفی ہے، جس میں اجتہاد اور قیاس کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن پاک کی آیات کی تعداد اور گنتی میں تھوڑا بہت ماہرین علوم قرآن کے ہاں اختلاف ہے، لیکن آیات قرآنی کی حد بندی میں اختلاف اور جگہ کا تعین توقیفی ہونے کے باوجود کوئی تضاد نہیں ہے۔

قرآنی آیات کی تقسیم

قرآنی آیات کی اولین تقسیم دو طرح پر کی گئی ہے۔

(۱) آیات محکمات (۲) آیات متشابہات۔

پھر متشابہات دو قسم پر ہیں (۱) جو الفاظ بھی سمجھ سے باہر ہوں، جیسے حروف مقطعات۔ (۲) لفظ تو سمجھ میں آتے ہوں، لیکن مفہوم ان کا قابل فہم نہ ہو۔ پھر آیاتِ محکمات کو مفسرین نے دو طرح پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ آیاتِ محکمات

(۱) وہ آیات جن کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو جو بالکل واضح ہوں، یعنی جس زبان میں بھی ان کا ترجمہ کیا جائے سمجھنے والے کو مشکل نہ ہو اور بظاہر مفسرین کا ان آیات کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہ ہو، جیسے سابقہ اقوام سے متعلق واقعات اور جنت و جہنم سے متعلق آیات۔

۲۔ آیاتِ متشابہات

(۲) وہ آیات ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی ابہام یا اجمال یا اور کوئی دشواری پائی جائے یا اُن آیات کو سمجھنے کے لیے ان کے منظر و پس منظر کو سمجھنا ضروری ہو جیسے وہ آیات جن سے دقیق مسائل اور احکام نکلتے ہوں یا اسرار و معارف نکلتے ہوں، ایسی آیات کو سمجھنے کے لیے انسان کو صرف زبان اور اس کی باریکیوں کو جاننا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اور بھی بہت سی معلومات کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن پاک کے مطابق کائنات کی تمام موجودات اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ ان کے بارے میں غور و فکر کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، علم، قدرت، حکمت اور عظمت وغیرہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ایک ذرا سی نظر عمیق کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ہر چیز کا وجود اللہ کی نشانی (آیت) ہے۔

قرآن پاک میں لفظ معجزہ کی جگہ خاص طور پر لفظ ''آیت'' کا استعمال بھی ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں ہر مقام پر لفظ آیت سے معجزہ مراد نہیں بلکہ بعض مخصوص مقامات پر لفظ آیت (نشانی) معجزہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ}

ترجمہ: (اے حبیب ﷺ) بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن معجزے عطا فرمائے۔ (البقرہ۔ ۲۱۱)

Ask the Children of Isra'il (Israel) how many a clear sign We have given to them;

بے شک تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہے جو لوگ باطنی بصیرت کے حامل ہیں اور جن کی نگاہوں میں معرفت کی روشنی ہے ان جلووں کے پس منظر میں ناظرین صاحبِ جلوہ کا دیدار کر سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے سب کی آنکھوں میں اتنا دم کہاں ہو سکتا ہے۔ انسان اگر ان موجودات میں غور و فکر کرے تو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات تک پہنچ سکتا ہے لیکن انسان توجہ نہیں دیتا، اعراض کر کے گذر جاتا ہے جیسا کہ خود ارشاد عزوجل ہے:

{وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ}

ترجمہ: زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں (یوسف۔ ۱۰۵)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

{وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ}

ترجمہ: اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں (الانبیاء۔ ۳۲)

We made the sky a protected roof; and they are averse to its signs.

''آسمان کی چھت نہ گرے نہ ٹوٹے نہ بدلی جائے اور شیاطین کے استراق سمع سے بھی محفوظ ہے۔ اور چھت اس لیے کہا گیا ہے کہ دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ کیسی مضبوط و محکم اور وسیع و بلند چھت اتنی مدت سے بغیر ستون کے کھڑی ہے۔ ذرا سا رنگ و روغن اور پلاسٹر بھی نہیں جھڑتا''۔

اگر انسان کائنات اور اس کی فضاؤں میں پھیلی موجودات کے بارے میں غور و فکر کرے تو ان موجودات میں ان کے پیدا کرنے اور قائم و باقی رکھنے والے پروردگار کو دیکھ سکتا ہے اور اس کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَتَفَکَّرُوْنَ}

ترجمہ: یعنی اہل فکر، اہل عقل اور اہل ایمان کے لئے ان میں نشانیاں ہیں۔ (الروم۔ ۲۱)

Surely in this there are signs for a people who reflect.

زمینی نشانیوں کی طرف انسان کی توجہ

قرآن پاک نے موجودات کو خاص طور پر توجہ کا مرکز بنایا ہے اور انسانوں کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور اس سے مخصوص نتائج نکال کر انسان کے سامنے پیش کر دیے ہیں، جیسا کہ سورۃ یٰسین میں ارشاد ہے:

{وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ}

ترجمہ: اور ان کے لئے ایک نشانی (خشک) زمین ہے، جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ (یٰسٓ۔ ۳۳)

And a sign for them is the dead land. We gave it life and brought forth grain from it; so from it they eat.

سب سے پہلے زمین کی نشانیوں کی طرف انسان کی توجہ دلائی گئی ہے۔ اگر انسان کسی نشانی کی طلب رکھتا ہے تو اسے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے بڑی نشانی اس کے اپنے پاؤں کے نیچے بچھی ہوئی یہ زمین ہے۔ یہ بالکل مردہ ہوتی ہے، جس میں کوئی روئیدگی، تازگی، ہریالی، گھاس وغیرہ نہیں تھی' ہم بارش برسا کر اس کو زندہ کرتے ہیں پھر یہ لہلہانے لگتی ہے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگ جاتا ہے اور اقسام وانواع کے پھل پھول وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اس سے مختلف قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں کچھ تم کھاتے ہو کچھ تمہارے جانور کھاتے ہیں۔ اسی خوراک پر ہی ان کی معاش کا انحصار ہے۔ پھر یہ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہم نے ان کی معاش کے لیے صرف غلے ہی کا انتظام نہیں کیا ہے بلکہ ہم نے ان کے لیے کھجور اور انگور اور دوسرے پھلوں کو پیدا کیا اور ان کو شاداب رکھنے کے لیے چشمے بھی جاری کر دیے ہیں یہ سب اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں، کسی کے اختیار میں نہیں، تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ یا حاصل کردہ چیزیں نہیں۔ نہ تمہیں انہیں اگانے کی طاقت نہ تم میں انہیں بچانے کی قدرت، نہ انہیں پکانے کا تمہیں اختیار۔ صرف اللہ کے یہ کام ہیں اور اسی کی یہ مہربانی ہے اور

اس کے احسان کے ساتھ یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں۔ پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو شکر گذاری نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے؟ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ باغات کے پھل یہ کھاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کا بویا ہوا یہ پاتے ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

{وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ}

ترجمہ: اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ دیتے ہیں تو یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ (یٰسٓ۔۳۷)

And a sign for them is the night. We strip (the cover of) the day from it, and they are suddenly in darkness.

ارشاد فرمایا کہ اگر انسان غور کرے تو اس کے لیے رات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور توحید کی ایک بہت بڑی (علامت) نشانی ہے۔ ہم آسمان کے اوپر ایک نور کی چادر اوڑھا دیتے ہیں اس سے روشن دن نمودار ہو جاتا ہے جس سے انسان اپنے کام کاج انجام دیتا ہے۔ رات کو ہم اپنی یہ نورانی چادر کھینچ لیتے ہیں تاریکی چھا جاتی ہے جس میں یہ آرام کرتے ہیں۔ ہم اپنی یہ نورانی چادر اگر نہ اوڑھائیں تو ہمیشہ تاریکی ہی رہے اور اس چادر کو نہ کھینچیں تو انہیں رات کا سکون میسر نہ ہو۔ دن اور رات کا یہ آنا جانا انسانوں کے لیے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ دنیا اضداد کی کوئی تجربہ گاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک خالق کی بنائی ہوئی دنیا ہے جو اس کے تمام اضداد کو اس کے مجموعی مفاد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

{وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ}

ترجمہ: ان کے لیئے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا (یٰسین ۔ ۴۱)

And it is a sign for them that We boarded their children in the loaded ship,

ہماری قدرت کی مذکورہ بالا آیات اور روشن نشانیوں کو اگر تم پوری طرح سمجھ نہیں سکتے تو یہ بات تو ہر روز تمہارے مشاہدہ میں آتی رہتی ہے کہ ہم نے دریاؤں اور سمندروں کو تمہارا تابع فرمان بنا دیا ہے۔ کشتی جو سامان اور سواریوں سے بھری ہوئی ہے اس سے مراد سفینہ نوح ہے ۔ کس طرح وہ اس عظیم سیلاب کی تند و تیز موجوں اور ہولناک گرداب سے تمہیں بچا کر لائی ۔ پھر ہم نے تمہیں کشتیاں بنانے کا فن سکھا دیا۔ اب تم نے برقی اور ایٹمی طاقت سے چلنے والے جہاز، آبدوزیں۔ تیل بردار ٹینکر بنا لیے ہیں اور دور دراز کی مسافتیں بڑی آسانی سے طے کرتے ہوئے تم اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہو۔ فرمایا کہ اگر انسان کو مزید نشانی کی طلب ہے تو وہ اس بات کو دیکھے کہ ہم نے نسل انسانی کے بحری سفر کے لیے یہ اہتمام کیا ہے کہ ان کی کشتیاں سمندر کے سینہ پر سے ہزاروں ٹن سامان لے کر چلتی ہیں اور نہیں ڈوبتیں۔

آیاتِ الٰہی کو مزید دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

(۱) تکوینی یا قدرتی آیات۔ (۲) تشریعی آیات۔

تکوینی آیات سے مراد اللہ تعالی کی مخلوقات اور تشریعی آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے

بعض جگہ پر لفظ " آیت " خاص معنی میں آیا ہے اور یہ ان مخلوقات کے لئے ہے جو عام علل واسباب کے ذریعہ وجود میں نہیں آئی ہیں کیونکہ وہ اپنے پیدا کرنے والے پر زیادہ واضح انداز میں دلالت کرتی ہیں، موجودات عام علل واسباب کے ذریعہ وجود پاتے ہیں انسان ان سے بہت زیادہ مانوس ہو جانے کی وجہ سے ان کے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن جب کوئی چیز غیر معمولی طریقہ سے وجود پاتی ہے تو وہ سب کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ جیسے " تابوت سکینہ " ایک غیر معمولی واقعہ ہے، لشکر جب روانہ ہوتا تھا اور یہ تابوت خود بخود ان کے آگے آگے چلنے لگتا تھا، تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے اور اللہ تعالی نے ملائکہ کے ذریعہ اس کام کو انجام دیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ آیت علامت اور نشانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

{إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ}

ترجمہ: ان کے نبی نے پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان والے ہو (البقرہ۔ ۲۴۸)

The sign of his kingship is that the Ark shall come to you, carried by the angels, having therein tranquillility from your Lord, and the remains of what the House of Musa and the House of Harun (Aaron) had left. Surely, in it

there is a sign for you, if you are believers.

قرآن کتاب فطرت ہے نزول قرآن کے دور میں علوم و فنون کے ارتقاء کا آغاز ہو رہا تھا۔ مظاہر فطرت آسمان و زمین سمندر وغیرہ انسان کی براہِ راست نظر میں تھے۔ انہی اشیاء کا بیان قرآن میں بار بار کیا گیا ہے اور انسانوں کو دعوت فکر دی گئی کہ وہ ان کی بناوٹ اور تخلیق پر غور کرکے ان کے خالق کو پہچانیں یہ سادہ اور موثر طریق تعلیم ہے جسے قرآن حکیم نے اختیار کیا ہے اور اس کے اثر سے انسانی عقول و قلوب نے بہترین رہنمائی اور ہدایت حاصل کی۔

تابوت سکینہ

''تابوت سکینہ سے مراد وہ صندوق یعنی تابوت جو توب سے ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے تھے''۔ (فتح القدیر)

تابوتِ سکینہ میں کیا تھا؟

اس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی مقدس جوتیاں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی، توراۃ کی تختیوں کے چند ٹکڑے، کچھ من و سلویٰ وغیرہ تھے۔

تابوت سکینہ کہاں ہے؟

مذکورہ تابوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد تک رکھنے کے لئے

خاص انتظام نہیں تھا اور اسکے لیئے پڑاؤ کی جگہ پر ایک الگ خیمہ لگا دیا جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنانا شروع کیا جو عین اس مقام پر ہے جہاں آج مسجد اقصیٰ موجود ہے۔ یہ عظیم الشان گھر ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں مکمل ہوا اور جسے یہودی ہیکل سلیمانی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس گھر کی تعمیر کے بعد تابوت سکینہ کو یہاں پورے ادب واحترام کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ اور اسی لیے یہ جگہ یہودیوں کا مقدس ترین مقام بن گئی۔ آنے والے زمانوں کی جنگوں نے ہیکل کو بہت نقصان پہنچایا' بابل کے بادشاہ بخت نصر نے تو اس کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور اسکو آگ لگا دی، وہ یہاں سے مال غنیمت کے ساتھ ساتھ تابوت سکینہ بھی لے گیا تھا۔ اس تباہی کے نتیجے میں آج اصلی ہیکل کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل میں جب کوئی اختلاف پیدا ہوتا تھا تو لوگ اسی صندوق سے فیصلہ کراتے تھے۔ صندوق سے فیصلہ کی آواز اور فتح کی بشارت سنی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو اپنے آگے رکھ کر اور اس کو وسیلہ بنا کر دعائیں مانگتے تھے تو ان کی دعائیں مقبول ہوتی تھیں اور بلاؤں اور آفتیں ٹل جایا کرتی تھیں۔ الغرض یہ صندوق بنی اسرائیل کے لیئے تابوتِ سکینہ، برکت و رحمت کا خزینہ اور نصرتِ خداوندی کے نزول کا نہایت مقدس اور بہترین ذریعہ تھا مگر جب بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے اور ان لوگوں میں معاصی وطغیان اور سرکشی و عصیان کا دور دورہ ہو گیا تو ان کی بداعمالیوں کی نحوست سے ان پر اللہ کا یہ غضب نازل ہو گیا کہ قوم عمالقہ کے کفار نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا، ان کافروں نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر

کے ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کرڈالا۔ عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر سارے شہر کو تہس نہس کرڈالا، اور اس متبرک صندوق کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ اس مقدس تبرک کو نجاستوں کے کوڑے میں پھینک دیا۔ لیکن اس بے ادبی کا قوم عمالقہ پر یہ وبال پڑا کہ یہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں اور بلاؤں میں مبتلا کر دیئے گئے۔ چنانچہ قوم عمالقہ کے پانچ شہر بالکل برباد اور ویران ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کافروں کو یقین ہوگیا کہ اس صندوق رحمت کی بے ادبی کا عذاب ہم پر پڑگیا ہے تو ان کافروں کی آنکھیں کھل گئیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد کر اس کو بنی اسرائیل کی بستیوں کی طرف روانہ کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو مقرر فرما دیا جو اس مبارک صندوق کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ اس طرح پھر بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی نعمت دوبارہ ان کو مل گئی۔ اور یہ صندوق ٹھیک اس وقت حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس پہنچا، جب انہوں نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا تھا۔ اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے اور یہی شرط ٹھہری تھی کہ مقدس صندوق آجائے تو ہم طالوت کی بادشاہی تسلیم کرلیں گے۔ چنانچہ صندوق آگیا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی پر رضامند ہو گئے۔

''اس تابوت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے یہ تابوت بھی ان کے دشمن چھین کر لے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر فرشتوں کے ذریعے سے حضرت طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا جسے دیکھ کر بنو اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی

کے لئے منجانب اللہ نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لئے ایک اعجاز (آیت) اور فتح و سکینت کا سبب قرار دیا۔ سکینت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز معرکہ آرائیوں میں جس سے بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ اٹھتے ہیں، وہاں اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور ہیبت سے خالی اور فتح و کامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔ (احسن البیان)

حضرت عزیرؑ کا دوبارہ زندہ ہونا بطور آیت

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

{اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ}

ترجمہ: یا اس شخص کی مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لیئے، پھر اسے

اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تم پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ۔ ۲۵۹)

حضرت عزیرؑ سو سال تک عالم موت میں رہے اور دوبارہ زندہ کیے گئے، ان کی سواری کا گدھا بھی ہلاک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ اللہ تعالیٰ واقعے کے ذیل میں فرماتا ہے {وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ} غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں ایک ایسے شخص کا زندہ پلٹ کر آنا جسے دُنیا سو برس پہلے مُردہ سمجھ چکی تھی، خود اس کو اپنے ہم عصروں میں ایک جیتی جاگتی نشانی بنا دینے کے لیے کافی تھا۔

اس واقعے کا تذکیری پہلو

(۱) حضرت عزیر خود بھی ان کا گدھا بھی اور وہ بستی بھی موت کے بعد زندہ ہوئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کو تین طریقوں سے جواب دیا۔ جس سے آپ کو عین الیقین حاصل ہو گیا۔

(۲) اس سو سال کی مدت کا نہ آپ کی ذات پر کچھ اثر ہوا، نہ آپ کے سامان خورد و نوش پر۔ چنانچہ جب آپ واپس اپنے گھر پہنچے تو آپ

کے بیٹے اور پوتے تو بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ خود ان کی نسبت جوان تھے۔ اس طرح آپ کی ذات بھی تمام لوگوں کے لیے ایک معجزہ بن گئی۔ غالباً اسی وجہ سے یہودیوں کا ایک فرقہ انہیں ابن اللہ کہنے لگا تھا۔

(۳) لیکن گدھے پر سو سال کا عرصہ گزرنے کے جملہ اثرات موجود تھے۔ یہ تضاد زمانی بھی ایک بہت بڑا حیران کن معاملہ اور معجزہ تھا۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے گدھے کی ہڈیوں کا جڑنا، اس کا پنجر مکمل ہونا، اس پر گوشت پوست چڑھنا پھر اس کا زندہ ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر بہت بڑی دلیل ہے۔

بے شک تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، لیکن غیر معمولی چیزوں کا ظاہر ہونا اپنی طرف زیادہ توجہ مرکوز کر لیتا ہے، اس وجہ سے اسکو خاص طور پر آیت (نشانی) کہا گیا ہے، اور اسی طرح کے مقامات پر لفظ "آیت" کا اطلاق اسی لئے ہے کہ اس کی دلالت زیادہ واضح ہے اور اپنی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ کھینچتی ہے۔ قرآن حکیم میں اثبات توحید اور صداقت دین کی خاطر کئی خارق العادت اور محیر العقل واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جو خالق کائنات کی قدرت کاملا کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انسان جب ان واقعات کو پڑھتا ہے اور عقل سلیم سے غور کرتا ہے تو وہ یہ بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے جو بظاہر علت و معلول کا سلسلہ نظر آتی ہے اس کی تہہ میں صانع و قادر ذات مطلق کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ جو کبھی اس سلسلہ کو منقطع کر کے انسانوں کو اپنی قدرت کاملا کے کرشمے دکھاتی ہے۔

بنی اسرائیل کا دستر خوان بطور آیت

بنی اسرائیل کے دستر خوان کے ذکر میں ، جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰؑ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ وہ ہمارے لئے نعمتوں سے بھرا خوان نازل کرے، تو اس وقت حضرت عیسیٰؑ نے آسمان کی طرف ہاتھوں کو اٹھا کر عرض کی:

{اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡكَ}

ترجمہ: اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو جائے۔ (المائدۃ۔۱۱۴)

O Allah, our Lord, send down to us a repast from heaven which may be a happy occasion for us, for all our generations present and future, and a sign from You, and give us provisions.

حواری حضرت عیسیٰ کو بالذات معجزات کا دکھانے والا نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کو صرف ان کے ظہور کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے، اسی لیے انھوں نے مائدہ کے نزول کے لیے جو مطالبہ کیا وہ حضرت عیسیٰؑ سے نہیں کیا کہ آپ ہمارے لیے مائدہ اتاریں بلکہ یہ مطالبہ کیا کہ اگر یہ بات آپ کے رب کی حکمت کے خلاف نہ ہو تو آپ اس سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمارے لیے

مائدہ اتارے تاکہ اس سے ہمارے دلوں کو طمانیت حاصل ہو۔ {هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ} کے سوال میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حواریوں کا سوال اللہ تعالیٰ کی قدرت سے متعلق نہیں بلکہ اس کی حکمت سے متعلق تھا کہ اس قسم کی کھلی ہوئی نشانی دکھانا اس کی حکمت کے مطابق بھی ہو گا یا نہیں؟ حواری اہل ایمان تھے، وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی یہ درخواست مشابہ ہے اس مطالبہ سے جو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے کیا تھا جس کے نتیجہ میں ان کو کڑک نے آ دبوچا تھا۔ معجزات ہر چند خارق عادت ہوتے ہیں تاہم وہ اسباب کے پردے ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ تمام پردے اٹھا دیے جائیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے مطالبات کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی جن میں خواہش ان حدود سے متجاوز ہو جائے جو معجزات کے ظہور کے لیے سنت الٰہی میں مقرر ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بھی اس سے روکا اور جب حواریوں کی دوبارہ درخواست پر انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے اس مطالبہ کو پسند نہ فرمایا بلکہ ارشاد ہوا کہ اتارنے کو تو میں مائدہ اتار دوں گا لیکن یاد رکھو کہ جو لوگ اتنی کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد کفر میں مبتلا ہوں گے ان کو سزا بھی وہ دوں گا جو کسی اور کو نہ دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اس کے بعد حواری اپنی اس درخواست سے باز آ گئے۔ یہ واقعہ بھی من جملہ ان واقعات میں سے ہے جن سے خالق کائنات اپنی قدرت کاملا اپنی مخلوق کو دکھانا چاہتا ہے کہ وہ عادی امور اسباب سے ماورا ایسے انداز سے اشیاء کو پیدا کر سکتا ہے جن کا انسان گمان بھی نہیں کر سکتا۔ یہ معجزات خالق کائنات پر ایمان لانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

چونکہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے لہٰذا آیت اور نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص بھی اس آیت (نشانی) کے نازل ہونے کے بعد اطاعت الٰہی سے گریز کرے گا اس پر سخت عذاب نازل ہوگا۔

علاوہ ازیں جن مقامات پر انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت کی نشانی کے طور پر معجزات پیش کیۓ ہیں وہاں پر بھی لفظ ''آیت'' استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت صالحؑ نے پہاڑ کے دامن سے ناقہ (اونٹنی) نکالی ہے اور فرمایا:

{هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً}

ترجمہ: یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل (نشانی) ہے۔ (اعراف۔۷۳)

This is the she-camel of Allah, a sign for you

حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے ولادت، قدرت کی نشانی

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ایک غیر معمولی (عجیب و غریب) واقعہ تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً}

ترجمہ: اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ) اور ان کی ماں کو (اپنی) نشانی بنایا تھا (المومنون۔۵۰)

And We made the son of Maryam (Mary) and his mother a sign,

اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی، جو اللہ تعالیٰ

کی قدرت کی ایک نشانی ہے،،جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور بی بی حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم علیہ السلام سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہاں پر لفظ آیت عام مخلوقات کے لئے استعمال کیا گیا لفظ آیت سے الگ ہے یہ مقام ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ عام طریقہ سے الگ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے قدرت کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے لہٰذا اسکو آیت (نشانی) قرار دیا ہے۔ آپؑ کی پیدائش میں اہل دانش و عقل کے لیے ہدایت 'حکمت' اور بصیرت کے حصول کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔

''یہ نہیں فرمایا کہ ایک نشانی ابن مریم تھے اور ایک نشانی خود مریم۔ اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ ابن مریم اور اس کی ماں کو دو نشانیاں بنایا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ دونوں مل کر ایک نشانی بنائے گئے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ باپ کے بغیر ابن مریمؑ کا پیدا ہونا، اور مرد کی صحبت کے بغیر مریمؑ کا حاملہ ہونا ہی وہ چیز ہے جو ان دونوں کو ایک نشانی بناتی ہے۔ جو لوگ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بے پدر کے منکر ہیں وہ ماں اور بیٹے کے ایک آیت ہونے کی کیا توجیہ کریں گے؟۔'' (تفہیم القرآن)

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات بطور نشانی

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات کے بارے میں بھی لفظ آیت (نشانی) کا استعمال ہوا ہے، مثلاً حضرت موسیٰؑ کے معجزات کے بارے میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ}

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں۔ (اسراء۔ ۱۰۱)

Surely we gave Musa nine clear signs.

مفسرین نے ان نو معجزات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ نو یہ ہیں:

(۱) ید بیضاء (۲) لاٹھی (۳) قحط سالی (۴) نقص ثمرات (۵) طوفان (۶) جراد (ٹڈی دل) (۷) قمل (کھٹمل، جوئیں) (۸) ضفادع (مینڈک) (۹) خون۔

حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ لاٹھی کا جادو گروں کی شعبدہ بازی کو نگل جانا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو اس کے علاوہ بھی معجزات دیئے گئے تھے۔ مثلاً لاٹھی کا پتھر پر مارنا، جس سے بارہ چشمے ظاہر ہو گئے تھے، بادلوں کا سایہ کرنا، من و سلویٰ وغیرہ۔ لیکن یہاں آیات تسعہ سے صرف وہی نو معجزات مراد ہیں، جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا۔

صداقتِ قرآن اور نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل کے بارے میں بھی لفظ آیت کا استعمال ملتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

{أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ}

ترجمہ: کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ (صداقتِ قرآن اور صداقتِ نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔ (الشعراء۔ ۱۹۷)

Is it not a proof for them that the knowledgeable of the children of Isra'il recognize him (the prophet)?

علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب اور پیغمبر (ﷺ) ہے جن کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے اعلانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجالس میں امرِ حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہو گئے، جیسے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام وغیرہ۔ غرضیکہ ایک منصف مزاج کے لیے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور اللہ سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے دلوں میں قرآن کی صداقت کو سمجھتے ہیں، گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کی جرأت نہ کر سکیں۔ یہاں پر لفظ 'آیت'' معجزہ کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ نشانی اور پہچان کے لیے ہے جو لوگوں پر حجت تمام کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو بارگاہ الٰہی سے جو معجزات مختلف ادوار میں عطا فرمائے گئے ہیں قرآن حکیم انہیں آیات سے تعبیر کرتا ہے ان کا مقصد امم سابقہ کو ایمان لانے پر ابھارنا ہے۔ دراصل ان معجزات کا مقصد اتمام حجت ہوتا ہے۔ تاکہ اس دنیا میں یا روز قیامت منکرین حق کے لیے قبول حق میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ یہ آیات مختلف انبیاء کو مختلف صورتوں میں عطا فرمائے گئے۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں بطور نشانی

گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں کو قرآن نے آیات سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان پیشین گوئیوں کے بیان پر عام انسان قدرت نہیں رکھتے

تھے۔ یہ پیش بینی دراصل مستقبل بینی کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔ جن کا ادراک عام انسان نہیں کرسکتا یہ امر صاحب پیشین گوئی کے صادق ہونے کی دلیل (نشانی) ہوا کرتی ہے۔ سرور انبیاء ﷺ کے ظاہری زمانہ اقدس میں بہت سے ایسے واقعات بھی رونما ہوئے کہ ان کے بارے میں بھی کلمہ ''آیت'' (نشانی) کا استعمال ہوا ہے

{قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ}

ترجمہ: بیشک تمہارے لئے ان دو گروہوں میں (قدرتِ الٰہی کی عظیم الشان) ایک نشانی ہے (جو میدانِ بدر میں) آپس میں مقابل ہوئیں، ایک جماعت نے ا کی راہ میں جنگ کی اور دوسری کافر تھی وہ انہیں (اپنی) آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے، اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے، جو اہل بصارت ہیں ان کے لئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔ (آل عمران۔ ۱۳)

There was a sign for you in the two groups who confronted each other: One group fighting in the way of Allah, and the other disbelieving, seeing themselves as twice their number, with open eyes. And Allah gives strength with His help to whom so ever He wills. Indeed, there is a lesson therein for those who have eyes.

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی۔ جن میں صرف چھ زرہ پوش تھے۔ سازوسامان کا یہ عالم تھا کہ ساری فوج میں دو گھوڑے، ستر اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ ان کے مقابلہ میں کفار کا لشکر 950 افراد پر مشتمل تھا جو ہر

قسم کے اسلحہ سے پوری طرح لیس تھا۔ سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ان کے پاس تھے۔ اور سامان رسد کا یہ حال تھا کہ روزانہ اونٹ ذبح کر رہے تھے۔ اتنی کثیر التعداد فوج کا اتنی قلیل اور غیر مسلح فوج سے شکست کھانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کھلی نشانی ہے۔ صحابہ کرامؓ کفار سے روبرو ہوئے تو اسوقت یہ کرامات بھی ظاہر ہوئیں کہ کفّار مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اسی لیے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوگیا تھا اور ان کا جذبہ کمزور ہوگیا تھا، جس نے کفار کی شکست میں اور مومنوں کی فتح میں مدد کی۔ ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کو ایسی مضبوط جماعت کے مقابلہ میں ان پیشن گوئیوں کے موافق جو مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے لیے کی گئی تھیں، اس طرح مظفر و منصور کرنا، اہل نظر کے لئے بہت بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔

سابقہ اقوام پر نازل عذاب کا اثر بطور نشانی

سابقہ اقوام پر نازل عذاب کا اثر بطور نشانی ان افراد و اقوام کے لیے ہوتا جو بعد میں پیدا ہوں۔ عذاب کی مختلف شکلیں و رنگ اور تنبہ دیتی ہیں کہ اگر انہوں نے بھی وہی وطیرہ اور رویہ اپنے انبیائے کرام اور مصلحین عظام کے ساتھ اختیار کیا تو انہیں بھی اسی طرح کا عذاب مل سکتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے سابقہ اقوام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کو بھی آیات (نشانیاں) سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کا استعمال بھی دو طرح کا ہے جس عذاب کا اثر زمین پر باقی رہ جاتا اس اثر کو قرآن پاک نے ''آیت (نشانی) قرار دیا ہے اور کبھی اس واقعہ کو جس کا اثر زمین پر باقی رہ گیا ہو یا اس

کے آثار صرف کتاب اللہ میں موجود ہوں تو ایسے واقعے کو بھی قرآن پاک نے "آیت" کہا ہے۔ جس طرح فرعون کے بارے میں قرآن پاک فرماتا ہے:

{فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ}

ترجمہ: (اسے فرعون) سو آج ہم تیرے بدن کو نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں (یونس۔ ۹۲)

So, today, We shall save your body, so that you may become a sign for those after you. And many of the people are heedless of Our signs

"یہ واقعہ اللہ کی نشانیوں میں سے تھا۔ فرعون اس سے عبرت حاصل کرتا کہ حضرت موسیٰ برحق ہیں اور اللہ ان کے ساتھ ہے۔ مگر اس نے سمند کے راستہ دینے کو عام واقعہ سمجھا۔ اپنے اور موسیٰ کے درمیان فرعون کو صرف دریا نظر آیا، حالانکہ وہاں اللہ ان کے ساتھ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس واقعہ میں فرعون کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کا پیغام تھا وہ اس کے لیے صرف سرکشی میں اضافہ کا سبب بن گیا۔ اس نے "دریا" کو دیکھا مگر "اللہ کے جلوے" کو نہیں۔ اس نے سمجھا کہ جس طرح موسیٰ اور ان کے ساتھیوں نے دریا کو پار کیا ہے اسی طرح وہ بھی دریا کو عبور کر سکتا ہے۔

اسی گمان میں وہ اور اس کا لشکر دریا میں داخل ہو گئے۔ دریا نے جو راستہ دیا تھا وہ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے لیے تھا،۔ چنانچہ فرعون اور اس کا

لشکر جب دریا کے درمیان پہنچے تو خدا کے حکم سے دونوں طرف کا پانی مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت اس میں غرق ہوگیا۔ غرق ہوتے ہوئے فرعون نے ایمان کا اقرار کیا مگر وہ بے فائدہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اختیاری ایمان معتبر ہے نہ کہ وہ ایمان جب کہ آدمی ایمان لانے پر مجبور ہوگیا ہو۔ خدا سے نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہلاکت ہے، اس کا نمونہ دور رسالت میں بار بار انسان کے سامنے آتا تھا۔ تاہم اس قسم کے کچھ نمونے خدا نے مستقل طور پر محفوظ کردیے ہیں تاکہ وہ بعد کے زمانہ میں بھی انسان کو سبق دیتے رہیں جبکہ نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہوگیا ہو۔ انھیں میں سے ایک تاریخی نمونہ فرعون موسیٰ (رعمیس ثانی) کا ہے۔ جس کی حنوط شدہ لاش ماہرین اثریات کو قدیم مصری شہر تھیبس (Thebes) میں ملی تھی اور اب وہ قاہرہ کے میوزیم میں نمائش کے لیے رکھی ہوئی ہے۔'' (تذکیر القرآن) (واللہ اعلم بالصواب)

فرعون جب غرق ہوگیا تو لوگ اس کی موت کا یقین نہیں کر رہے تھے۔ رب تعالیٰ نے سمندر کو حکم فرمایا کہ فرعون کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دو، جس کا مشاہدہ پھر بنی اسرائیل نے کیا۔ ،فرعون کا دریا میں غرق ہونا بنی اسرائیل کے لئے ا کی مدد تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرعون کے بدن کو دریا کے باہر پھینک دیا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے یہ بدن باقی رہے اور اس چیز کی نشاندہی کرائے کہ پروردگار اپنے دشمنوں کو کس طرح نیست و نابود کرتا ہے۔ {لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً} تاکہ تو ان کے لئے (آیۃ) نشان عبرت بنے جو تیرے بعد ہیں۔ کاش انسان گزشتہ نافرمانوں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے اور اس راہ پر نہ چلتے جن پر چل کر وہ بربادی و نامرادی کے

گڑھوں میں گر کر ہلاک ہو گئے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے' حالانکہ قدم قدم پر عبرت کی نشانیاں اپنی زبانِ حال سے انسانوں کو متنبہ کر رہی ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ہم فرعون کی لاش کو محفوظ رکھیں گے تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے وہ باعث عبرت ہو۔ اپنے آپ کو خدا کہلانے والے کی لاش کو دیکھ کر آنے والی نسلیں سبق حاصل کریں۔ چنانچہ اللہ کا فرمان سچ ثابت ہوا اور اس کا حنوط شدہ جسم 1898ء میں دریائے نیل کے قریب تبسیہ کے مقام پر شاہوں کی وادی سے اوریت نے دریافت کیا تھا۔ جہاں سے اس کو قاہرہ منتقل کر دیا گیا۔ محمد احمد عدوی ''دعوۃ الرسل الی اللہ'' میں لکھتے ہیں کہ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ موجود نہیں ہے جیسے کسی حیوان نے کھا لیا ہو، غالباً سمندری مچھلی نے اس پر منہ مارا تھا، پھر اس کی لاش اُلوہی فیصلے کے مطابق کنارے پر پھینک دی گئی تاکہ دنیا کے لیے عبرت ہو۔ ان تحقیقات سے حاصل ہونے والے نتائج نے ان مفروضوں کو تقویت بخشی جو فرعون کی لاش کے محفوظ رہنے کے متعلق قائم کیے گئے تھے۔ ان تحقیقات کے نتائج کے مطابق فرعون کی لاش زیادہ عرصہ پانی میں نہیں رہی تھی اگر فرعون کی لاش کچھ اور مدت تک پانی میں ڈوبی رہتی تو اس کی حالت خراب ہو سکتی تھی، حتیٰ کہ اگر پانی کے باہر بھی غیر حنوط شدہ حالت میں ایک لمبے عرصے تک پڑی رہتی تو پھر بھی یہ محفوظ نہ رہتی۔ علاوہ ازیں ان معلومات کے حصول کے لیے بھی کوششیں جاری رکھی گئیں کہ اس لاش کی موت کیا پانی میں ڈوبنے سے ہوئی یا کوئی اور وجوہات بھی تھیں؟ چنانچہ مزید تحقیقات کے لیے ممی کو پیرس لے جایا گیا اور

وہاں Legal Identification Laboratory کے مینیجر Ceccaldi اور Dr. Durigon نے مشاہدات کے بعد بتایا کہ : اس لاش کی فوری موت کا سبب وہ شدید چوٹ تھی جو اس کی کھوپڑی (دماغ) کے سامنے والے حصے کو پہنچی کیونکہ اس کی کھوپڑی کے محراب والے حصے میں کافی خلا موجود ہے۔ اور یہ تمام تحقیقات آسمانی کتابوں میں بیان کردہ فرعون کے (ڈوب کر مرنے کے) واقعہ کی تصدیق کرتی ہیں کہ جس میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کو دریا کی موجوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔''

سفینہ نوحؑ اہلِ بصیرت کے لیے نشانی

سفینہ نوحؑ اہل بصیرت کے لیے نشانی ہے آپؑ کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں۔
جیسا کہ قرآن حکیم نے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

{فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ}

ترجمہ: پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لئے نشانی (آیۃ) بنا دیا۔ (عنکبوت۔ ۱۵)

So We saved him and the people of the Ark, and made it a sign for all the worlds.

حضرت نوحؑ کی کشتی مدت دراز تک ''کوہِ جودی'' پر لگی رہی تا کہ دیکھنے والوں کے لیے عبرت (نشانی) ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے، جسے دیکھ کر سفینہ نوح کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لیے

عبرت (نشانی) بنا دیا۔

''یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اس عقوبت کو ایک نشان عبرت بنا کر چھوڑ دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زیادہ قابل ترجیح معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کو نشان عبرت بنا دیا گیا۔ ایک بلند و بالا پہاڑ پر اس کا موجود ہونا سینکڑوں ہزاروں برس تک لوگوں کو خدا کے غضب سے خبردار کرتا رہا اور انہیں یاد دلاتا رہا کہ اس سرزمین پر خدا کی نافرمانی کرنے والوں کا کیسا انجام ہوتا ہے اور اہل ایمان کی کس طرح نجات ہوئی۔ امام بخاری نے قتادہ سے یہ روایات نقل کی ہیں کہ مسلمانوں کی فتح عراق و الجزیرہ کے زمانے میں یہ کشتی جودی پر (اور ایک روایت کے مطابق ابقردیٰ نامی بستی کے قریب) موجود تھی اور ابتدائی دور کے اہل اسلام نے اس کو دیکھا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی ہوائی جہازوں سے پرواز کرتے ہوئے بعض لوگوں نے اس علاقے کی ایک چوٹی پر ایک کشتی نما چیز پڑی دیکھی ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

{وَلَقَدْ تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ}

ترجمہ: اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟ (القمر۔۱۵)

And We left it (the ship) as a sign. So, is there one to take lesson?

اسی طرح برہان اور دلیل کے لیے بھی لفظ آیت استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ}

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور

زمین کا پیدا کرنا۔ (روم۔ ۲۲)

سابقہ اقوام پر نازل ہونے والے عذاب بطور نشانی

اسی طرح سورۃ شعراء میں آٹھ مقامات پر گزشتہ قوموں پر نازل ہونے والے عذابوں کے واقعات نقل ہوئے ہیں اور ان سب کے ذیل میں قرآن پاک فرماتا ہے:

{إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ}

ترجمہ: بیشک اس میں نشانی ہے اوران میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے

Surely, in this there is a sign, but most of them are not believers,

یہ مقامات ان انتہائی پریشان کن عذابوں کے بارے میں ہیں جو گزشتہ قوموں پر نازل ہوئے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام مقامات پر لفظ ''آیت'' (نشانی) کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات قرآن نے ایک غیر معمولی واقعہ کو بنیاد بنا کر اسے ایک آیت قرار دیا ہے اور کبھی قرآن کریم میں لفظ ''آیت'' کا معجزات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اب اگر لفظ ''آیت'' کئی معانی میں مشترک بھی ہو تو بھی لفظ آیت کے محل استعمال میں سے ایک اس کا خاص طور سے معجزات کے معنی میں استعمال ہونا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن میں ''معجزہ'' کا لفظ نہیں آیا ہے، معجزہ (نشانی) کی جگہ خاص طور پر لفظ آیت (نشانی) کا استعمال ہوا ہے۔ آخر میں تفہیم القرآن سے اقتباس پیش خدمت ہے۔

'' یعنی جستجوئے حق کے لیے کسی کو نشانی کی ضرورت ہو تو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ، آنکھیں کھول کر ذرا اس زمین ہی کی روئیدگی کو دیکھ لے ، اسے معلوم ہو جائے گا کہ نظام کائنات کی جو حقیقت (توحید الہٰ) انبیاء علیہم السلام پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہے ، یا وہ نظریات صحیح ہیں جو مشرکین یا منکرین خدا بیان کرتے ہیں۔ زمین سے اگنے والی بے شمار انواع و اقسام کی چیزیں جس کثرت سے اگ رہی ہیں ، جن مادوں اور قوتوں کی بدولت اگ رہی ہیں ، جن قوانین کے تحت اگ رہی ہیں ، پھر ان کی خواص اور صفات میں اور بے شمار مخلوقات کی ان گنت ضرورتوں میں جو صریح مناسبت پائی جاتی ہے ، ان ساری چیزوں کو دیکھ کر صرف ایک احمق ہی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی حکیم کی حکمت ، کسی علیم کے علم ، کسی قادر و توانا کی قدرت اور کسی خالق کے منصوبہ تخلیق کے بغیر بس یونہی آپ سے آپ ہو رہا ہے۔ یا اس سارے منصوبے کو بنانے اور چلانے والا کوئی ایک خد نہیں ہے بلکہ بہت سے خداؤں کی تدبیر نے زمین ' آفتاب و ماہتاب اور ہوا اور پانی کے درمیان یہ ہم آہنگی ، اور ان وسائل سے پیدا ہونے والی نباتات اور بے حد و حساب مختلف النوع جانداروں کی حاجات کے درمیان یہ مناسبت پیدا کر رکھی ہے۔ ایک ذی عقل انسان تو ، اگر وہ کسی ہٹ دھرمی اور پیشگی تعصب میں بتلا نہیں ہے ، اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا کہ یقیناً یہ خدا کے ہونے اور ایک ہی خدا کے ہونے کی کھلی کھلی علامات ہیں۔ ان نشانیوں کے ہوتے اور کس معجزے کی ضرورت ہے جسے دیکھے بغیر آدمی کو توحید کی صداقت کا یقین نہ آسکتا ہو (تفہیم القرآن)

باب: ۴

قرآن کریم کی فکری دعوت اور مظاہرِ قدرت

قرآن پاک میں قدرت کی نشانیوں کے متعلق بہت سی آیات موجود ہیں۔ ان آیات میں انسان کو دعوت فکر دی گئی ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے غور فکر کے لیے بہت سی نشانیاں پیدا فرمائی ہیں۔ خالق کائنات نے انسان سے جن معنوی حقیقتوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے، ان سب کی مادی مثالیں اس نے کائنات میں ہر طرف پھیلادی ہیں، تاکہ انسان کے لیے ان حقیقتوں کو سمجھنا آسان ہوجائے۔ اس لیے کہ وہ دکھائی دینے والی اشیاء کے آئینہ میں نہ دکھائی دینے والی اشیاء کو دیکھ سکے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی وحدانیت اور اسکی قدرت و عظمت پر شاہد ہے۔ لیکن قدرت کی بعض نشانیاں اتنی زیادہ اور روشن ہیں جن کا مشاہدہ انسان دن رات کرتا ہے۔ انسان نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں وہ برابر ان آیات ربانی کا مشاہدہ کررہا ہے۔ زمین میں

پھیلی ہوئی نشانیوں سے مراد عالم جمادات' عالم نباتات' عالم حیوانات' سے متعلق اشیاء اور عالم انفس اور اس کے حیاتی' نفسیاتی' احوال و کوائف ہیں۔ انسان جب ان نشانیوں میں غور فکر کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ سب ایک مربوط منظم نظام سے چل رہے ہیں ان کے اندر حیرت انگیز وحدت کا وجود پایا جاتا ہے ان میں کسی قسم کی بد نظمی نہیں پائی جاتی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نظام کائنات کسی عظیم الشان ہستی کے حکم سے چل رہا ہے ورنہ ان تمام مظاہر فطرت میں نظم و ضبط نہ ممکن تھا۔

قرآن پاک نے سائنسی تحقیق کے لیے جس ذہنی رویے اور سائنٹیفک اسپرٹ کی ضرورت تھی اس کو فروغ دینے کے لیے حیات و کائنات کی ہر ہر چیز پر غور و فکر اور تدبر و تفکر کی تلقین کی۔ محمد احمد العمری کے مطابق قرآن حکیم کی کل چھے ہزار چھے سو چھیاسٹھ آیات میں سے سات سو چھپن آیات ایسی ہیں، جو براہ راست مظاہر فطرت پر غور فکر کی دعوت دیتی ہیں جب کہ دیگر مسائل اور عبادات و معاملات وغیرہ پر مبنی آیات کی کل تعداد صرف ڈیڑھ سو ہے۔ جن پر فکر و تدبر کے نتیجے میں مسلم مفکرین کے اندر ذوق و شوق اور مضبوط جذبے کے ساتھ عجز و انکسار کا سائنسی رویہ پیدا ہوا۔

سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی ہستی کا تعارف ہیں۔ پرندے اور جانور اللہ تعالیٰ کی خدائی کا ثبوت ہیں۔ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا اعلان ہیں۔ پانی اور ہوا رب العزت کی رحمت و شفقت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ درخت اور بلند پہاڑ اللہ تعالیٰ کے لامحدود حسن کی طرف واضح اشارہ کر رہے ہیں۔ اگر حضرت انسان دنیا میں اپنے دماغ کی کھڑکیاں کھول کر رہے اور غور فکر کر کے ان اشیاء

کودیکھے تو تمام کائنات اسے اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آئے ، اسے ہر چیز میں اللہ کے نور کے جلوے نظر آئیں گے ، ہر چیز میں وہ اللہ کی حکمت کو تلاش کرے گا کائنات جسے وہ پہلے ناقابل تسخیر سمجھتا تھا انسان کے لیے قابل تسخیر ہو جائے گی۔ زمین و آسمان اب اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی جلوہ گاہ بن جائیں گے جہاں وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) { قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ }

ترجمہ: آپ ﷺ فرما دیجیے :تم لوگ دیکھو تو (سہی) آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات) میں مظاہر فطرت کی کیا کیا نشانیاں ہیں اور (یہ) نشانیاں اور (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والے (پیغمبر) ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے۔ (یونس۔ ۱۰۱)

Say, :Look at what is there in the heavens and the earth. But, signs and warnings do not suffice a people who do not believe.

قرآن انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اس کی قدرتوں اور اس کی پیدا کردہ نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے۔ آسمان و زمین اور ان کے اندر کی نشانیاں بیشمار ہیں۔ ستارے سورج، چاند رات دن اور ان کا آنا جانا کبھی دن کی کمی ، کبھی راتوں کا چھوٹا ہو جانا، آسمانوں کی بلندی ان کی چوڑائی ان کا حسن و زینت اس سے بارش برسانا اس بارش سے زمین کا ہرا بھرا ہو جانا اس میں طرح طرح کے پھل پھول کا پیدا ہونا، اناج اور کھیتی کا اگنا، مختلف قسم کے

جانوروں کا اس میں پھیلا ہوا ہونا، جن کی شکلیں جداگانہ، جن کے فوائد الگ الگ جن کے رنگ الگ الگ، دریاؤں میں عجائبات کا پایا جانا، ان میں ہزارہا قسم کی مخلوق کا ہونا، ان میں چھوٹی بڑی کشتیوں کا چلنا، یہ اس رب قدیر کی قدرتوں کے نشان کیا تمہاری رہبری، اس کی توحید اس کی جلالت اس کی عظمت اس کی یگانگت اس کی وحدت اس کی عبادت، اس کی اطاعت، اس کی ملکیت کی طرف تمہاری رہنمائی نہیں کرتیں؟ یقین مانو اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں، اور نہ ہی اس کے سوا کوئی لائق عبادت ہے۔ درحقیقت بے ایمانوں کے لیے اس سے زیادہ نشانیاں بھی بے سود ہیں۔ آسمان انکے سر پر اور زمین انکے قدموں میں رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ انکے سامنے ہے دلیل ان کے آگے ہے، لیکن یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے ان پر کلمہ عذاب صادق آچکا ہے۔ یہ تو عذاب کے آجانے سے پہلے مومن نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے اور انہی پر کٹھن دنوں کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے کے لوگوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گزر چکے ہیں۔

قرآن حکیم نے اپنے قارئین کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ اور پہلوں کے ساتھ ساتھ فطرت کے مظاہر کو اپنی توجہ کا خصوصی طور پر نشانہ بنائیں کہ یہ آسمان و زمین' یہ پہاڑ اور جنگل' یہ سمندر' یہ ہوائیں جس قادر مطلق اور صانع قدرت عظیمہ کا شاہکار ہیں وہ ہستی خود کتنی رفیع المرتب ہوگی۔ مظاہر فطرت پر انسان جتنا زیادہ غور و فکر کرے گا اسے رب کائنات کے وجود اور توحید پر اتنا زیادہ یقین آتا جائے گا۔ جب دنیا کی ادنی چیز بغیر کسی صانع کے وجود میں نہیں آسکتی تو اتنا بڑا کارخانہ قدرت کس طرح اپنے آپ پیدا ہو سکتا ہے۔

آسمان و زمین معجزات اور نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں

آسمان و زمین معجزات اور نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں ان کو دیکھیں یہ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔ ان سے نفع انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کے اندر ان سے نفع اٹھانے کا ارادہ ہو۔ جو لوگ ایمان نہیں لانا چاہتے ان کو کوئی نشانی بھی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ ان کے لیے سب نشانات و دلائل بیکار ہیں اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کی تنبیہ بھی غیر موثر ہے۔ رب تعالی اپنے حبیب ﷺ کے توسط سے فرما رہے ہیں کہ انھیں فرمائیے کہ صحیفہ کائنات کو ذرا غور سے دیکھیں، انہیں ہر قدم پر میری ربوبیت کے آفاقی دلائل نظر آئیں گے۔ ساری کائنات میں انہیں ہدایت کے چراغ جگمگاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اگر یہ آنکھیں بند رکھنے پر ہی بضد ہیں تو ان کی اپنی قسمت۔ جیسے کوئی عین دوپہر کے وقت اندھوں کی طرح گھپ اندھیروں میں گھرا ہو۔ ان آیات مبارکہ اور شواہد سے فقط وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں تلاش حق کا جذبہ ہو، جو حق کو حق سمجھنے کے باوجود منہ موڑے ہوئے ہوں ان کے لیے نہ کوئی معجزہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ڈر سنانے والا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے روک سکتا ہے۔ آسمان و زمین معجزات اور نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دیدہ بیناء کے لیے کائنات کے ہر نقش میں توحید باری تعالی کے دلائل ہیں۔ ایسی محیر العقول کاریگریاں اس امر واضح ثبوت ہیں کہ ان موجد و صانع زبردست قوت تخلیق کا مالک ہے۔

(۲) آسمان اور زمین میں اہل فکر کیلئے نشانیاں

(۱) {وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ}

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں (یوسف۔۱۰۵)

How many a sign there are in the heavens and the Earth, which they pass by and they are heedless to them.

(۲) {إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ}

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ (الجاثیہ۔۳)

Surely in the heavens and the earth, there are signs for those who have faith.

اس آیت کریمہ میں انسان کو جس حقیقت کے تسلیم کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے اس کی سچائی کے نشانات سے سارا عالم پر ہے۔ انسان اگر بصیرت کی نظر سے دیکھے تو کائنات کے اندر ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو یہ شہادت دے رہی ہیں کہ یہ ساری کائنات ایک خالق اور ایک ہی مالک کی تخلیق ہے اور وہی اکیلا اس کا مالک، حاکم اور مدبر ہے۔ اس بات کی وضاحت ضروری نہ تھی کہ آسمان و زمین میں نشانیاں کیا ہیں؟۔ کیونکہ سارا جھگڑا ہی اس وقت اس بات پر چل رہا تھا کہ مشرکین رب تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی ماننے پر اصرار کر رہے تھے، اور قرآن پاک کی

دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کے سوا نہ کوئی خدا ہے نہ معبود۔ لہٰذا یہ بات خود بخود موقع و محل سے ظاہر ہو رہی تھی کہ نشانیوں سے مراد توحید کی صداقت اور شرک کے بطلان کی نشانیاں ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ہوش مند انسان کی نگاہ میں درختوں کے سبز پتے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دفتر ہیں۔

قرآن انسان کی فطرت سے اپیل کرتا ہے

قرآن انسانوں کی فطرت سے اپیل کرتا ہے' فہم و فراست کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگاتا ہے اور مختلف انداز سے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں سے غفلت کے ساتھ نہ گزرو بلکہ کائنات کی تخلیق اور اسکے حیرت انگیز نظام پر غور و فکر کرو تو ضرور تم اس حقیقت کو پا لو گے کہ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ ہی ہے۔ اور اس کو نظم و ضبط سے چلانے میں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح قدرت کی بہت سی نشانیاں، وحدانیت کی بہت سے گواہیاں، دن رات تمہارے سامنے ہیں، پھر بھی اکثر لوگ نہایت بے پرواہی سے ان میں کبھی غور و فکر نہیں کرتے۔ کیا یہ اتنا وسیع آسمان، اس قدر پھیلی ہوئی زمین، یہ روشن ستارے، یہ گردش والے سورج، چاند، یہ درخت اور یہ پہاڑ، یہ کھیتیاں اور سبزیاں، یہ تلاطم برپا کرنے والے سمندر، یہ تیز چلنے والی ہوائیں، یہ مختلف قسم کے رنگا رنگ میوے، یہ الگ الگ غلے اور قدرت

کی بیشمار نشانیاں ایک عقل مند میں اتنی فہم پیدا نہیں کر سکتی کہ وہ ان سے اپنے اللہ کی جو احد، صمد، فرد، لاشریک، قادر و قیوم، باقی اور کافی ہے اس ذات کو پہچان لیں اور اس کے ناموں اور صفتوں کے قائل ہو جائیں؟

مشہور امریکی سائنس دان تھامس ایڈیسن جو ایک ہزار سے زیادہ ایجادات کا موجد تھا، ایک دن کہنے لگا لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں کہ تم بہت بڑے موجد ہو۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ میں قطعاً ایسا موجد نہیں جو قابل ذکر ہو۔ جب میں سوچتا ہوں کہ میں ایک زیرک انسان تو کجا ایک بیوقوف آدمی بنانے پر بھی قادر نہیں جو احمقوں کی سی باتیں کر سکے، اس کے باوجود مجھے موجد کہنا بڑی ناانصافی ہے۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ' That is the Real Inventor ' حقیقی موجد اس کی ذات ہے۔

(ریڈرز ڈائجسٹ اگست ۱۹۷۳ء)

{وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ}

ترجمہ: اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اِس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔ (الجاثیہ۔ ۱۳)

He has subjugated for you whatever there is in the heavens and whatever there is in the earth, all on His own. Surely in this there are signs for a people who reflect.

ان آیات بینات کے آئینوں میں حسن حقیقی کا خوبصورت عکس وہی دیکھ

سکتے ہیں جو غور و فکر کرنے کا مزاج رکھتے ہوں، لیکن جو انسان غور و فکر کی کٹھن وادیوں میں قدم رنجہ فرمانے کی کبھی زحمت نہیں کرتے، وہ ان نورانی جلووں کی رعنائیوں کی کیا خبر پا سکتے ہیں۔ تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ جو قوم حامل قرآن ہے وہ جمود کی آغوش میں اونگھ رہی ہے۔ اس کی اونگھ پر صدیاں بیت چکی ہیں اور ابھی تک وہ جاگنے کا نام نہیں لیتی۔ شاعر مشرقؒ نے شاید اسی لئے فرمایا تھا۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اسی طرح اگر ان آیات کو سن کر لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔ قدرت کی ایسی حیرت انگیز نشانیاں دیکھ کر اللہ تعالی کی توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا محض سرسری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب دھیان نہیں تو ایمان کہاں سے ہو؟ ان آیات و بینات اور نشانات قدرت کا حقیقی مقصد انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رغبت دلانا ہے تاکہ وہ گمراہی سے بچ سکے۔

(۳) کائنات کے ذرہ ذرہ میں مظاہر قدرت اور دعوت فکر

﴿اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ

لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

ترجمہ: کیا انہوں نے اپنے دل میں غور کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے قائل ہی نہیں اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں (سیر) چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِنہیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ اِن سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، اُنھوں نے زمین کو خوب (زراعت کے لیے) ادھیڑا تھا اور اُسے اتنا آباد کیا تھا جتنا وہ کر سکتے تھے اُن کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ (الروم۔ ۹)

انسان کی توجہ آفاق کے دلائل کی طرف دلائی گئی کہ اگر وہ اپنے اندر غور و فکر کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کسی چیز کو بھی بے مقصد، محض کھیل تماشے کے طور پر، نہیں بنایا ہے بلکہ ہر چیز کو مقصد کے تحت اور ایک مقررہ مدت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اسی لیے کائنات کی ہر چیز اپنے اندر ایک

حکمت رکھتی ہے اور اس کی مدت بھی مقرر ہے تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ انسان جو اس کے اندر واضح طور پر ایک برتر مخلوق کی حیثیت رکھتا ہے، بالکل بے مقصد اور عبث پیدا کیا گیا ہو۔ اس واضح حقیقت کے باوجود بہت سے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف کھانے پینے اور عیش کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرح ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ ان کے لیے مستقبل میں کوئی ایسا دن نہیں آئے گا جب وہ اللہ تعالی کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینے کے لیے پیش ہوں گے۔ دنیا میں ہر چیز کا ایک مقرر ضابطہ ہے۔ یہی اصول انسانوں کے معاملے میں بھی ہے۔ انسان کو ایک مقرر ضابطہ کے تحت موجودہ دنیا میں کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ اور یہی مقررہ ضابطہ ہے جس کے تحت اسے عمل کے مقام سے ہٹا کر انجام کے مقام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت جو موجودہ کائنات میں ظاہر ہوئی ہے وہ یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ یہ معاملہ عین اپنے وقت پر بلا تاخیر پیش آئے گا۔ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں ہر انسان کو پوری آزادی حاصل ہے۔ اس لیے دنیا میں یہ ممکن ہے کہ انسان جھوٹی نشست پر بیٹھ کر اپنے آپ کو نمایاں کرے۔ وہ جھوٹ کی زمین پر بڑی عزت والا اور مرتبہ والا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ مگر روز آخرت کسی کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا۔ آخرت میں عزت اور کامرانی صرف ان لوگوں کو ملے گی جو مقعد صدق (سچی نشست) پر بیٹھنے والے ہوں گے۔ جنہوں نے اس دنیا میں اپنے آپ کو سچ کی زمین پر کھڑا کیا ہوگا۔ آخرت میں اللہ کی قدرت کامل کا ظہور اس بات کی ضمانت بن جائے گا کہ وہاں مقعد صدق کے سوا کسی اور مقعد پر بیٹھنا کسی کے کچھ کام نہ آسکے۔

غوروفکر کی صلاحیت ہر انسان میں ایک جیسی نہیں

غوروفکر کرنے کی صلاحیت ہر انسان میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اور جن کو یہ صلاحیت عطا ہوتی ہے بہت کم اس سے استفادہ کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ لیکن گزشتہ اقوام کے اجڑے ہوئے محلات اور قلعوں کے کھنڈرات ہر خطہ میں بکثرت ہیں اور ہر ذی شعور آنکھ ان کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یہ اجڑی ہوئی بستیاں ، ویران محلات اور شکستہ قلعے ان سے دریافت کرو کہ تمہارے معمار اور تمہاری زمین و آراستگی پر پانی کی طرح روپیہ بہانے والے تمہیں یوں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہیں؟ تمہارے شبستانوں کے چراغ کیوں روشن نہیں، تمہارے حسین گلستانوں کے پھول کیوں نہیں کھلتے، حالانکہ یہاں تو حیات اپنی ساری زیبائشوں کے ساتھ محو رقص ہوا کرتی تھی۔ آج یہاں خاک کیوں اڑ رہی ہے؟ ان کا جواب یہ ہوگا کہ ہمارے معمار اپنے خالق کی یاد سے غافل ہو گئے تھے۔ گناہ اور بدی کے راستے پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔ وہ کمزوروں پر ظلم کرتے حقداروں کا حق غصب کر کے اپنی عیش و نشاط کی محفلیں سجاتے تھے۔ اپنے پروردگار کے منکر ہو گئے تھے اور روز قیامت پر ان کا ایمان نہ رہا تھا۔ مکافات عمل کے قدرتی قانون سے غافل ہو کر انہوں نے ظلم اور عصیان کی حد کر دی۔ ان کے اپنے گناہ ان کا فسق و فجور اور ان کے کرتوت عذاب کی بجلی بن کر گرے ان کا سامان تعیش برباد ہو کر رہ گیا، ان کا جاہ و جلال افسانہ بن کر رہ گیا۔ اب شکستہ دیواریں اور اجڑی ہوئی روشیں صرف تباہی و بربادی کے قصے سنانے کے لیے موجود ہیں۔ اپنی زبان حال سے یہ بیان

کررہی ہیں کہ اے انسان اپنی قوت وطاقت، اپنی صحت وجوانی' اپنے وسائل کی کثرت اور مال کی فراوانی پر غرور مت کرو، اپنے مالک حقیقی کے منکر نہ بنو۔

عرب ''اثاروا الارض'' سے یہ مراد لیتے ہیں کہ زمین کی سطح کو ایسے الٹ پلٹ کرنا کہ اس سے پانی' یا معدنیات نکل سکیں اور زمین میں کھیتی باڑی کے لیے بیج ڈالا جاسکے۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ برباد شدہ اقوام کے کھنڈرات درس عبرت دے رہے ہیں وہ قومیں قوت وطاقت' زرعی مہارت اور صنعتی قابلیت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ پہاڑوں کے جگر چیر کر معدنیات کے چھپے ہوئے خزانے' زمین کھود کر کنوئیں بنانا، نہریں نکالنا، بند باندھنا اور بنجر زمینوں میں ہل چلاکر انہیں قابل زراعت بنانا یہ سب ان کی عقلمندی کے کارنامے تھے۔

تخلیق کائنات کے ذکر میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بہت عمدہ لکھا ہے، کہ: ''موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرہ ارضی کی ابتدائی نشوونما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں، یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و بسط کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لیے گئے ہوں لیکن پھر بھی نظریے ہیں۔ اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے لیکن کل کیا کریں گے۔ اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہوگئے۔ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب" سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے

علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے۔ اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے۔ خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔ (ترجمان القرآن)

غور و فکر کی صلاحیت ہر انسان میں ایک جیسی نہیں۔ یہ تنوع ' ورارئٹی 'الوان و السنہ کا اختلاف ان کے اندر خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا عکس جھلکتا ہے۔ پھر ظاہری اعضاء و جوارح میں یکسانیت کے باوجود انسانوں کی فکر و تدبر کے پیمانے اور سانچے مختلف واقع ہوئے ہیں۔ کوئی دانا ہے کوئی احمق کسی شخص میں ایک اعلی شاعر کی خوبیاں ودیعت کر دی ہیں تو کسی کو سائنس اور طبعی علوم سے مناسبت عطا فرما دی ہے کوئی روحانی علوم میں بلند پایہ رکھتا ہے تو کسی کو مذہبی افکار و دینی حقائق کا ترجمان اور شارع بنا دیا ہے۔

(۴) جانوروں کے منافع قدرت کی نشانی ہے

(۱) ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے چارپایوں میں عبرت (اور نشانی) ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو۔ (المومنون۔ ۲۲)

And indeed, for you in livestock is a lesson. We give you drink from that which is in their bellies, and for you in

them are numerous benefits, and from them you eat.And upon them and on ships you are carried.

(۲) {وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ}

ترجمہ: اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (و غور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے، اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ (النحل۔۶۶)

Surely there is a lesson for you in the cattle. We provide you, out of what lies in their bellies between feces and blood, the (drink of) milk, pure and pleasant for those who drink.

جانوراونٹ گائے، بھینس وغیرہ جو گھاس کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں تین چیزوں کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے ان جانورں کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کر کے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر جسم میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات و بقا کا سبب بنتا ہے۔ اور اسی غذا سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے۔ ان دو گندی چیزوں کے درمیان دودھ تیار کرتی ہے جو نہایت پاکیزہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ جس میں کسی چیز کی آمیزش کا شائبہ نہیں ہوتا باوجود اس کے جانور کے جسم میں خوراک کا ایک ہی مقام ہے جہاں چارہ گھاس، بھوسہ وغیرہ پہنچتا ہے اور دودھ، خون، گوبر سب اسی غذا سے پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتا، دودھ میں نہ خون کی رنگت کا شائبہ ہوتا ہے نہ گوبر کی بو کا۔ اس سے قدرت کی عجیب

کاری گری ظاہر ہے۔ پھر خاص طور پر مویشیوں میں دودھ کی پیداوار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ انسان کے لیے بھی یہ بہترین غذا کثیر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مذکور ہوئیں ان میں جو درس عبرت ہے وہ تو ہے ہی۔ اگر تم غور کرو تو تمہارے لیے تمہارے چوپایوں کے اندر بھی بڑا سبق موجود ہے۔

(۳) {وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُونَ}

جانوروں کے دوسرے فوائد و منافع کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ ان کا دودھ ہی نہیں بلکہ ان کی ایک ایک چیز تمہارے لیے نفع رساں ہے۔ یہ تمہاری سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں، تمہاری کاشت کاری میں یہ مدگار ہیں، ان کا گوشت، چمڑا اور ان کی اون ہر چیز تمہارے لیے کار آمد ہے۔ یہاں تک کہ ان کا گوبر بھی تمہارے کھیتوں کے لیے کھاد کا کام دیتا ہے اور یہ تمہارے لیے غذائی ذخیرہ کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ تم ان کا تر و تازہ گوشت بھی کھاتے ہو اور ان کا گوشت خشک کر کے اپنی سفری ضروریات کے لیے بھی محفوظ کر لیتے ہو اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جن کی اصلی اہمیت ان کے غذائی پہلو ہی سے ہے۔

اس آیت مبارکہ میں کُفّار کے شبہے کا جواب بھی ہے کہ جب انسان مر جائے گا اور جسم کے اجزا منتشر ہو جائیں گے اور خاک میں مل جائیں گے، وہ اجزاء کس طرح جمع کیے جائیں گے اور خاک کے ذروں سے ان کو کس طرح الگ کیا جائے گا؟ آیتِ کریمہ میں غور کرنے سے وہ شبہ بالکل ختم ہو جاتا ہے کہ قدرتِ کی یہ شان تو روزانہ دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ خوراک کے مخلوط اجزاء

میں سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس میں دوسری چیزوں کی آمیزش کا شائبہ بھی نہیں آتا۔ خالق و مالک سے کیا بعید کہ انسانی جسم کے اجزاء کو منتشر ہونے کے بعد پھر جمع فرما دے۔

حضرت شفیق بلخیؒ کا قول ہے کہ نعمت کا اتمام یہی ہے کہ دودھ صاف خالص آئے اور اس میں خون اور گوبر کے رنگ و بُو کا نام و نشان نہ ہو' ورنہ نعمت تام نہ ہوگی اور طبعِ سلیم اس کو قبول نہ کرے گی جیسی صاف نعمت پروردگار کی طرف سے پہنچتی ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ بھی پروردگار کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کرے اور اس کے اعمال ریا اور خواہشاتِ نفس کی آمیزشوں سے پاک و صاف ہوں، تاکہ شرف قبولیت سے مشرف ہوں۔

اسی طرح بکثرت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی بھلائی کے لیے کام کر رہی ہیں اور انسان کو خبر تک نہیں ہے کہ کہاں کہاں کتنے خُدّام اُس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور کیا خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد عزوجل ہے۔

(۴) ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: اللہ نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور) جب صبح کو (جنگل) چرانے لیجاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر ان

شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم جان کو تکلیف میں ڈالنے کے سوا نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک تمہارا رب شفقت کرنے والا مہربان ہے اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور (وہ تمہارے لیے) رونق وزینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں۔ (النحل۔۸)

''دِفْءٌ''

لغت عرب میں جانورں کے بال اور اون وغیرہ کو ''دفء'' کہتے ہیں اُون سے بنے ہوئے لباس سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ان آیات مبارکہ میں مخاطب کے گردو پیش کی چیزوں اور ان کے بے شمار فوائد و منافع کا حوالہ دے کر اسے متوجہ کیا گیا ہے کہ ان چیزوں میں ایک ایک شئے اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ اس کائنات کا خالق نہایت ہی کریم و حکیم اور نہایت ہی مہربان و رحیم ہے۔ مشرکین کو یہ باور کرایا جارہا ہے یہ تمام نعمتیں تو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوئی ہیں لیکن تم عبادت غیروں کی کرتے ہو اور جس پروردگار کی یہ عظمت دیکھتے ہو اس کے متعلق یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ اس نے بس تمہیں ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے چھوڑ رکھا ہے، نہ ان نعمتوں کے جواب میں اس کا تم پر کوئی حق قائم ہوتا ہے اور نہ تمہیں اس کے آگے کبھی کوئی جواب دہی کرنی ہے۔

جمال

لغوی اعتبار سے جمال کے معنی یہاں شان و شوکت اور دولت و عظمت کے ہیں اہل 'عرب کے ہاں عزت و شوکت کا اندازہ جانوروں کی تعداد اور معیار سے کیا جاتا تھا کسی شخص کی ثروت و عظمت کا اندازہ اس کے جانوروں کی کثرت ہی سے لگایا جاتا تھا۔ اگر کسی کا جانوروں کا گلہ بہت بڑا ہوتا تو وہ آدمی بھی بہت بڑا شمار کیا جاتا اور اگر چھوٹا ہوتا تو آدمی چھوٹا سمجھا جاتا تھا۔ یہ اشارہ اونٹوں کی طرف بھی ہے جن کے ذریعے عرب باربرداری اور سفر کیا کرتے تھے۔ اونٹ طویل سے طویل اور پر مشقت سفر کے لیے، خاص طور پر صحرائی اور گرم ملکوں میں، خدائی سفینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وصف میں اونٹ کا مقابلہ کوئی دوسرا جانور نہیں کر سکتا۔ میدانی علاقے ہوں یا ریت کے ٹیلے 'پہاڑوں کی بلندیاں ہوں یا وادیوں کا نشیب' راستے ہموار ہوں یا گڑھے ہوں، یہ جانور بھاری سامان کو اپنی پشتوں پر لاد کر کس طرح خاموشی سے چلے جاتے ہیں۔ اے انسان ذرا غور و فکر تو کر اگر یہی سامان تمہیں خود اٹھانا پڑے تو تمہیں کتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

{إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ}

ان الفاظ میں وہ حقیقی سبق ہے جو ان انعامات سے مستفید ہونے والے انسان کو حاصل ہونا چاہیے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ ان نعمتوں کا عطا کرنے والا نہایت ہی مہربان اور رحیم و کریم ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ منعم حقیقی کو پہچانے، اس کا شکر گزار بندہ بنے، ہر وقت اس کی بندگی واطاعت میں سرگرم

رہے، پروردگار کے حقوق میں دوسروں کو شریک نہ کرے اور اس کے مقابل میں حریف بن کر کھڑا نہ ہو۔ لیکن انسان کی یہ عجیب کمزوری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پاکر اس کا شکر گزار بندہ بننے کی بجائے احساس برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اونٹ کے بعد دوسرے جانوروں کی طرف اشارہ فرمایا جو سواری کے کام بھی آتے اور سرداری کے لوازم میں سے ہونے کے باعث شان و شوکت کا بھی ذریعہ تھے نیز فرمایا کہ معاملہ صرف انہیں جانوروں تک محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بے شمار ایسی مخلوقات بھی پیدا کرتا رہتا ہے، جن کو تم جانتے بھی نہیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ تم یا تمہارے سوا دوسرے لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

{وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ}

اس آیت مبارکہ میں قیامت تک ایجاد ہونے والی تمام سواریوں کی خبر دے دی گئی ہے اور یہ اشارہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے اور اس کی نشانیاں ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں گی۔ یہ سلسلہ کسی زمانے میں بند نہیں ہوگا نیز انسان جتنا زیادہ غور و فکر کرے گا شک کی دلدل سے نجات پائے گا۔ اس کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

(۵) {وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ}

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا اس

نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے مکان پیدا کیے
جنہیں تم سفر اور قیام، دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو اُس نے
جانوروں کے صوف اور اون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور
برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدت مقررہ تک
تمہارے کام آتی ہیں (النحل۔ ۸۰)

ان چیزوں سے انسان کے لیے کتنے سامان رہائش و آسائش تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدت دراز تک کام دیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والا دل و دماغ نہ دیتا تو کیا یہ سامان میسر آسکتے تھے۔

(۵) عالم حیوانات میں قدرت کی نشانیاں
(Signs Of Nature In The World Of Animals)

تخلیق کے لحاظ سے کائنات میں چار بڑی ذی شعور زندگی کی اقسام کی موجودگی و ماہیت پر کلام الٰہی میں اشارات پائے جاتے ہیں۔ ان میں ملائکہ، جنات، انسان اور دابہ (خلائی مخلوقات) ان کے علاوہ اور مخلوقات کے نام بھی آئے ہیں مثلاً روح، نفس، حور، مقصورات، غلماں وغیرہ۔ لیکن ان کا تعلق مابعد الموت کی دنیا سے ہے اسی لیے ان کی ماہیت و کیفیت پر بحث انسانی ذہن کی دسترس سے باہر ہے۔ دنیائے حیوانات 'نباتات کی دنیا سے زیادہ عجیب و غریب ہے جدید تحقیق کی روشنی میں اس وقت روئے زمین پر حیوانات کی تقریباً آٹھ لاکھ اقسام موجود ہیں ان سب کی شکل و صورت 'رنگ و روپ'

چال ڈھال مختلف ہیں۔ایک کی دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ اگر انسان غور کرے تو اس امر میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ انسان چوپایوں سے جو گوناگوں فوائد حاصل کر رہا ہے یہ اس کو محض اتفاقی واقعہ کے طور پر نہیں حاصل ہو رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہی فوائد کے لیے ان چیزوں کو وجود بخشا اور ہر اعتبار سے ان کو ان کے فوائد کے لیے موزوں بنایا ہے۔ انسان کو سواری اور باربرداری کا محتاج بنایا تو سواری اور باربرداری کے لیے نہایت موزوں جانور پیدا کیے، اس کو دودھ اور گوشت اور کھال اور اون کا ضرورت مند بنایا تو ان تمام ضروریات کے لیے الگ الگ نہایت مناسب چوپائے عطا کیے۔ یہ چیز اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کائنات کا خالق نہایت مہربان ہے اور اس کی شکرگزاری واجب ہے۔ پھر اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ جب اس نے انسان کو اس اہتمام کے ساتھ اپنی نعمتوں سے نوازا ہے تو لازم ہے کہ ایک ایسا دن بھی آئے جس دن وہ ان نعمتوں کے متعلق لوگوں سے سوال کرے، جنھوں نے ان کا حق پہچانا ہو ان کو انعام دے اور جو ان کو پا کر پروردگار کو بھول بیٹھے ہوں ان کو اس کفران نعمت کی سزا دے۔

اب جن انسانوں کے دل کے دروازے یقین کے لیے کھلے ہوئے ہیں وہ اپنی پیدائش پر، اور اپنے وجود کی ساخت پر، اور زمین میں پھیلے ہوئے انواع و اقسام کے حیوانات پر غور کی نگاہ ڈالیں گے تو انہیں بے شمار نشانیاں ایسی نظر آئیں گی جنہیں دیکھ کر شبہ کرنے کی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہ رہے گی کہ شاید یہ سب کچھ کسی خالق کے بغیر بن گیا ہو، دنیائے حیوانات پر غو فکر کرنے والوں کے لیے بہت سی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ میں کھلا اشارہ

ہے کہ زندگی صرف زمین پر ہی نہیں پائی جاتی، بلکہ دوسرے سیاروں میں بھی جاندار مخلوقات موجود ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ}

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان (دونوں) میں پھیلا رکھے ہیں۔ (شوریٰ۔ ۲۹)

Among His signs is the creation of the heavens and the earth and the creatures He has spread in them.

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ}

ترجمہ: اور تمہاری اپنی پیدائش میں، اور اُن حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے، بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو یقین لانے والے ہیں۔ (الجاثیہ۔ ۴)

And in your creation and in the living beings that He scatters on the earth, there are signs for a people who believe.

عالم حیوانات میں قدرت کی نشانیاں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ انواع واقسام کے جانوروں کی پیدائش میں پنہاں بے شمار حکمتیں ہیں۔ جانورں کی پیدائش کا جو پہلو بنی نوع انسان کے لیے مفید ہے وہ ہے جانوروں کا استعمال برائے نقل و حرکت 'باربرداری' جانوروں کے گوشت اور ان کے دودھ کا استعمال جس میں غذایت کے علاوہ بیماریوں سے شفایابی کا سامان بھی موجود ہے۔ جدید ترین طبعی تحقیقات وانکشافات سے اس کی افادیت کے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں۔

(٦) مختلف رنگ، زبانیں اور وسعت کائنات، اہل عقل کیلئے نشانیاں

{وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَ اَلۡوَانِكُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ۝}

ترجمہ: اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے، دانش مندوں کے لئے ان (مظاہر) میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔ (الروم۔ ۲۲)

And among His signs is the creation of the heavens and the earth and the difference of your tongues and colors. Surely in this there are signs for the persons having knowledge.

کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ تعالی کی نشانی ہے۔ اس کا عدم سے وجود میں آنا اللہ تعالی کی قوت تخلیق کو بتاتا ہے۔ اس کے اندر بے شمار انواع واقسام اللہ کی قدرت کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔ تمام اشیاء میں حد درجہ معنویت خالق کی صفت رحمت کا آئینہ ہے۔ بجلی جیسی تباہ کن چیزوں کی موجودگی خالق کی صفت انتقام کا تعارف ہے۔ زمین کا خشک ہوجانے کے بعد دوبارہ ہرا بھرا ہوجانا تخلیق ثانی کے امکان کو بتا رہا ہے۔ یہ تمام اللہ تعالی کی نشانیاں ہیں۔ مگر یہ نشانیاں باعث تدبر صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو کائنات کی خاموش پکار پر کان لگا کر تفکر کریں۔ جو اپنی عقل اور اپنے علم کو صحیح راہ کی طرف گامزن کریں۔

سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے '' اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لیکر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولاد آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں۔ کوئی سفید کوئی سرخ کوئی سیاہ کوئی خبیث کوئی طیب کوئی خوش خلق کوئی بد خلق وغیرہ (مسند احمد)

'' ایک طرف آسمانوں کی ایک وسیع اور ناپیدا کنار کائنات ہے اور دوسری طرف یہ کرۂ زمین ہے۔ بظاہر دونوں میں کتنی دوری ہے لیکن اس دوری کے باوجود دونوں میں اتنا گہرا اتصال ہے کہ کوئی عاقل یہ تصور نہیں کر سکتا کہ دونوں الگ الگ خالقوں کی قدرت سے وجود میں آئے اور الگ الگ ارادوں کے تحت گردش کر رہے ہیں، بلکہ ان کی باہمی سازگاری پکار پکار کر شہادت دے رہی ہے کہ ایک ہی قدیر و حکیم دونوں پر متصرف ہے اور دونوں کو ایک مشترک مقصد کے لیے مسخر کیے ہوئے ہے۔ اسی طرح انسانوں کے عالم پر غور کیجیے تو نظر آئے گا کہ قوموں کی زبانیں الگ الگ اور فرد فرد کا لہجہ مختلف ہے۔ اسی طرح ان کے رنگ بھی الگ الگ ہیں، لیکن اس اختلاف و تنوع کے باوجود کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں رنگ اور فلاں زبان و لہجہ کے لوگ الگ اللہ کی مخلوق ہیں اور فلاں رنگ و روغن کے لوگ کسی الگ خالق کی مخلوق ہیں، بلکہ ہر دانش مند یہ جانتا ہے کہ ایک ہی خالق نے تمام انسانوں کو وجود بخشا ہے۔ یہ محض اس کی حیرت انگیز کاریگری کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہر انسان کا لب و لہجہ اور اس کا ناک نقشہ ایسا بنایا ہے کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کا بھی جائزہ لیجیے تو ناممکن ہے کہ کوئی دو فرد بھی آپ کو بالکل ایک ہی رنگ و روغن، ایک ہی قد و قامت اور ایک ہی ناک نقشہ کے مل سکیں ''۔ (تدبر قرآن)

(۷) رنگوں کے اختلاف میں مظاہر قدرت کی نشانیاں

قرآن حکیم نے متعدد آیات میں کائنات کی اس حکیمانہ خوبی اوراس کے حیرت انگیز نظم و قانون کی طرف تمام دانش مند انسانوں کو متوجہ کرتے ہوئے ان میں غور فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ تاکہ وہ اس عظیم ہستی کی معرفت وعرفان حاصل کرسکیں جو اس کائناتِ بے کراں کاخالق و آمر ہے۔ قرآن حکیم میں مختلف رنگوں کا ذکر آیا ہے ان میں ہر رنگ کسی چیز پر دلالت کرتا ہے۔ خالق نے دُنیا کی کوئی چیز بے رنگی اور بے مقصد تخلیق نہیں فرمائی۔ اُس نے کائنات کی ہر چیز کو مربوط انداز سے ربط میں رکھا۔ ہر مخلوق کو اُس کے رنگ میں حسن عطا فرمایا۔ مختلف رنگوں کے ظہوراوران کے عجیب و غریب نظام میں رب تعالی کی قدرت کے نہایت واضح دلائل موجود ہیں جنھیں خالق کائنات نے اپنا فعل حصوصی قرار دیاہے ان آیات الٰہی میں پھلوں اور غلے کے مختلف رنگوں کے اختلاف کوقدرت نے اپنی ربوبیت کی نشانی قرار دی ہے۔ لفظ ''الوان'' صرف رنگوں کے مفہوم میں نہیں بلکہ انواع و اقسام کے وسیع مفہوم میں ہے۔ یعنی صورت، سیرت، صفات، مزاج، خصوصیات اور عادات و اطوار کے اعتبار سے ان میں بڑا فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالی ہے:

{اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہَا}

ترجمہ: کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل

نکالے (فاطر۔۲۷)

Did you not see that Allah has sent down water from the sky? Then We brought forth with it fruits having different colours.

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

{اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ}

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں (الزمر۔ ۲۱)

آیت کریمہ میں خالق کائنات نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک ہی زمین ہے اور ایک ہی پانی ہے۔ مگر پھلوں کی اقسام اتنی زیادہ ہیں جو ناقابل شمار ہیں۔ رنگ، ذائقہ' مہک' خصوصیات اور اثرات سب کے مختلف ہیں ۔ اس یکسانی اور نیرنگی میں حکمت الٰہی کی کتنی بڑی دلیل موجود ہے۔ ''زمین پر بارش کا حیرت انگیز نظام'' بارش کے ذریعے سے آسمان سے پانی کا اترنا ، پھر اسے زمین میں جذب کرنا ہے پھر چشموں کی صورت میں نکالنا' تالابوں اور نہروں میں جمع کرنا ۔ پھر اس سے سبزہ کا اگنا، پھر فصل کی تیاری، ان مادی واقعات میں اظہار ربوبیت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ مگر ان مظاہر قدرت سے بصیرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو باتوں کی گہرائی میں اترنے کا مزاج رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات دنیا کو اس طرز پر بنایا کہ اس کی ہر چیز حقیقت اعلیٰ کی نشانی بن گئی۔ دوسری طرف انسان کے اندر ایسی

صلاحیتیں رکھ دیں کہ وہ ان نشانیوں پر غور و فکر کر کے انہیں سمجھ سکے۔ اب جو انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھیں گے اور عقل سلیم استعمال کر کے عالم آفاق و انفس پر تفکر کریں گے، ان کے دلوں میں معرفت الٰہی اور نور بصیرت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔ اسی طرح جو انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو زندہ نہیں رکھیں گے اور عقل سلیم کا استعمال نہیں کریں گے وہ ان رنگوں کے اختلاف سے بھی عبرت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ وہ ظاہری آنکھوں سے یہ اختلاف دیکھ کر بھی کچھ نہ دیکھ سکیں گے اور کانوں سے حق سن کر بھی کچھ نہ سن سکیں گے۔ بے شک تنوع اور رنگارنگی اس کائنات کی ہر چیز میں جلوہ گر ہے اس میں عظمت الٰہی کا ثبوت ملتا ہے یہ ورائٹی خداوند قدوس کا محیر العقول کارنامہ ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

{وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ}

ترجمہ: اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، اِن میں بھی ضرور نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں (نحل۔ ۱۳)

And (He subjugated to you) whatever He created for you on the earth having varied colors. Surely, in that, there is a sign for a people who accept advice.

''ذرا'' کے معنی پیدا کرنا ہیں اللہ تعالیٰ نے سطح زمین پر جن اشیاء کو پیدا فرمایا۔ ان میں حیوانات، نباتات یہ انمول خزانے جاہلوں کے لیے بے

مصرف ہیں۔ پانی میں بجلی کی حیرت انگیز قوت روز اول سے موجود تھی، کرہ ہوائی کی موجیں آواز کو آناً فاناً دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی اہلیت رکھتی تھیں۔ ریگستانوں کے نیچے پٹرول کے سمندر پہلے سے موجزن تھے لیکن ان سے فائدہ اٹھانا ملت اسلامیہ کا کام تھا۔ اغیار نے اپنی کوششوں سے ان پوشیدہ قوتوں کا سراغ لگا کر ان سے خوب نفع حاصل کیا۔ لیکن حامل قرآن امت کی سہل انگاری نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ اس کتاب برحق کا مطالعہ کرتے، حالانکہ قرآن نے سب سے پہلے ان قوتوں کی تسخیر کی دعوت دی۔ سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا۔

{وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ}

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے (الروم۔ ۲۲)

تمام انسان ایک حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں مگر کثیر زبانیں اور مختلف رنگ ہیں۔ ہر زبان اپنی اپنی جگہ علم و دانش اور مخزن ادب و فن کے خزانے لیے ہوئی ہے! ہر رنگ پر کشش اور دل موہ لینے والا ہے۔ اہل علم و دانش ان امور میں غور و فکر کریں کہ جس پروردگار نے ایک آدم سے مختلف قسم کی اولاد پیدا فرما دی اس کی حکمت و قدرت کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ خالق نے انسانوں کو مختلف پیدا کیا یہ اسکا قانون فطرت ہے مختلف زبانیں، مختلف رنگ اور

مختلف ثقافت یہ سب ظاہری فرق ہے۔ باطنی سطح پر فرق یہ ہے کہ ہر انسان کی تخلیق میں علم و دانشوری اور تصورات کے فہم و ادراک کے بہت سے درجات ہیں۔ یہ سب کچھ خالق کائنات کے لامحدود مظاہر فطرت کی نشانیاں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے وسیع خلا میں انتہائی منظم نظام کے ساتھ مسلسل گردش کررہے ہیں۔ زمین میں طرح طرح کی مخلوقات (حیوانات، نباتات، جمادات) بے شمار تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ اول الذکر میں تسخیر امر کا پہلو نمایاں ہے۔ اور ثانی الذکر میں رنگوں کے اختلاف کا پہلو نمایاں۔ پہلا منظر اللہ کی قدرت کے بے پناہ ہونے اور دوسرا منظر بے شمار مظاہر فطرت کی یاد دلاتا ہے۔ یہ مناظر اتنے حیرت انگیز ہیں کہ جو انسان انہیں نگاہ عبرت سے دیکھے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان مظاہر میں اسے رب تعالی کی عظمت اور ربوبیت دکھائی دے گی۔ وہ ظاہری نشانیوں میں چھپے ہوئے پوشیدہ حقائق کو دریافت کرے گا۔ وہ ان مظاہر فطرت کو دیکھ کر خالق کی معرفت میں ڈوب جائے گا۔ غرض مومن کے لیے ہر درخت' ہر پھل اور ہر رنگ ربوبیت الہی کی واضح نشانیاں ہیں۔ مذکورہ آیات کریمہ سے یہ بھی واضح ہے کہ قرآن حکیم میں مظاہر قدرت کے جو دلائل فطرت بیان کیے گے ہیں' وہ انسانی عقل اور اس کی فطرت دونوں کو تدبر و تفکر کی اپیل کرتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر عقل انسانی سلیم اور تربیت یافتہ ہو اور کسی قسم کے خارجی اثرات سے مغلوب ہو کر کج رو اور کج اندیش نہ ہوئی ہو تو اس کائنات کے آثار و حوادث اور مظاہر فطرت کے مشاہدہ سے وہ حقیقت الحقائق (حق تک) (Ultimate Truth) تک پہنچ کر معرفت الہی حاصل کر سکتی

ہے۔ رنگوں کے اختلاف میں مظاہر قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ ایک ہی والدین کی اولاد کی رنگت بھی بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے یہ اس ذات والا صفات کی عظیم الشان صناعی کا کرشمہ ہے۔ علاقوں اور مقامات کے فرق سے رنگتیں بدل جاتی ہیں اس فضیلت کا کوئی پہلو نہیں کیونکہ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

(۸) قرآن حکیم میں مختلف رنگوں کا ذکر

Mention Of Different Colours In Holy Quran

قرآن پاک میں مختلف رنگوں کا ذکر آیا ہے ان میں ہر رنگ کسی چیز پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سب رنگ خالق کائنات کی قدرتِ عظیمہ کے متعدد مظاہر اور نشانیاں ہیں۔

زرد (صَفْرَآءُ) (Yellow) خوشی اور مسرت کی علامت

{قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ}

ترجمہ: انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ ہم کو یہ بھی بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو، موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو (البقرہ۔ ۶۹)

They said, :Pray for us to your Lord that He makes it clear

to us of what colour it should be. He said: :He says that she should be a yellow cow, rich yellow in her colour that should please the onlookers.

سفید (White) روشنی کی علامت

{وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ}

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے (البقرہ۔۱۸۷)

you and eat and drink until the white thread of the dawn becomes distinct from the black thread; then complete the fast up to the night.

{وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ}

ترجمہ: پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف! ان کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔ (یوسف۔۸۴)

{وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ}

ترجمہ: اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی وقت دیکھنے والوں کی نظر میں سفید براق تھا (اعراف۔۱۰۸)

"بَيْضَآءُ:" نورانی ۔۔۔ موسی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید اور

چمکدار تھا۔ یہ روشنی اور چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منور کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔

سیاہ رنگ (Black)

{ عذاب کی علامت } (Sign Of Punishmant)

قرآن مجید میں چہرے کا ذکر 90 مرتبہ آیا ہے، کبھی چہرے پر سجدوں کے نشانات کا ذکر ہے تو کبھی چہروں پر چھانے والی سیاہی کا، کبھی چہروں پر نور کا ذکر ہے تو کہیں چہروں پر چھانے والے اندھے پن، گونگے پن اور بہرے پن کا کسی مقام پر چہروں پہ ہونے والی آگ کی بارش کا احوال بیان کیا گیا ہے کچھ مقامات پر چہروں سے نکلنے والی روشنی کا ہے اور کچھ مقامات پر سیاہی کا۔ قیامت کے دن چہرہ اعمال کا آئینہ دار ہوگا کچھ چہرے روشن ہونگے تو کچھ چہرے سیاہ، روشن چہرے والے وہ جو مومن ہوں گے اور سیاہ چہروں والے وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے رہے ہوں گی تاہم چہروں کے سیاہ ہونے کا ذکر تین مرتبہ واضح الفاظ میں کیا گیا ہے ایک بار سورۃ آل عمران میں جہاں کہا گیا کہ قیامت والے دن کچھ کے چہرے سفید ہوں۔

{فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ}

ترجمہ: تو جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے (ان سے اللہ فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو (اب) اس کفر کے بدلے

عذاب (کے مزے) چکھو (آل عمران۔۱۰۶)

and some faces shall turn dark. As for those whose faces turn dark, (they shall be questioned): :Did you disbelieve after you had accepted the Faith? Now taste the punishment, because you used to disbelieve.

روزقیامت دل کی کیفیت چہروں سے عیاں ہوگی۔ جن کے دل نورایمان سے منور ہیں روزقیامت ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے۔ اور جن کے دلوں میں گمراہی کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اس دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ کامیابی اور نجات کی کیفیت سرورچہروں پر نمایاں ہوگی چہروں پر ایمان و تقویٰ کا نورچمکتا ہوگا اور عزت و وقار کے ساتھ فرحاں نظر آئیں گے۔ بعضوں کے منہ کفر و نفاق یا فسق و فجور کی سیاہی سے کالے ہوں گے، صورت سے ذلت و رسوائی ٹپک رہی ہوگی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

{وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ}

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ (الزمر۔ ۶۰)

And on the Day of Judgment, you will see those who had forged lies against Allah (in a state) that their faces are turned black. Is it not that in Jahannam there is an abode for the arrogant?

یعنی جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولیں کہ اللہ نے فلاں اور فلاں کو اپنا شریک بنایا ہے اور جب اللہ کی طرف سے ان کو تنبیہ کی گئی کہ رب کا کوئی شریک نہیں ہے تو بالکل بے دلیل، محض اپنے غرور کی بنا پر انکار کرتے رہے روز قیامت ان کے چہرے اس غرور کی پاداش میں سیاہ ہوں گے۔ اس جھوٹ کی سیاہی اس دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ایمان سے مراد نور ایمان کی سفیدی ہے اور سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے جو روز قیامت کفار کے چہروں پر عیاں ہوگی۔

پہاڑوں کے درمیان کی دھاریوں کے رنگ

{اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ}

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا؟ تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کیے اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں (فاطر۔۲۷)

Did you not see that Allah has sent down water from the sky? Then We brought forth with it fruits having different colours. And among the mountains there are tracks, white and red— of different colours, and (others) utterly black.

سبز رنگ (Green) لہلہاتی کھیتوں کی علامت

{وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ}

ترجمہ: اور بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں سات موٹی تازی گائیں دیکھی ہیں، انہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے (دیکھے) ہیں اور دوسرے (سات ہی) خشک اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔ (یوسف۔ ۴۳)

And (one day) the king said (to his courtiers), :I have seen (in a dream) seven fat cows being eaten by seven lean ones, and seven ears of grain which are green and (seven) others which are dry. O people, tell me about my dream, if you can interpret dreams.

سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹتی ہیں اور انہیں خشک کر دیتی ہیں۔ یہ خواب بادشاہ مصر "ریان ابن الولید" نے دیکھا جو آخر کار حضرت یوسفؑ کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ مصر کا بادشاہ اگرچہ مشرک تھا، مگر اللہ کی طرف سے اس کو مستقبل کے بارے میں ایک سچا خواب دکھایا گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ حق کے داعیوں کی مدد کس کس انداز سے کرتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ فریق ثانی کو کوئی ایسا خواب دکھایا جائے جس سے اس کے ذہن پر داعی کی عظمت اور عزت قائم ہو اور اس کا دل نرم ہو اور داعی کے لیے نئے

راستے کھل جائیں۔ ساقی نے جب بادشاہ کا خواب سنا اس وقت اس کو قید خانہ کا واقعہ یاد آیا۔ اس نے بادشاہ کو اپنا ذاتی تجربہ بتایا کہ کس طرح یوسف کی بتائی ہوئی خواب کی تعبیر دو قیدیوں کے حق میں لفظ بلفظ سچ ثابت ہوئی۔ وہ بادشاہ سے اجازت لے کر قید خانہ پہنچا تاکہ یوسف سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کر سکے۔ قدرت نے خوابوں کی تعبیر کا تعارف ان کے لیے قید خانہ سے باہر آنے کا سبب بنایا قدرت ایسا کر سکتی تھی کہ ساقی کی رہائی کے بعد حضرت یوسف کو قید خانہ میں مزید نہ رہنے دے۔ اس ساقی کو محل میں پہنچتے ہی یاد دلا سکتی تھی کہ وہ حسب وعدہ بادشاہ سے یوسف کا ذکر کرے۔ لیکن رب تعالی کا ہر حکم اپنے مقرر وقت پر ہوتا ہے وقت سے پہلے کوئی کام کرنا اللہ تعالی کی سنت نہیں۔ سبز رنگ تازگی اور طروات کی نشانی ہے۔اس میں مذہبی اعتبار سے بھی تقدس کا پہلو نمایاں ہے روضۂ اطہر کا رنگ سبز ہے اور عمامہ کی سبزی کو بھی پسند کیا جاتا ہے کھتوں کے حوالے سے یہ رنگ روئیدگی اور خوشحالی کا نمائیدہ اور مظہر سمجھا جاتا ہے۔

جنتی قالینوں کا رنگ

{مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ}

ترجمہ: (اہل جنت) سبز قالینوں اور نفیس مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (الرحمن۔ ٧٦)

Reclining on green cushions and beautiful fine carpets.

''رفرف'' کے کئی معنی ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔

گلابی رنگ (Rosy) روزِ قیامت آسمان کا رنگ

{فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ}

ترجمہ: پھر جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جلے ہوئے تیل (یا سرخ چمڑے) کی طرح گلابی ہو جائیں گے (الرحمن۔۳۷)

So, (it will be a terrible event) when the sky will be split apart and will become rosy, like (red) hides.

وقوع قیامت کے وقت آسمان کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ''وردۃ'' گلاب کا پھول جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

گہرا سبز رنگ (Dark-green) جنت کے گھنے باغات کی علامت

{مُدْهَآمَّتٰنِ}

ترجمہ: وہ دونوں گہری سبز رنگت میں سیاہی مائل لگتی ہیں۔ (الرحمن۔۶۴)

both (gardens are) dark green

یہ دو باغ بھی بڑے سرسبز و شاداب ہوں گے۔ 'مدھآم' اس سبز کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل ہو۔ ان باغوں میں چشمے ہوں گے جن سے پانی پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا ہوگا۔

(۹) ہر پتہ معرفت کردگار کا دفتر ہے

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار
(سعدی)

زمین میں بے شمار گوناگوں و بوقلموں انواع و اقسام کی چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے پھیلا رکھی ہیں ان پر ذرا نگاہ بصیرت ڈالو ان کے اندر بھی عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔ یعنی یہ دنیا بالکل سپاٹ، چٹیل، یک رنگ بلکہ بالکل بے رنگ بھی ہو سکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا گوشہ گوشہ عجائب قدرت سے معمور ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے کہ اس کے خالق نے یہ چاہا کہ انسان اس کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالے وہیں اس کو اس کے خالق کی قدرت و حکمت اور رحمت و ربوبیت کی کوئی نہ کوئی نشانی مل جائے اور وہ مصنوع سے صانع اور اس کی صفات کا درس حاصل کر سکے۔ گویا کہ پتہ پتہ معرفت کردگار کا دفتر ہے۔ ہر قدم پر صحیح نشان منزل کی طرف رہنمائی کرنے والی کوئی نہ کوئی نشانی موجود ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ یاددہانی کرنے والی چیزوں سے انسان یاددہانی حاصل کرے، آنکھیں بند کر کے نہ چلے بلکہ ایک ایک چیز کو دیکھے اور اس سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں ان کو محفوظ رکھے۔

(۱۰) انسان کو دعوت تفکر و تذکیر

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ انسان کی جو صلاحیتیں اس دنیا میں اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہیں ان کو بالترتیب "یَتَفَکَّرُوْنَ" "یَعْقِلُوْنَ" اور "یَذَّکَّرُوْنَ" سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہے۔ انسان کی سب سے اعلیٰ صفت تو یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں تفکر کرے، اسی تفکر سے اس کو اس کثرت کے اندر وحدت کی طرف رہنمائی اور اس کائنات کی اصل غایت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو کم از کم یہ تو ہو کہ وہ اپنی عقل سے کام لے اور اس کائنات کی ایک ایک چیز جس نشان منزل کی طرف انگلی اٹھا اٹھا کر اشارہ کر رہی ہے اس کی یاددہانی سے فائدہ اٹھائے اور اندھے بھینسے کی طرح نہ چلے۔ انھی صفات کا حوالہ آگے اسی سورہ کی آیات ،، میں بالترتیب "یَسْمَعُوْنَ" یَعْقِلُوْنَ اور یَتَفَکَّرُوْنَ'' کے الفاظ سے آیا ہے۔ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف صعود ہے یعنی ایک معقول آدمی کے اندر کم از کم جو بات ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ معقول بات کو سنے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے بلکہ نرا دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور ہے۔ اور اس کا اعلیٰ وصف یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں تفکر کرے اس لیے کہ اسی تفکر سے علم صحیح اور معرفت حقیقی کے دروازے کھلتے ہیں اور قرآن درحقیقت انسان کی اسی صلاحیت کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ (تدبر قرآن)

(۱۱) تخلیق کائنات کی حکمت عملی میں قدرت کی نشانی

حکمت کا لفظ انگریزی کے لفظ SCIENCE کے ہم معنی ہے۔ یہ لفظ کتاب الٰہی میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اہل علم نے لغوی اعتبار سے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ ان میں حق بات پر پہنچنا، عدل وانصاف، علم وحلم وغیرہ زیادہ معروف ہیں۔ مذکورہ لفظ جب رب تعالیٰ کے لئے بولا جائے جیسے علیم حکیم تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت ایجاد کے ہوتے ہیں۔ کسی انسان کے لئے استعمال کیا جائے تو مظاہر فطرت کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے ہوتے ہیں۔

جیسے کسی کی عظمت و قدرت ، حکمت و مصلحت اور علم و عرفان کی معرفت حاصل کرنے کا اہم ذریعہ اس کی تخلیق میں تدبر و تفکر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے ایسے ہی خالق کائنات کی عظمت و قدرت کی حکمت و مصلحت، وحدانیت و ربوبیت اور علم و عرفان کی معرفت حاصل کرنے کا بہت بڑا سبب اس کی تخلیق شدہ کائنات ہے،اس میں موجود تمام مظاہر فطرت اپنے خالق کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے سورج کو ہماری زمین سے نہایت مناسب فاصلہ پر قائم رکھا ہے اسی لیے اسے ہمارے لیے روشنی اور حرارت جیسی نعمتوں کا خزانہ بنایا گیا ہے۔ اگر اس نظام میں فرق آجائے تو سورج انسانوں کے لیے سورج نہ رہے بلکہ آگ کی صورت میں عذاب بن جائے، وہ زندگی کے بجائے موت کا سبب بن جائے۔ چاند اپنے مقررہ حساب سے مدار پر گردش کرتا ہے۔ اسی نظام

سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ چاند جو بذات خود بے نور ہے مگر وہ زمین کے لیے نہ صرف ٹھنڈی روشنی کا سبب ہے بلکہ مہینے اور سال کی تقویم بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ قدرت کی فلکیاتی نشانیاں ثابت کرتی ہیں کہ اس کائنات میں گہری مقصدیت اور حکمت ہے، اور مقصدیت اور حکمت والی کائنات کا آخری انجام بے مقصد نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے اللہ تعالی نے آخرت کی حقیقتوں کو نشانیوں کے انداز میں ظاہر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ}

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم و بیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کر سکو، اور اللہ نے یہ (سب کچھ) تدبیر سے پیدا کیا ہے، وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت، وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے واضح فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ (یونس۔ ۵)

He is the One who has made the sun a glow, and the moon a light, and determined for it stages, so that you may learn the number of the years, and the calculation (of time). Allah has not created all this but for a rightful purpose. He elaborates the signs for a people who understand.

آیت کریمہ میں مظاہر قدرت کی چند نشانیاں بیان فرما کر اس میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ کونسی آنکھ ہے جو مشرق کے افق سے سورج کو ابھرتے ہوئے نہیں دیکھتی۔ جس کے ابھرنے سے سارا عالم منور ہو جاتا ہے اور حرارت حیات ہر شئے میں سرایت کر جاتی ہے۔ اسی طرح یہ اپنے مقررہ مدار سے گزر کر شام کو مغربی افق میں غروب ہو جاتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی نے رات کے وقت چاند کو اپنی پہلی کرنیں بکھیرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ سورج اور چاند دونوں اپنی تخلیق کے دن سے مصروف گردش ہیں اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوسکا کہ وہ اپنے مقررہ وقت پر طلوع و غروب نہ ہوئے ہوں۔ یا اپنے مقررہ راستہ سے کبھی انحراف کیا ہو۔ زمین و آسمان میں بے شمار مظاہر قدرت کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں مگر وہ انہی لوگوں کے لیے سبق آموز بنتی ہیں جو دلوں میں خوف رکھنے والے ہیں خوف یا اندیشہ وہ چیز ہے جو انسان کو سنجیدہ بناتا ہے۔ جب تک انسان کسی معاملے میں سنجیدہ نہ ہو وہ اس معاملہ پر پوری توجہ نہیں دے گا اور نہ اس کے حقیقی پہلوؤں کو سمجھے گا۔

قدرت نے پوری کائنات کو ایک زبردست تخلیقی توازن اور حکمت عملی میں جکڑ دیا ہے۔ غور و فکر کرنے والے اور دانش مند انسان ان نظامہائے حکمت کو دیکھ کر خالق کی ہستی کا سراغ حاصل کرتے ہیں اور مادیات کے انتظام سے روحانیات کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خالق نے تخلیق کئے ہوں گے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں ”آسمان اپنے ستاروں، سورج، چاند، ان کی حرکت اور طلوع و غروب میں ان کی گردش کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ زمین کا مشاہدہ اس

کے پہاڑوں، نہروں، دریاؤں، حیوانات، نباتات اوران چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے اورجو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں جیسے بادل، بارش، برف، گرج چمک، ٹوٹنے والے ستارے اور تیز ہوائیں۔ یہ وہ اَجناس ہیں جو آسمانوں ،زمینوں اوران کے درمیان دیکھی جاتی ہیں، پھران میں سے ہر جنس کی کئی اَنواع ہیں، ہر نوع کی کئی اقسام ہیں، ہر قسم کی کئی شاخیں ہیں صفات، ہئیت اورظاہری وباطنی معانی کے اختلاف کی وجہ سے اس کی تقسیم کا سلسلہ کہیں رکتا نہیں۔ زمین و آسمان کے جمادات، نباتات، حیوانات، فلک اور ستاروں میں سے ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے حرکت دیئے بغیر حرکت نہیں کرسکتا اوران کی حرکت میں ایک حکمت ہویا دو، دس ہوں یا ہزار، یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہیں اوراس کے جلال و کبریائی پر دلالت کرتی ہیں اوریہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں اورعلامات ہیں''۔ (احیاء العلوم)

سائنسی علوم میں علم فلکیات، علم حیوانات، نباتات، علم طب، جغرافیہ، علم حساب، علم ہندسہ، علم الارض، جہازسازی وغیرہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ان تمام علوم کے ساتھ بقیہ سب علوم کی طرف واضح اشارات ملتے ہیں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی عقل سلیم سے کام لے کراس بحرذخارمیں کتنے موتی چنتا ہے۔ اور کلام اللہ نے جس تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے وہ اس پرکس قدر عمل کرتا ہے۔ ارشادباری تعالیٰ ہے:

{خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ}

ترجمہ: اللہ نے آسمان اور زمین کو حکمت (و مصلحت) کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی

ہے۔ (العنکبوت۔۴۴)

Allah created the heavens and the earth in truth. Indeed in that is a sign for the believers.

اس آیت کریمہ میں زمین و آسمان (اور تمام اجرام فلکی) کے لیے "حق" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے اصل معانی مطابقت و موافقت اور حکمت کے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

{فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ}

ترجمہ: یہی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟ تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ (یونس۔۳۲)

تخلیق کائنات کی حکمت عملی میں قدرت کے جلی اور خفی پہلوؤں میں جس پر تدبر و تفکر کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ اس کے ظاہر و پنہاں میں رب ذوالجلال نے فوائد و مصالح کے گنجینے مضمر کر دیئے ہیں۔ اس میں ان گنت فوائد اور حکمتیں ودیعت کردی گئی ہیں ہر ناظر اور مدبر اپنی صلاحیتوں اور وسعت ظرف کے مطابق ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔

سارے نظام میں حد درجہ حکمت و مصلحت

{وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ}

ترجمہ: ہم نے زمین اور آسمان کو اور ان کی سب (مظاہر) موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے۔ (الحجر۔۸۵)

We did not create the heavens and the earth and all that is in between them without a truthful purpose.

زمین و آسمان کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ پورا نظام حد درجہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ یہاں ہر چیز ٹھیک اسی طرح تخلیق کی گئی ہے جیسے اسے ہونا چاہیئے تھا۔ اس پورے نظام میں صرف انسان ہی خلاف حقیقت و مصلحت رویہ اختیار کرتا ہے۔ انسان اور کائنات کے اس تضاد کا تقاضا ہے کہ ایک دن یہ نظام ختم ہوجائے۔ خالق کائنات نے زمین و آسمان اور اس میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں ان کو اپنی اپنی جگہ پر یوں مرتب فرمایا ہے کہ ہزاروں صدیاں گزرنے کے باوجود کائنات کے اس کارخانہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ یعنی خالق نے اس کارخانہ قدرت کو اس حکمت و مصلحت پر بنایا ہے کہ یہاں باطل دوام پذیر نہیں ہوسکتا۔ یہ فضا ہمیشہ حق کے لیے ہی سازگار ہے باطل کے لیے سازگار نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قرآن اور کائنات حکمت اور مصلحت کے نظام میں ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتے ہیں یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے آئینہ کی طرح ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ}

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف برحق نازل کی ہے۔ (النساء۔۱۰۵)

اس کتاب کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اس میں باطل کی ذرا آمیزش نہیں ہے۔ اگر یہ کتاب اللہ تعالی کا کلام نہ ہوتی اور کائنات کسی اور کی تخلیق ہوتی تو ان دونوں میں مطابقت و ہم آہنگی ممکن نہ تھی چنانچہ یہی وہ ابدی حقیقت و حکمت عملی ہے جو لفظ ''حق'' سے واضح کردی گی ہے۔ اللہ تعالی کے

متعدد اسمائے حسنٰی میں سے ایک مبارک نام '' الحق '' بھی ہے اس نام کی ماہیت میں یہ شامل کہ اس سے صادر ہونے والا ہر قول اور فعل حق کے اوصاف کے لیے ہوتا ہے۔ حق کے مقابل لفظ باطل آیا ہے۔ باطل کی جملہ برائیوں اور خطاکاریوں سے (حق) اسکا بری ہونا لازمی ہے۔ یہ حقیقت ''اظہر من الشمس'' ہے کہ ذات بر حق کے جملہ کمالات اور اوصاف اپنے اندر حقانیت کی خوبیاں لیے ہوئے ہوں گے۔ سبحانہ اللہ

(۱۲) فطرت و شریعت میں مطابقت قدرت کی نشانی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کے لیے ایک شرعی ضابطہ مقرر فرمایا ہے بالکل اسی طرح کائنات کے لیے بھی ایک طبیعی نظام مقرر فرما کر ان کے لیے اصول و ضوابط پہلے ہی بنا دئے ہیں۔ خالق نے اپنی ہر مخلوق اور ہر نوع کے لیے الگ الگ مخصوص طبیعی اصول و ضوابط مقرر فرمائے ہیں۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر چیز، مثلا ہوا، پانی' روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز، ہر نوع، ہر جنس اور قوت و طاقت، توانائی کے لیے ایک حد مقرر ہے. جس پر وہ قائم ہیں اور ایک مقدار مقرر ہے. جس سے نہ وہ گھٹتی ہے اور نہ بڑھتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی سے واضح ہے:

{وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا}

ترجمہ: اور جس نے (کائنات کی) ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ (اصول و ضابطہ) ٹھہرایا (الفرقان۔ ۲)

and who has created everything and designed it in a perfect measure.

کائنات کی تمام اشیاء کو ایک خاص اصول و ضابطہ میں رکھا کہ اس لیے ان سے وہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں۔ نہ اپنے دائرہ سے باہر قدم نکال سکتی ہیں نہ اپنی حدود میں عمل و تصرف کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ غرض ہر چیز کو ایسے اصول و ضابطے سے پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہر نوع کو اپنے خاص اصول و ضابطے کی روشنی میں وسعت اور طاقت بھی عطا فرمائی جیسا کہ ارشاد فرمایا:

{لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا}

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ (البقرہ۔۲۸۶)

جو ذمہ داری جس پر ہے، وہ اِس کی طاقت اور وسعت سے زیادہ نہیں ہے اور نہ کسی کے اختیار و امکان سے باہر کی چیزوں پر اُس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ سب اپنے اپنے مقرر فطرتی ضابطے پر عمل پیراء ہیں۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگا رہے ہیں اور آخر کار ان کو یہ ہی کہنا پڑتا ہے۔

{صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ}

ترجمہ: یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہو گا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے (النمل۔۸۸)

عرب کسی چیز کو حکمت و مہارت اور مضبوطی سے بنانے کو "اتقان"

کہتے ہیں۔ خالق کائنات نے جو چیز بنائی ہے اسے ایسا مضبوط اور مستحکم بنایا کہ وہ وقت سے پہلے نہ تو بوسیدہ ہوتی ہے اور نہ ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی ہے۔ جس طرح آسمان ہزاروں صدیوں سے اسی طرح تنا ہوا ہے۔ اس کا کوئی گوشہ نہ ڈھیلا ہوا نہ مرمت طلب ہے۔ پانی کی مقدار جو پہلے دن سے پیدا فرمائی ہے ساری دنیا کے استعمال سے اس میں کوئی کمی آج تک واقع نہیں ہوئی ہے۔ ہوا کا ذخیرہ پہلے دن سے فراہم کیا گیا۔ تمام جاندار سانس لے رہے ہیں لیکن اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور نہ تا قیامت ہوگی۔ ہر چیز بتا رہی ہے کہ وہ "صنع اللہ الذی اتقن کل شیء" کی قدرت کا شاہکار ہے۔

عقل و فہم کی قوتیں، غور و فکر کی صلاحیتیں، تسخیر کائنات کے حوصلے اور حکمرانی کی امنگیں سب کچھ اس عمدگی سے یہاں یکجا جمع کر دی گئی ہیں جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، اور یہ راز سمجھ نہیں سکتا کہ ابتدائی مرحلوں میں بالکل یکساں ہونے کے باوجود کس طرح ایک کا رخ ایک طرف اور دوسرے کا رخ ایک بالکل ہی نئی منزل کی طرف موڑ دیا گیا، اور پھر اس منزل کو پالینے کے لئے جن قابلیتوں، صلاحیتوں، اعضاء اور وسائل کی ضرورت تھی وہ سب مہیا کر دیئے گئے ہیں تو زبان پر بیساختہ آ کر رہتا ہے:

{فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ}

ترجمہ: تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے (المؤمنون۔ ۲۳)

So blessed is Allah, the best of creators.

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ}

ترجمہ: بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے (منصوبے) سے پیدا کیا ہے۔ (القمر۔ ۴۹)

Verily, We have created every thing according to (Our) predestination.

انسان اپنے تحقیق علم کے ذریعہ جوں جوں آگے بڑھتا اور کائنات کے حقائق کی تلاش کرتا ہے اسی طرح خدائی کمالات اوراسرار فطرت اس پر منکشف ہوتے جاتے ہیں جو خالق کائنات کے مقرر کیے ہوئے ضوابط کی تصدیق و تائید کرتے ہیں اسی طرح فطرت و شریعت میں مکمل ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ سائنس تو صرف قدرت کے اسرار کو دریافت کرتی ہے کسی شئے کو پیدا ہرگز نہیں کرتی خالق کائنات تو صرف ایک ہی ذات ہے جس نے اسے نہایت منظم ضابطے سے پیدا فرمایا ہے۔

یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شریعت مطہرہ کا ہر حکم فطرت انسانیہ کے عین مطابق ہے جس فطرت پر رب کریم نے اس کائنات اور اس کی اشیاء کو تخلیق فرمایا ہے اس کی آئینہ داری اور ترجمانی اس کے کلام اور سنت طیبہ اوراس کی شرح و تفسیر میں جلوہ گر ہے اس لیے یہ امر بالکل واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ کے اوامر و نواہی عقل سلیم کے عین مطابق ہیں اور انہیں خلاف عقل قرار دینا درست نہیں۔

(۱۳) قرآن اور اسرار کائنات قدرت کی نشانی

قرآن مجید ایک لحاظ سے نہایت آسان کتاب ہے جس سے ہر ذی شعور انسان مستفید ہوسکتا ہے دوسری طرف یہ کتاب انتہائی مشکل اور غامض بھی

ہے جس سے اہل علم (وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ) مستفید ہوسکتے ہیں کیونکہ اس کے اندر تمام علوم سمائے ہوئے ہیں جو اس کتاب برحق کے سطحی مطالعے سے حاصل نہیں ہوسکتے اس کے لیے علوم و فنون کی انتہائی گہرائی میں غوطہ زنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ}

ترجمہ: یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (ص۔ ۲۹)

This is a blessed Book We have revealed to you, so that they deliberate in its verses, and so that the men of understanding may heed to advice.

اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے تمام پوشیدہ رازوں کو بخوبی جاننے والا ہے وہ اسرار جو اس نے مظاہر کائنات کے نظاموں میں ودیعت فرما دیئے ہیں۔ خالق نے ان رازوں سے پردہ اٹھا کر نوع انسانی کو غور و فکر کی دعوت دی تاکہ ان سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کر سکیں اور لوگوں پر قیامت کے دن حجت بھی قائم ہوسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ}

ترجمہ: فرما دیجئے :اِس (قرآن) کو اُس (اللہ) نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین کی (تمام) پوشیدہ باتوں (رازوں) کو جانتا ہے (الفرقان۔ ٦)

Say, :It is sent down by the One who knows the secret in the heavens and the earth

قرآن حکیم میں ہر قسم کے مضامین بیان کیے گئے ہیں تاریخی، طبیعی، نفسیاتی، معاشرتی وغیرہ۔ آج تک کوئی کسی واقعی غلطی کی نشاندہی کوئی نہیں کرسکا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن ایک ایسی ہستی کا کلام ہے جو کائنات کے تمام رازوں کو انتہا تک جاننے والا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں بھی غلطیاں ہوتیں جس طرح باقی عام انسانی کتب میں ہوتی ہیں۔ یہی حقیقت قرآن کی خدائی کتاب ہونے کے لیے بڑی روشن دلیل ہے۔ کیونکہ اس کلام کو نازل کرنے والی وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کے تمام اسرار و رموز سے خود اچھی طرح باخبر ہے۔ اس کی تصنیف کے لیے وہ کسی عربی و عجمی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم یا دانشور ہو وہ اس کتاب بر حق سے بصیرت و رہنمائی لے سکتا ہے مگر وہ اس جیسی کتاب تصنیف کرنا تو دور کی بات ہے، وہ اس کے علم و عرفان میں کوئی اضافہ بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وہ ابدی حقیقت ہے جو اس کے لفظ لفظ سے واضح ہے کہ اس کو نازل کرنے والا وہی ہے جو اس کائنات کے ظاہر و باطن اور آغاز و انجام سے باخبر ہے اسی لیے اس نے اس میں ماضی کی عبرتیں، حاضر کی ذمہ داریاں اور مستقبل کے نتائج سے بھی آگاہ کردیا ہے۔ اس کتاب کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف، اخبار غیبیہ، احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی گہرائی تک توفیق الٰہی کے بغیر عقول و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے انسان یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ}

ترجمہ: آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ (راز) چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں لکھی نہ ہو۔ (نمل۔۷۵)

There is nothing hidden in the heavens and the earth that is not (recorded) in a manifest book.

مذکورہ آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کائنات میں موجود تمام رازہائے سربستہ اس کتاب حکمت میں بیان کر دے گئے ہیں۔ اللہ تعالی چونکہ نظام کائنات کے تمام رازوں سے واقف ہے اس نے خود یہ راز اپنی محکم کتاب میں نازل فرمادیے ہیں۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ خالق کائنات اپنے ابدی منصوبے کے تحت اس کائنات میں موجود تخلیقی اسرار کو حسب ضرورت ظاہر فرماتا رہے گا۔ کیونکہ قرآن اور یہ کائنات دونوں اللہ تعالی کی تخلیق شدہ ہیں اسی لیے ان میں مطابقت بھی ضروری تھی۔ قرآن اور کائنات میں پوشیدہ رازو حقائق جو مسلسل سائنسی تحقیقات کے ذریعے ظاہر ہو رہے یہ مومنوں کے ایمان میں اضافے کررہے ہیں۔ یہ عظیم کتاب پوری کائنات کے لیے تذکیر و تنبیہ بن کر سوئی ہوئی قوموں کو جگا رہی ہے۔ اپنے ابدی جلوے دکھا کر انسانیت کو دعوت غور وفکر دے رہی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

{اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ}

ترجمہ: کیا اللہ ان (اسرار) کو نہیں جانتا جو کائنات کے سینوں میں (پوشیدہ) ہیں۔ (العنکبوت۔۱۰)

Is it not that Allah knows well what lies in the hearts of the people of all the worlds?

سورۃ نمل میں ارشاد فرمایا:

{اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ}

ترجمہ: کہ اُس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ (حقائق اور موجودات) چیزیں نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔ (نمل۔ ۲۵)

that is, they do not prostrate to Allah who brings forth what is hidden in the heavens and the earth,__and who knows whatever you conceal and whatever you reveal.

آسمان کی چھپی چیزوں سے بارش اور زمین کی چھپی چیزوں سے نباتات مراد ہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ کتاب مبین سے مراد قرآن حکیم ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض عارفوں نے سلاطین عثمانی کے نام ہر ایک کی مدت حکومت، یہاں تک کہ سب سے آخری سلطان ان میں سے کون ہوگا۔ یہ سب چیزیں سورۃ فاتحہ سے استخراج کی ہیں۔ (روح المعانی)

قرآن اور اسرار کائنات میں قدرت الہیہ کی بے پایاں اور لامتناہی نشانیاں موجزن ہیں۔ عجائب تکوین اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی گنتی اور شمار کسی انسان کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا}

ترجمہ: اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے (ابراہیم۔ ۳۴)

If you (try to) count the bounties of Allah, you cannot

count them all.

ہر وہ چیز انسان کو عطا فرمائی جس کا تقاضا اس کی خلقت میں تھا اور جس چیز کی احتیاج تھی اُن کا جواب پوری مطابقت کے ساتھ فراہم کر دیا۔ اِس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ جس قادر مطلق نے یہ کارخانہ قدرت بنایا ہے، وہی پروردگار بھی ہے اور اسی نے سب ضرورتوں کا اہتمام بھی فرمایا ہے۔ اِس میں کوئی اور کسی بھی درجے میں اُس کا شریک نہیں ہے۔

''موجودہ دنیا انتہائی حیرتناک حد تک خدا کی گواہی دے رہی ہے۔ وسیع خلا میں ستاروں اور سیاروں کی گردش، پانی کے ذریعہ زمین پر زندگی اور رزق کی فراہمی، خشکی اور تری اور فضا پر انسان کو یہ قدرت ہونا کہ ان میں وہ اپنی سواریاں دوڑائے، دریاؤں اور پہاڑوں کے ذریعہ زمین کا انسان کے موافق ہو جانا سورج اور چاند کے ذریعہ موسموں کا اور رات دن کا انتظام، سب کچھ اس سے زیادہ عظیم ہے کہ ان کو لفظوں میں بیان کیا جا سکے۔ انسان اور کائنات میں اتنی کامل مطابقت ہے کہ انسان کی ہر قابل قیاس یا ناقابل قیاس ضرورت پیشگی طور پر یہاں بافراط موجود ہے۔ یہ تمام چیزیں اتنی زیادہ عجیب ہیں کہ آدمی کو ہلا دیں اور اس کو عبدیت کے جذبے سے سرشار کر دیں اس کے باوجود ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ کائنات کو دیکھ کر آدمی کے اندر استعجاب کی کیفیت پیدا ہو۔ خالق کائنات کے تصور سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی پیدا ہوتے ہی کائنات کو دیکھتا ہے، دیکھتے دیکھتے وہ اس کو ایک عام چیز معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس میں اسے کوئی انوکھا پن نظر نہیں آتا۔'' (تذکیر القرآن)

(۱۴) نظام ہدایت میں قدرت کی نشانی

نظام ہدایت یہ ہے کہ خالق نے ہر نوع اور مخلوق کے لیے رہنمائی کے اصول و ضوابط مقرر فرما دیئے سب اپنے مقررہ قانون قدرت کے تحت چل رہے ہیں۔ خالق کائنات نے جو قوانین ان کے اندر ودیعت کر دیے ہیں وہ ان کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتے۔ کائنات کی ہر شے اپنے مقصد وجود کے اعتبار سے ایک خاص قالب و ہیئت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{رَبُّنَا الَّذِيٓ اَعۡطٰى كُلَّ شَيۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى}

ترجمہ: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت (ساخت بخشی) شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی۔ (طہ۔ ۵۰)

Our Lord is the One who gave everything its due shape, then guided it.

خالق نے کائنات کی ہر چیز کو ایسی ساخت پر پیدا کیا کہ وہ اپنا وظیفہ حیات اور مقصد تخلیق احسن طریقے سے ادا کر سکے۔ انہیں اتنی فہم اور شعور بھی عطا فرما دیا کہ وہ اچھے انداز سے ان قوتوں کو استعمال کر سکے۔ ہاتھ کو کام کرنے کے لیے جس ساخت کی ضرورت تھی اسے وہ عطا کی۔ پاؤں کے لیے جو مناسب ساخت کی ضرورت تھی وہ اسے دی۔ انسان، حیوان، نباتات، جمادات، ہوا، پانی، روشنی، ہر ایک چیز کو وہ صورتِ خاص عطاء فرمائی جو اسے دنیا میں اپنے حصے کا کام صحیح انجام دینے کے لیے مطلوب ہے۔ پرندوں کو پر عطا کر کے انہیں اڑنے کا طریقہ بھی خود ہی بتا دیا۔ مچھلی کو ایسی ساخت پر بنایا کہ وہ دریاؤں اور سمندروں میں تیر سکے اسے تیرنے کا سلیقہ بھی بتا دیا۔ گوشت خور

درندوں کو پنجے اور دانت ایسی نوعیت کے عطا کیے کہ وہ شکار پکڑ سکیں۔ اونٹ کو بلند قامت پیدا کیا اسے لمبی گردن بھی عطا فرمائی تاکہ اونچے درختوں کے پتے کھا سکے اور گردن جھکا کر پانی پی سکے۔ ریگستان جہاں پانی سطحِ زمین سے بہت نیچے ہوتا ہے وہاں ایسے درخت اگائے جن کی جڑیں طویل ہوتی ہیں تاکہ وہ زمین کی تہہ سے پانی حاصل کر سکیں۔ کرہ ٔ ارض میں پیدا ہونے والے تمام حیوانات کو اس خطے کی مناسبت سے مخصوص موسمی لباس بھی عطا فرمائے۔ ایسا نہیں کیا کہ ہر چیز کو اس کی مخصوص بناوٹ دے کر چھوڑ دیا بلکہ ان کے لیے رہنمائی کا بندوبست بھی کر دیا۔ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت و بناوٹ سے کام لینے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو۔ کان کو سننے اور آنکھ کو دیکھنے کا شعور عطا فرمایا۔ درختوں کو پھول دینے اور زمین کو نباتات اگانے کی ہدایت بھی فرما دی۔ غرض وہ ساری کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا صرف خالق و مالک ہی نہیں، بلکہ ہادی اور معلّم بھی ہے۔

''اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر شے اپنے مقصد وجود کے اعتبار سے ایک خاص قالب و ہیئت رکھتی ہے اور پھر اِس مقصد وجود کی تحصیل و تکمیل کے لیے اپنے اندر ایک جبلی رہنمائی بھی رکھتی ہے۔ شہد کی مکھی کو جس مقصد کے لیے خالق نے پیدا کیا ہے، اُس کی تکمیل کے لیے اُس کے ننھے سے وجود کے اندر اُس نے وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں جو اُس تکمیل کے لیے ضروری ہیں اور پھر اُس کی جبلت کو یہ الہام بھی فرما دیا کہ وہ کس طرح اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے اور اپنے لیے شہد کا ذخیرہ فراہم کرے۔ یہی حال

اِس کائنات کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کا ہے۔ ایک چیونٹی، ایک بھنگا، ایک مکڑی، ایک بکری، ایک شیر، سب کو قدرت کی طرف سے ایک خاص نوع کی خلقت اور اُس کی ضرورت کے اعتبار سے ایک جبلی ہدایت عطا ہوئی ہے۔ سب کو خدا نے الہام فرمایا ہے کہ کس طرح اور کس نوع کی اپنے لیے غذا حاصل کریں، کس طرح توالد و تناسل کا سلسلہ قائم کریں، کس طرح اپنی اور اپنی نسل کی حفاظت کریں، کس چیز سے بچیں، اور کس چیز کو اختیار کریں اور پھر کس طرح اِس کائنات کی مجموعی خدمت میں اپنا فریضہ ادا کریں۔

بلبل کی نغمہ سنجی، طوطی کی شکرفشانی اور کوئل کی کوک کس کا الہام ہے؟ ظاہر ہے کہ اُن کے خالق ہی کا! تو وہی خالق اُن کا اور سب کا رب بھی ہے۔ صرف جان دار چیزوں ہی تک قدرت کا یہ فیض محدود نہیں ہے، بلکہ چمن کے بیل بوٹے جو ثمرباری اور گل ریزی کرتے ہیں؛ سوسن، بنفشہ، گلاب اور سرو و صنوبر جو چمن آرائی کرتے ہیں؛ سیب، انار اور انگور جو دعوت شوق دیتے ہیں، آخر یہ کس کی بخشی ہوئی خلقت اور یہ کس کی عطا کردہ جبلت ہے؟ آخر کون ہے جو اِن میں سے کسی ایک چیز کے بھی خلق کا دعویٰ کر سکے یا یہ کہہ سکے کہ یہ اُس کا کرشمہ ہے کہ اُس نے سیب کے اندر سیب کی خاصیت ودیعت کی اور کیکر کے اندر کیکر کی۔ چمن کے ہر پودے، میدان کی ہر گھاس اور جنگل کی ہر جھاڑی میں یہ الگ الگ مزاج، الگ الگ رنگ و بو اور الگ الگ فوائد و نقصانات کون ودیعت کرتا ہے؟ جو کرتا ہے، وہی رب ہے، نہ کہ ہر کوئی جو سر پر تاج اوڑھ لے اور خدائی کا دعوے دار بن بیٹھے، وہ رب بن جائے۔ زمین ہی نہیں، ایک نظر آسمان پر بھی ڈالیے۔ یہ سورج، یہ چاند، یہ کہکشاں، یہ قوس قزح، یہ

آسمان، یہ ابر، یہ ہوا، آخر کس نے اِن کو پیدا کیا اور کون ہے۔ جس نے اِن کے فرائض اِن کو الہام کیے؟ جس نے اِن کو پیدا کیا اور اِن کو اِن کے فرائض الہام کیے، وہی رب ہے۔ سورج کا اوتار بن کر تخت پر براجمان ہو جانا تو بہت آسان ہے، لیکن کون ہے جو ایک منٹ کے لیے سورج کو اُس کے وقت سے پہلے نمودار کر سکے یا افق سے اُس کو غائب کر سکے؟۔

اِس کائنات میں اشرف المخلوقات کی حیثیت انسان کو حاصل ہے۔ اُس کو قدرت نے بہترین خلقت بھی عطا فرمائی ہے اور نہایت اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے، لیکن نہ کسی کو اپنی خلقت کے معاملے میں کوئی دخل ہے، نہ اپنی صلاحیتوں کی تخلیق ہی میں کسی کا کوئی حصہ ہے۔ یہ خدا ہی ہے۔ جس نے ہمیں ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور آنکھ کی قوتیں دیں اور اُسی نے ہمیں جبلت و فطرت اور عقل و ادراک و شعور کی نعمتیں بخشیں۔ یہ اِنھی چیزوں کا فیض ہے کہ آج خشکی و تری، دریا اور پہاڑ سب ہمارے لیے یکساں ہیں۔ ہم سمندروں کا سینہ چیرتے اور فضاؤں میں اڑتے ہیں۔ ہماری رسائی زمین کے بعید ترین گوشوں اور کونوں ہی تک نہیں، بلکہ چاند اور مریخ تک ہے۔ بجلی اور ایٹم، سب پر ہمارا تصرف ہے۔ یہ سب کچھ ہے، لیکن ایک لمحے کے لیے بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ یہ آپ کی اپنی پیدا کردہ صلاحیتوں کا کرشمہ ہے! جو اِس مغالطے میں ہے، وہ احمق ہے! یہ سب خدا کی بخشی ہوئی عقل کا کرشمہ ہے جس کی بدولت انسان قدرت کے کچھ نوامیس دریافت کر کے چاند اور مریخ پر تاخت کرتا پھر رہا ہے۔ اگر یہ خدا کی بخشی ہوئی عقل کی رہنمائی سے اُس کے کچھ قوانین دریافت کر لے اور اُن سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت پیدا کر لے تو اِس پر اتنا

مغرور نہ ہو جائے کہ خدا کی خدائی ہی کو چیلنج کر دے" (تدبر قرآن)

"مثلاً جو شکل صورت انسان کے مناسب حال تھی، وہ اسے اور جو جانوروں کے مطابق تھی وہ جانوروں کو عطا فرمائی 'راہ سجھائی' کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سہن، کھانے پینے اور بود و باش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق کا سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے" (احسن البیان)

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

(۱۵) کائنات کی بے مثال منصوبہ بندی قدرت کی نشانی

کائنات کی بے مثال منصوبہ بندی قدرت کی نشانی موجود ہے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مخلوقات کے وجود' ان کے حسن کاریگری اور بے مثال منصوبہ بندی کی جانب انسان کی توجہ مبذول کرائی گی ہے۔ اسے دعوت فکر دی گی ہے کہ وہ عالم آب و گل کی تفصیلات پر غور کرے اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ استنے اعلی و عمدہ پیمانے پر پیدا کردہ کائنات کیا بغیر خالق اور صانع پیدا ہو سکتی ہے۔ نظام شمسی اور کارخانہ ہستی کی ہر چیز خالق کائنات کی قدرت کاملہ کا

کرشمہ ہے۔ اسی نے حکمت اور علم سے ان کے لئے ایسے اندازے اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں جن کے سب پابند ہیں اور سب اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم عمل ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ}

ترجمہ: اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اُسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب (دونوں اجرام کا نظام) مقرر کیا ہے یہ سب اُسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیرائے ہوئے اندازے ہیں (انعام۔۹۶)

He has made the night for rest, and the sun and the moon for reckoning. This is a measure set by the All-Mighty, the All-Knowing.

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: {وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ}

ترجمہ: اللہ ہی رات اور دن (کے گھٹنے اور بڑھنے) کی تقدیر ٹھیراتا ہے (مزمل۔۲۰)

And Allah measures the night and the day.

قدر ''اس نے مقرر کیا'' پس اللہ تعالیٰ نے سماوات' کواکب' عناصر' معدنیات' نباتات' حیوانات' اور نوع انسانی ہر ایک کو مخصوص مقدار و جسامت عطا فرمائی۔ ہر ایک کی بقائے حیات کی مدت مقرر فرمائی۔ ان کے رنگ' بو' ذائقہ و لذت' اچھائی و برائی' سعادت و شقاوت' ہدایت و ضلالت کے متعین اصول و ضوابط مقرر فرمائے۔ یہاں اپنی دو بڑی نشانیاں

سورج اور چاند کے متعلق فرمایا کہ انہیں ذرا غور سے دیکھیں ان کے لیے خالق کا مقرر کیا ہوا ایک ضابطہ اور ایک نظام الاوقات ہے کسی کی مجال نہیں ہے اس سے تجاوز کر سکیں۔ یہی وہ ضابطہ ہے جس سے دن، مہینے اور سال بنتے ہیں۔ جس سے موسموں کا تغیر وجود میں آتا ہے جس سے گرمی، سردی، بہار اور خزاں کے موسم آتے ہیں جس سے مخلوق الٰہی ہر طرح مستفید ہوتی ہے۔ پوری کائنات وفاداری اور پابندی کے ساتھ بغیر کسی تمنائے ستائش اور اجر ت کے دن رات خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں ''تقدیر'' کے لفظ کا وہی مفہوم ہے جو پلاننگ (PLANNING) کا مفہوم ہے۔ خالق کی قدرت، اس کا علم اور اس کی حکمت سب کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ ان نشانیوں اور علامتوں سے حقیقت تک پہنچنا جاہلوں کے بس کی بات نہیں، اس بصیرت سے بہرہ ور صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو علمی طریق پر آثارِ کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

{ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ}

مذکورہ نشانیوں سے جو حقیقت سامنے آتی ہے۔ وہ ہر اس انسان کے دل کی آواز ہے جو اس نظام کائنات پر عقل سلیم اور قلب سلیم سے تدبر کرتا ہے۔ جس کی عقل سلیم ہے وہ جب اس نظام قدرت اور اس کی بے پایاں حکمتوں اور برکتوں پر غور کرتا ہے تو بے تحاشا اس کی زبان یہ گواہی دیتی ہے کہ یہ ساری منصوبہ بندی خدائے عزیز و علیم ہی کی ہے۔

''انسان کو جب ایک موٹر کار یا اور کوئی چیز بنانا ہوتی ہے تو وہ اس کے ہر جزء کو الگ الگ بناتا ہے۔ اور پھر اس کے اجزاء کو جوڑ کر مطلوبہ چیز تیار کرتا

ہے، مگر خدا جب ایک درخت اگاتا ہے یا ایک انسان پیدا کرتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل دوسری ہوتی ہے۔ وہ کسی چیز کو اس کے پورے مجموعہ کے ساتھ بیک وقت برآمد کر دیتا ہے۔ خدائی کارخانہ میں پورا کا پورا درخت یا پورا کا پورا انسان ایک ہی بیج یا ایک ہی بوند سے بتدریج نکل کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائی انوکھی تکنیک ہے جس پر کسی بھی انسان کو قابو نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں انسان سے برتر ایک ہستی موجود ہے جس کا منصوبہ تمام منصوبوں سے بلند ہے۔ سورج کی جسامت زمین سے بارہ لاکھ گنا زیادہ ہے۔ اور زمین چاند سے چوگنا زیادہ بڑی ہے۔ یہ سب اجرام مسلسل حرکت میں ہیں۔ چاند زمین سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل دور رہ کر زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اور زمین سورج سے تقریبا ساڑے نو کروڑ میل کے فاصلے پر رہتے ہوئے سورج کے گرد دو طریقہ سے گھوم رہی ہے، ایک اپنے محور پر اور دوسرے سورج کے مدار پر۔ اسی طرح ستاروں کی گردش کا معاملہ ہے جو دہشت ناک حد تک بعید فاصلوں پر حد درجہ باقاعدگی کے ساتھ متحرک ہیں۔ اسی کائناتی تنظیم سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سے اوقات کا نقشہ مقرر ہوتا ہے۔ اسی سے خشکی اور تری میں انسان کے لیے اپنی زندگی کی ترتیب قائم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یہ اتنا بڑا نظام اتنی صحت کے ساتھ چل رہا ہے کہ ہزاروں سال میں بھی اس کے اندر کوئی فرق نہیں آیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسی ہستی ہے جس کی طاقتیں لامحدود حد تک زیادہ ہیں۔ اللہ کی یہ نشانیاں بہت بڑے پیمانہ پر بتا رہی ہیں کہ اس کارخانہ کا بنانے والا بہت بڑے علم والا ہے۔ کوئی بے علم ہستی اتنا بڑا ڈھانچہ قائم نہیں کر سکتی۔ وہ بہت غلبہ والا

ہے، اس کے بغیر اتنے بڑے کارخانہ کا اس طرح چلنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس کی منصوبہ بندی انتہائی حد تک کامل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اتنی بڑی کائنات میں اس قدر معنویت اور ہم آہنگی کا وجود ناممکن ہو جائے۔ خدا کی دنیا خدا کے دلائل سے بھری ہوئی ہے۔ مگر دلیل ایک نظری معقولیت کا نام ہے نہ کہ کسی ہتھوڑے کا۔ اس لیے دلیل کو ماننا کسی کے لیے صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ وہ فی الواقع سنجیدہ ہو، وہ شعوری طور پر اس کے لیے تیار ہو کہ وہ دلیل کو مان لے گا خواہ وہ اس کی موافقت میں جا رہی ہو یا اس کے خلاف۔'' (تذکیر القرآن)

(۱۶) نیند میں قدرت کی نشانیاں

نیند بھی قدرت کی ایک نشانی ہے جس سے تھکان دور ہو جاتی ہے راحت و سکون حاصل ہوتا ہے اس کے لئے قدرت نے رات بنا دی۔ تلاش معاش کے لئے اللہ تعالیٰ نے دن کو پیدا کیا۔ یہ بھی اس کی شان رحمت ہے کہ اس نے دن کام کے لئے اور رات آرام کے لیے مخصوص فرما دی تاکہ ہر صبح انسان تازہ دم ہو کر اٹھے اور نئے جوش و نشاط کے ساتھ نئے دن کا استقبال کرے۔ یقیناً سننے سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں نشان قدرت ہیں۔ جیسا کہ ارشاد عزوجل ہے:

{وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ}

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اس کے فضل کا تلاش کرنا جو لوگ سنتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (الروم۔۲۳)

And among His signs is your sleep by night and day, and your search for His grace. Surely in this there are signs for a people who listen.

یہ تمام دلائل قدرت اور نشانیاں ان انسانوں کے لیے فائدہ مند ہیں جو بات کو توجہ سے سنیں بے شک رات اور دن کے اندر توحید کی دلیلیں ہیں۔ رات کو سونے کے بعد صبح اٹھنے میں قیامت کا اشارہ ہے۔ اگر انسان کے اندر اتنی عقل موجود ہو کہ وہ اہل علم کی باتیں توجہ سے سنے تو اس سے بھی اس کو ہدایت مل سکتی ہے اگرچہ وہ کائنات کے نظام اور اس کے اسرار میں زیادہ تفکر کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

نیند کو بطور نشانی اس طرح پیش کیا جاتا ہے

نیند جسے عارضی موت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اپنے اندر حکمتوں اور دانائیوں کے دفاتر رکھتی ہے۔ نیند مکمل ہونے پر انسان کی ذہنی و فکری توانائیاں بحال ہوجاتی ہیں اور نئے سرے سے بھرپور میدان عمل میں سرگرم ہونے کے لیے مستعد ہوجاتا ہے۔ نیند کا وجود اس کے لیے نعمت بے بہا ہے اس کی تخلیق میں دوجہاں کی کاریگری اور حکمت و دانش کی عظیم شان جلوہ گرہوتی ہیں۔ انسان حالت نوم میں ہوش و حواس کے اندر نہیں ہوتا وہ مردہ کی مانند ہوتا ہے اگرچہ مرا نہیں ہوتا پھر بیدار ہونے پر بقائمی ہوش و حواس تمام

امور واشکال سر انجام دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

{اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ}

ترجمہ: اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور اُن (جانوں) کو جنھیں موت نہیں آئی ہے اُن کی نیند کی حالت میں، پھر اُن کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم صادر ہو چکا ہو اور دوسری (جانوں) کو مقرّرہ وقت تک چھوڑے رکھتا ہے۔ بے شک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ (الزمر۔ ۴۲)

Allah fully takes away the souls (of the people) at the time of their death, and (of) those who do not die, in their sleep. Then He withholds those on whom He had decreed death, and sends others back, up to an appointed term. Surely, in this, there are signs for a people who ponder.

نیند میں قدرت کی پہلی نشانی تو ہے جیسے خلق و تدبیر تمام کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ایسے ہی موت اور حیات بھی سب اسی کے اختیار میں ہیں۔ جب موت اور حیات کے معاملے میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں ہے تو پھر لائق بھروسہ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ نیند میں دوسری نشانی یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔ ہر انسان دنیا میں ہر روز موت اور موت کے بعد اٹھنے کا ریہرسل

اپنے سامنے کر رہا ہے بشرطیکہ انسان اس کو دیکھنے کے لیے صاحب بصیرت ہو۔ نیند کے وقت انسان پر بے خبری کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے نیند گویا موت کے مشابہ ہے۔ پھر جب انسان سو کر اٹھتا ہے تو دوبارہ وہ ہوش کی حالت میں آجاتا ہے۔ یہ گویا موت کے بعد دوبارہ زندہ اٹھنے کی تصویر ہے۔ صبح کو اٹھتے وقت مومن یہ دعا پڑھتا ہے:

{اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْر}

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔ (بخاری) یہ اس کی اسی عبرت نگاہی کی تعبیر ہے۔

نیند میں تیسری نشانی یہ ہے کہ یہ کائنات اپنے وجود میں ان تمام حقائق کی تعلیم کے لیے ایک بہترین تربیت گاہ ہے جن پر حیات انسانی کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔ اس فطرتی قانون کے تحت ہر انسان کو آج ہی ابتدائی سطح پر دکھایا جا رہا ہے کہ وہ کیسے مرے گا اور کیسے دوبارہ زندہ ہوگا۔ انسان اگر شعور کے ساتھ غور و فکر کرے تو وہ اسی دنیوی واقعہ میں اپنے لیے آخرت کا سبق حاصل کر لے گا جس کی دعوت فکر قرآن پاک دے رہا ہے۔

سرور عالم ﷺ نے سونے کے وقت یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے:

{باسمك ربي وضعت جنبي وبك ارفعه ان امسكت نفسي فارحمها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين}

ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے نام سے اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ ہی اسے اٹھاؤں گا۔ اس اثنا میں اگر تو میری روح قبض

کر لے تو اس پر رحم کرنا اور اگر واپس کرنا تو اس کی اس سے حفاظت کرنا جس سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

نیند کی اقسام

(۱) اللہ کے ذکر کی مجلس میں سو جانا غافل کی نیند ہے۔

(۲) نماز کے اوقات میں سو جانا بد بختوں کی نیند ہے۔

(۳) نماز فجر کے وقت سو جانا ملعونوں کی نیند ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے : جو تین دن فجر کی نماز سے سو گیا وہ منافقین میں شمار ہو گا۔

(۴) سورج طلوع اور غروب ہونے کے وقت سو جانا محرومین کی نیند ہے۔ کیونکہ رزق کی تقسیم کے یہی اوقات ہیں۔

(۵) وہ نیند آرام دہ ہے جس سے جسم کو راحت اور سکون ملے اور جس کے دوران کوئی خواب دیکھے گا تو ان شاء اللہ پورا ہو گا۔

(۶) سب زیادہ مرغوب نیند عشاء کے بعد کی ہے۔

(۷) جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات عبادت کی ہے اس میں سو جانا باعث حسرت ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ : ''انسان کی دو حالتیں بدلی جاتی ہیں، سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو، پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔ اسی طرح نیند کا باعث سکون و راحت ہونا چاہیے وہ رات کو ہو یا بوقت قیلولہ، اور دن کو تجارت و کاروبار کے ذریعہ سے اللہ کا فضل تلاش کرنا''۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اچاٹ ہوجایا کرتی تھی تو میں نے سرور عالم ﷺ سے اس امر کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو:

{اللّٰهُمَّ غارَتِ النُّجُومُ وَهَدأتِ العُيُونُ وأنْتَ حَيٌّ قَيُّومٌ لَا تَأخُذُكَ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ، ياحَيُّ ياقيوم أهدءلَيْلى، وأنِمْ عَيْنِي، فقلتُها، فأذهب اللهعزّ وجلّ عني ما كنتُ أجد".}

میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل اللہ دور ہوگئی۔ (طبرانی)

نیند کی اقسام مذکورہ بالا سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ تمام اوقات کی نیند کا حکم یکساں نہیں ہے بلکہ فوائد اور خواص کے اعتبار سے شرعا اور عادتا نیند کی مختلف اقسام ہیں جسکا اندازہ سطور بالا کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

(۱۷) قیامت اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی

قرآن مجید کے نزول اور سرور عالم ﷺ کی آمد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے حجت قائم کردی۔ اب بھی اگر انسان اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو شاید اس کے منتظر ہیں کہ فرشتے آئیں یا قدرت کی کوئی بڑی نشانی (مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت) ظاہر ہوجائے اور منکرین اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جائیں توکیا اس وقت ایمان لائیں گے؟ جب قیامت کے قریب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوجائیگا اور خروج دجال، خروج دابہ

وغیرہ جیسی بڑی نشانیاں ظاہر ہوجائیں گی تو اس کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق وفاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

{هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلآئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لاَ يَنفَعُ نَفْساً إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْراً قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ}

ترجمہ: کیا اب لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے فرشتے آ کھڑے ہوں، یا تمہارا رب خود آ جائے، یا تمہارے رب کی بعض صریح نشانیاں نمودار ہو جائیں؟ جس روز تمہارے رب کی بعض مخصوص نشانیاں نمودار ہوجائیں گی پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دو کہ اچھا، تم انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ (الانعام۔۱۵۸)

حدیث پاک ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو، پس جب ایسا ہوگا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

{لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ}

ترجمہ: (مگر) جس روز تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اُسے ایمان لانا کچھ فائدہ

نہیں دے گا۔

The day some signs of your Lord will come, the believing of a person shall be of no use to him who had never believed before

قیامت آنے سے پہلے کی بڑی نشانیوں کا تذکرہ ہم علمائے کرام سے برسہا برس سے سنتے چلے آئے ہیں، مندرجہ بالا قرآن مجید کی آیت اس ضمن میں بنیاد (Fundamental, Core) فراہم کرتی ہے۔ ذرا تجہیز و تدفین کے واقعہ کو ذہن میں لائیے۔ خاص طور پر قبر پر تمام اشخاص تین مرتبہ مٹھی بھر مٹی ڈالتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے ہیں جو دراصل قیامت کے وقوع کا اقرار ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور ہر انسان کو رب العزت کے حضور پیش ہونا ہے:

{مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى}

ترجمہ: اسی زمین میں سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔

From this (dust) We created you, and in this we shall put you back, and from this We shall raise you up once again.

ابوالبشر حضرت آدمؑ، مٹی سے پیدا کیے گئے۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کرکے ازسرنو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے اس آیت مبارکہ کے تین حصے کرتے ہوئے ایک ایک حصہ پڑھتے ہوئے قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے یعنی تین ادوار مثلاً پیدائش سے موت، قبر میں دفن پڑے رہنا اور قیامت میں

زندگی پانا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب وکتاب کے لیے پیش ہونا۔ مذکورہ آیت ہمیں ایمان اور عمل صالح کو صحیح راستہ پر رکھنے کے لیے کس طرح جھنجھوڑتی ہے۔ اس بنیادی آیت سے پہلے ارشاد ربانی ہے:

{فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ}

ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل روشن اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے، اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انہیں اس روگردانی کی پاداش میں ہم بدترین سزا دے کر رہیں گے۔ (الانعام۔۱۵۷)

یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان وہی معتبر ہے جو کان آنکھ اور دل و دماغ کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے لایا جائے، نہ کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے ملائکہ کو دیکھ کر۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیتیں اِسی لیے عطا فرمائی ہیں کہ وہ بغیر دیکھے محض عقل و فطرت کے دلائل کی بنیاد پر ایمان لائے۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں تزکیہ و اصلاح احوال کا عظیم مشن لاتے ہیں۔ وہ اِس مشن کی تکمیل کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں۔ جس انسان کے اندر خیر کی ادنیٰ رمق بھی ہوتی ہے، وہ اصلاح قبول کر لیتے ہیں۔ اور جو بالکل اندھے بہرے بن جاتے ہیں، وہ مردوں کی طرح ہیں جو زمین پر پڑے رہیں تو فساد کے سوا کچھ نہیں پھیلا سکتے۔ اُن کی فنا میں ہی مخلوق کی بہبود ہوتی ہے۔

(۱۸) بجلیاں دکھانا، بارش برسانا، قدرت کی نشانیاں

بارش قدرت کی حیرت انگیز نشانیوں میں سے ہے۔ بارش کا ماخذ سمندر ہے اس کا پانی کھاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اسکی نمکینی اور کھاری پن کو مٹھاس میں تبدیل کر کے دور دراز علاقوں تک پہنچا دیتا ہے۔ عصر حاضر کی سائنسی تحقیق بھی یہی ہے کہ سورج کی گرم شعاعوں سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر ایک خاص بلندی پر پہنچ کر بادل بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ}

ترجمہ: (تم ہر برسات میں دیکھتے ہو کہ) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور یکایک مردہ پڑی ہوئی زمین میں اُس کی بدولت جان ڈال دی یقیناً اس میں ایک نشانی ہے سننے والوں کے لیے (النحل۔۶۵)

(۱) {وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ}

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ تم کو خوف اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے عقل والوں کیلئے ان (باتوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (الروم۔۲۴)

And it is among His signs that He shows you the lightening which causes fear and hope, and that He sends down water from the sky, then He revives the earth with

it after its death. Surely in this there are signs for a people who understand.

(۲) ﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾

ترجمہ: خوب جان لو کہ، اللہ زمین کو اُس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے، ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں، شاید کہ تم عقل سے کام لو (الحدید۔ ۱۷)

اسی طرح دل کی بنجر زمینوں پر جب ذکر اللہ کی ابر رحمت پڑتی ہے تو وہاں بھی ذکر و عبادت' علم و حکمت کے گلستان آباد ہوجاتے ہیں، یادِ الٰہی کے پھول کھلنے لگتے ہیں اور انوار کی تجلیاں مسکرانے لگتی ہیں۔ یہ تمثیل ذکر اللہ کے دلوں میں اثر کرنے کی ہے جس طرح بارش سے زمین کو زندگی حاصل ہوتی ہے ایسے ہی ذکرِ الٰہی سے دل زندہ ہوتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں عرب مردہ زمیں کی طرح جاہل اور گمراہ تھے۔ اللہ نے ان کو ایمان اور علم کی روح سے زندہ فرمایا۔ اور ان کے اندر تمام کمالات پیدا کر دیئے۔ اسی طرح کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ صدق دل سے توبہ کرلے تو اللہ پھر اس کے دل میں روح حیات پھونک دے گا۔

دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نَم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(۳) {وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ}

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تم کو زمین سے (نکلنے کے لئے) آواز دے گا تو تم اچانک نکل پڑو گے۔ (الروم۔۲۵)

And it is among His signs that the sky and the earth stand firm by His command. Then, when He will call you from the earth, by a single call, you will be coming out all at once

اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جارہی ہے کہ زمین ٗسورج ٗ سیاروں اور ستاروں کا نظام اس قدر حیرت انگیز ہے کہ وہ خود بول رہا ہے کہ وہ کسی قائم رکھنے والے کی قدرت سے قائم ہے۔ اور کسی حکم دینے والے کے حکم سے چل رہا ہے۔ دنیا میں ایک ہوائی جہاز اپنے پائلٹ کے کنٹرول کھونے کے بعد برباد ہوجاتا ہے، پھر کائنات کا اتنا بڑا نظام کسی کنٹرولر کے حکم کے بغیر کیسے چل رہا ہے۔ آسمان کا سائبان کسی سہارے کا محتاج نہیں۔ کرہ زمین کسی کے کندھوں کا محتاج نہیں۔ پھر ہر ایک کی کرا اپنی اپنی مقرہ حدود پر قائم ہے اور ہزاروں برسوں سے قائم ہے۔ آج تک کہیں اس میں شگاف نہیں ہوا۔ اس نظام قدرت کے مطابق عالم کی تخلیق اور پھر اس کی بقا کس کی وحدانیت اور کبریائی کی گواہ ہے۔ خالق کائنات عالم دنیا میں اپنی قدرت کا جو مظاہرہ کر رہا ہے اس کے لیے یہ کام نہایت آسان ہے کہ وہ انسان کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کرے۔ تخلیق اول کا جو مظاہرہ

کائنات میں ہر لمحہ ہو رہا ہے اس کے بعد تخلیق ثانی کو ماننا ایسا ہی ہے جیسے ایک ثابت شدہ چیز کو تسلیم کرنا۔ کائنات میں اللہ کی قدرت اور حکمت کا اظہار اتنی اعلیٰ سطح پر ہو رہا ہے کہ اس کے بعد کسی بھی کارنامہ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا کوئی مستبعد چیز نہیں۔

نزول بارش کی نعمت کا ذکر

نزول بارش کی نعمت کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۴) {اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝}

ترجمہ: کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو اِسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اِس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟۔ (الواقعہ۔ ۷۰)

اللہ تعالیٰ نے پانی کی نعمت کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی کہ بے شک یہ ہماری ہی قدرت ہے کہ ہم سمندر کے کھاری پانی کو بادل بنا کر اڑاتے ہیں پھر اسے صاف، شفاف و شیریں اور خوش گوار بنا کر تم پر بارش کی صورت میں برساتے ہیں جسے تم خود بھی پیتے ہو، تمہارے جانور بھی پیتے ہیں اور تمہاری فصلیں بھی سیراب ہوتی ہیں۔

'' اسی کا ایک نمونہ پانی کا معاملہ ہے پانی کا ذخیرہ سمندروں کی صورت میں ہے جوکہ زیادہ تر کھاری ہیں۔ پانی کا تقریباً 98فی صد حصہ سمندر میں ہے۔ اور سمندر کے پانی کا 1 بٹا 10حصہ نمک ہوتا ہے۔ یہ خدا کے قانون کا کرشمہ ہے کہ سمندر سے جب پانی کے بخارات اٹھتے ہیں تو خالص پانی اوپر اڑ جاتا ہے اور نمک نیچے رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بارش کا عمل ازالہ نمک (Desalination) کا ایک عظیم آفاقی عمل ہے۔ اگر یہ قدرتی اہتمام نہ ہوتو سارا کا سارا پانی ویسا ہی کھاری ہو جائے جیسا سمندر کا پانی ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر جمی ہوئی برف اور دریاؤں میں بہنے والا پانی سب کے سب سخت کھاری ہوں، زمین پر پانی کے اتھاہ ذخیروں کے باوجود میٹھے پانی کا حصول انسانیت کے لیے سخت ناقابل حل مسئلہ بن جائے۔ آدمی اگر اس کو سوچے تو اس کا سینہ حمد خداوندی کے جذبہ سے بھر جائے گا۔'' (تذکیر القرآن)

(۵) {وَأَسْقَيْنَاكُم مَّاءً فُرَاتًا}

ترجمہ: اور تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا۔ (مرسلات۔ ۲۷)

and provided you with sweet water to drink

(٦) {هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ}

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک ڈرانے اور امید دلانے کے لئے دکھاتا ہے اور بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔ (الرعد۔ ۱۲)

He is the One who makes you see the lightening in fear and hope, and who forms the heavy clouds.

بادلوں کے اندر جو بجلی ہوتی ہے اس سے آنکھوں کے نقصان کا اندیشہ

ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسی قدرتی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت امید و خوف کی دو کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو امید بندھتی ہے کہ بارش آئے گی۔ اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں گر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ بھاری بادل پانی سے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ باران رحمت کا نزول ہوگا، ساتھ ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آجائے، ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیے کہ رحمت الٰہی کا امیدوار رہے مگر اللہ کے غضب سے بے فکر نہ ہو۔

(۱۹) بارش کی مقدار قدرت کی نشانی

بارش کی مقدار بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ یہ مقدار کبھی زیادہ کبھی کم ہوتی ہے۔ اس کمی بیشی میں رب کائنات کی گہری حکمتیں کارفرما ہیں جن کا صحیح اندازہ کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔ ہم ایک مناسب حد تک اس کے رموز اور فوائد سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ بارش جو انسانوں کے علاوہ تمام جان داروں کے لیے نہایت اہم ہے، قرآن عظیم کی کئی آیات میں اس کا ذکر ہے، جن میں بارش اس کے تناسب اور اثرات کے بارے میں کافی معلومات دی گئی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت بارش کے بارے میں ایسی معلومات ناممکن تھیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی محکم کتاب ہے۔ قرآن پاک میں بارش کے متعلق دی گئی معلومات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

بارش کا تناسب

قرآن حکیم میں بارش کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ پانی ایک خاص مقدار کے مطابق زمین پر نازل کیا جاتا ہے۔ بارش کا تناسب ہماری زندگیوں اور ان کے ساز و سامان کے لیے انتہائی اہم ہے۔ رب کائنات ہماری ربوبیت کے تقاضوں کے پیش نظر مناسب مقدار میں ہمیں بارش سے نوازتا ہے تاکہ اس کی کثرت ہمارے لیے نقصان کا باعث نہ ہو اور اسکی کمی ہمیں جان و مال کے نقصان سے دوچار نہ کردے۔ اِرشاد ربانی ہے:

{وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ}

ترجمہ: اور جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کیا اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ (الزخرف۔ 11)

and the One who has sent down water from the sky in due measure. Then We have revived with it a dead town. In the same way, you will be brought forth (alive from the graves),

اس آیت میں بارش کے متعلق اندازے یا پیمانے کی کئی خوبیاں کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے، زمین پر گرنے والی بارش کی مقدار ہمیشہ یکساں ہوتی ہے۔ تخمینہ یہ ہے کہ ایک سیکنڈ میں زمین سے 16 ملین ٹن پانی، بخارات بن کر اُڑتا ہے۔ یہ مقدار زمین پر ایک سیکنڈ میں آنے والے قطروں کی مقدار کے برابر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک اندازے کے مطابق پانی ایک

متوازن چکر میں مسلسل گھومتا رہتا ہے۔ دوسری خوبی یہ کہ بارش سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے، کیونکہ اگر کم بارش ہوتی تو وہ تمہارے لئے مفید ثابت نہ ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی، جس سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔

اسی طرح یہ بھی اس ذات پاک کا کرشمۂ ربوبیت ہے کہ اس نے آسمان سے پانی خاص اندازے کے ساتھ نازل کیا۔ اس میں واضح دلیل ہے کہ یہ محض ہوا کے تصرف سے نہیں بلکہ یہ قادر مطلق کی تقدیر سے نازل ہوتا ہے وہ اپنی حکمت سے صرف اتنا ہی پانی نازل فرماتا ہے جس کو زمین برداشت کر سکتی ہے۔ پھر اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آسمان و زمین دونوں کے اندر ایک ہی اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت کارفرما ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ آسمان اور زمین میں ایسا توافق ہوتا کہ آسمان سے پانی اترتا اور زمین اس سے اپنی صلاحیتیں اجاگر کرتی۔ مزید یہ کہ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ وہ قادرِ مطلق ذات اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے کہ ایک خاص اندازے کے ساتھ ہی پانی اتارتی ہے۔ اسی اندازے کے ساتھ زمین کی تمام برکتیں وابستہ ہیں۔ اگر اس میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو یہ زمین پانی کی کمی سے بھی تباہ ہو سکتی ہے اور اس کی زیادتی سے بھی۔ یہ رب تعالیٰ کی شان کبریائی ہے کہ جب بارش برستی ہے تو موسلادھار نہیں بلکہ ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔ پھر انسان دیکھتا ہے کہ وہ بستی جس میں چند لمحے پہلے خاک اڑ رہی تھی، ، یکایک بارش کے سبب اس میں تازگی اور شادابی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ ایک سائنسی تحقیق کے مطابق بارش کے برسنے یا گرنے کی رفتار کم سے کم 1200 میٹر بلندی سے ہوتی ہے۔ اگر بارش کے قطرے کے

وزن اور جسامت (سائز) کے برابر ایک جسم اسی بلندی سے گرے تو وہ زمین پر 558 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گرے گا۔ یقیناً اتنی رفتار سے گرنے والی کوئی چیز جب زمین سے ٹکرائے گی تو بڑے نقصان کا باعث بنے گی۔

بابرکت پانی

پانی اصل حیات کائنات ہے بالیدگی و روئیدگی کا یہ حسین و فرحت بخش سلسلہ اسی کے ذریعے عالم وجود میں آتا ہے۔ اسکی برکات ان گنت اور اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ قرآن حکیم میں بارش کے پانی کی ایک افادیت یوں بھی بیان کی گئی ہے:

{وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ}

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا جس سے ہم نے باغ بھی اگائے اور کاٹی جانے والی فصلیں بھی۔ (ق۔ ۹)

And We send down from the sky rain charted with blessing, and We produce therewith gardens and Grain for harvests;

یہاں آسمان و زمین کی نشانیوں کی طرف ایک اور زاویہ سے توجہ دلائی گئی جس سے آسمان و زمین کے درمیان موافقت و ہم آہنگی کے پہلو سے توحید کی شہادت بھی ملتی ہے۔ ان کے اندر ربوبیت کے جو اسباب ودیعت ہیں ان سے جزا و سزا کا لزوم بھی سامنے آتا ہے اور بارش سے مردہ زمین کے اندر جو حیات نمودار ہوتی ہے اس سے حیات بعد ممات کے وقوع کا بھی مشاہدہ ہر شخص کو ہوتا ہے۔

"مَآءً مُّبٰرَكًا" سے مراد بارش کا وہ پانی جو باعث زرخیزی و شادابی ہے۔ کبھی ایسی بارش بھی ہوتی ہے جو زرخیزی کے بجائے تباہی کا موجب بن جاتی ہے اور وہ انسانوں کے لیے عذاب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ اے انسان تو وقوع قیامت کو بعید از قیاس سمجھتا ہے حالانکہ اس کا مشاہدہ بار بار تو اپنی آنکھوں سے کرتا ہے۔ دوران قحط سالی گھاس، جڑی بوٹیاں، حتیٰ کہ تناور درخت بھی سوکھ جاتے ہیں۔ ان میں نباتاتی حیات کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا لیکن جب اللہ کے حکم سے کالے کالے بادل آتے ہیں اور بارش برساتے ہیں تو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔ روئیدگی کی سب صلاحیتیں یک دم نمودار ہو جاتی ہیں۔ ترو تازہ نئی کونپلیں، نئی ٹہنیاں، ان پر مسکراتی ہوئی کلیاں اور مہکتے ہوئے پھول لہرانے لگتے ہیں۔ جس عظیم ذات نے بارش برسا کر مردہ زمین سے شاداب' باغ و بہار کھیت اگا دئیے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ تمہیں مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ اسی طرح نمکیات جو بارش کے قطروں کے ساتھ زمین پر گرتے ہیں، اور زرخیزی بڑھانے والے دوسرے اجزا کیلشیم، میگنیشیم، پوٹاشیم وغیرہ کی یہ چھوٹی مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کے اندر ایک انتہائی اہم خاصیت رکھ دی ہے، جو رب العالمین کے رحمن ہونے کی عظیم نشانی ہے۔ پانی منفی چار (-۴) سینٹی گریڈ تک تو باقی مائعات کی طرح ہیت تبدیل کرتا ہے لیکن اس سے کم درجہ حرارت پر یہ کثیف ہونے کے بجائے لطیف ہو کر پھیل جاتا ہے۔ پانی جب برف میں تبدیل ہو جاتا ہے تو برف، مائع پانی سے وزن میں ہلکی ہو جاتی ہے، اسی لیے

برف پانی کی سطح پر تیرتی ہے نیچے پانی کی تہہ میں نہیں بیٹھتی۔ پانی کی یہ خاصیت اس حقیقت کی علامت ہے کہ سردیوں میں دریاؤں، سمندروں اور جھیلوں کا پانی منفی چار سینٹی گریڈ تک سرد ہوجاتا ہے زیادہ سردی میں اپنی زیریں سطح پر ٹھنڈا ہوکر برف کی صورت سخت اور وزن میں ہلکا ہوجاتا ہے اور پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔ برف کے نیچے اس پانی میں آبی حیات (پودے اور حیوانات) زندہ رہتے ہیں اور معمول کی زندگی گزارتے ہیں۔

(۲۰) بادل قدرت کی عظیم نشانی

بادلوں کا زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہونا قدرت الٰہی کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔

بادلوں کی بناوٹ ان سے بارش کے نزول میں ہزاروں حکمتیں پنہاں ہیں ان کا سایہ بھی انسان کے لیے گرمی کی شدت میں باعث رحمت ہے ان سے برسنے والی بوندیں 'قطرات بھی جسم وجان کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔ ان کی حد سے بڑھی مقدار ہماری لیے اذیت وہلاکت بھی بن سکتی ہے۔ ان نشانیوں میں انسان کے لیے تذکیر و تفکیر کے سینکڑوں سامان ہیں۔ معلق بادل ایک خاص بلندی پر پہنچ کر رک جاتا ہے کیونکہ قادر مطلق نے اس کے لیے یہی اصول (ضابطہ) مقرر فرمایا ہے۔ بادل کیا ہیں؟ کس طرح بنتے ہیں؟ اس بارے میں خالق کائنات کا نظام کیا ہے؟ ان سوالات کے جوابات قرآن حکیم کی بیشمار آیات مبارکہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

(۱) ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر انہیں ملاتا ہے۔ پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں ان کے درمیان مینہ برستا ہے وہی آسمانوں کی جانب اولوں کے پہاڑ میں سے اولے برساتا ہے، پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹا دے بادلوں ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا اب آنکھوں کی روشنی لے چلی۔ (النور۔ ۴۳)

Do you not realize that Allah drives the clouds, then joins them together, then turns them into a heap? Then you see the rain coming out from their midst. He sends down from the sky mountains (of clouds) having hail in them, then He afflicts with it whomsoever He wills and turns it away from whomsoever He wills. The flash of its lightning seems to snatch away the eyes.

بادلوں کے مختلف ٹکڑے جو آسمان پر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہوائیں انہیں اللہ سبحانہ وتعالی کے حکم سے دھکیل کر یکجا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ ان سے بارش بھی برستی ہے اور برف باری بھی ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو بادل آئے وہ برسے اور جس

جگہ آئے وہاں ہی برسے بلکہ یہ سب امر الٰہی کے منتظر ہوتے ہیں جب اور جس جگہ حکم ہو وہاں برستے ہیں۔ کبھی کبھی یوں ہی نگاہوں کو ترساتے ہوئے ناپید ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سردی سے جمے ہوئے بادل جنہیں مجازاً آسمانی پہاڑ کہا گیا ہو یا زمینی پہاڑ بھی ہو سکتے ہیں جو آسمان میں بلند ہیں، جن کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف کے اثرات سے بعض اوقات ہوا اتنی سرد ہو جاتی ہے کہ بادلوں میں ٹھنڈک پیدا ہونے لگتی ہے اور اولوں کی شکل میں بارش ہوتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے بھی ثابت ہوا یہ کہ اس کائنات کا سارا اختیار و اقتدار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ وہی اکیلا اپنے اختیار مطلق سے جو تصرف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی حکمت کے سوا اور کوئی اس میں دخل نہیں دے سکتا ہے۔ جب زمین پیاسی ہوتی ہے، کسی کی مجال نہیں کہ آسمان سے پانی کی ایک بوند ٹپکا دے۔ وہ خود اپنی ہواؤں سے بادلوں کو ہانک کر لاتا ہے، ان ہواؤں سے ابر رحمت برسا کر ساری زمین کو جل تھل کر دیتا ہے۔ رحمت کی طرح زحمت بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ ان بادلوں کو جن کے لیے چاہے عذاب کا سبب بنا دیتا ہے۔ بادل پانی کے بجائے اپنے اندر اولوں کے پہاڑ چھپائے ہوئے نمودار ہوتے ہیں۔ پھر جس جگہ حکم ہوتا ہے اولوں کی سنگ باری کر کے ان کو تباہ کر دیتے ہیں اور جسے خود چاہتا ہے اس آفت سے بچا لیتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس آفت سے خود کو یا دوسروں کو محفوظ رکھ سکے۔

بادل پانی کے قطروں کا مجموعہ ہوتے ہیں یا نمی کے ذروں کے ملنے سے بنتے ہیں۔ پانی کے بخارات بہت بلندی پر پہنچ کر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو یہ نمی

کے ذرات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ ذرات لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اکٹھے ہو کر ایک گروپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جنہیں بادل کہا جاتا ہے۔ ان بادلوں کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف شفاف ہوتے ہیں، سورج کی روشنی انہیں مزید سفید اور چمک دار بنا دیتی ہے اور جب وہ آسمانوں میں تیر رہے ہوتے ہیں تو ان سے مختلف تصاویر اور اشکال نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی آسمان پر بہت بڑا بادل بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے جب چھوٹے چھوٹے بادلوں کی بہت سی تہیں ایک جگہ اکٹھی ہو جاتی ہیں تو بڑے بادلوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسے بادل سورج کی شعاعوں کو زمین تک پہنچنے نہیں دیتے اور ان میں رکاوٹ ڈال دیتے ہیں فضا ابر آلود ہوتی ہے۔

ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ بادل آسمانوں پر بہت بلندی پر چلے جاتے ہیں جہاں بہت زیادہ سردی ہوتی ہے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے آبی بخارات جم جاتے ہیں۔ تب یہ ذرات ہوا میں نیچے کی طرف تواتر سے گرنا شروع ہو جاتے ہیں، جنہیں برف باری یا اولے پڑنا کہتے ہیں۔ پانی کے یہی قطرات جب آسمان کی بلندیوں کو چھوئیں تو بادل کہلاتے ہیں لیکن جب یہی بادل زمین کی سطح تک آجائیں تو انہیں دھند کہا جاتا ہے۔ پھر جب ہم دھند میں چل پھر رہے ہوتے ہیں تو گویا بادلوں کے اندر گھوم رہے ہوتے ہیں۔

(۲۱) رزق کا انتظام قدرت کی عظیم نشانی

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت رازق و رزاق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ قرآن مجید میں بے

شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت رازقیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق رسانی کے انتظامات کو اپنی قدرت کی عظیم نشانیوں میں شمار فرمایا ہے۔ زمین پر انسانی زندگی کے لیے جن لوازم و عناصر حیات کا وجود ضروری ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تخلیق فرما دیئے ہیں اور اپنی نگرانی میں خلق تک ان اسباب زیست کو پہنچا رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ بہم رسانی کو ہو جائے یا مفقود ہو جائے تو ہر قسم کی حیات کو جان کے لالے پڑ جائیں۔

چند آیات مبارکہ درج ذیل ہیں' ان میں غور و فکر کرنے سے رب تعالیٰ کی صفت رازقیت کا نہ صرف پتہ چلتا ہے، بلکہ رب تعالیٰ کے وسیع علم و حکمت اور اعلیٰ تدبیر کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ حالات کی ظاہری نامساعدت سے بددل ہو کر کوئی اللہ تعالیٰ کی رزق رسانی و کارسازی کے باب میں کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہو۔ رزّاق حقیقی رب تعالیٰ ہی ہے اور وہ بڑی ہی محکم قوت کا مالک ہے۔ جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) {إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ}

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔ (الذریات۔۵۸)

مطلب یہ ہے کہ اللہ خود ہی (سب کو) رزق دینے والا مضبوط قوت والا ہے۔ "هُوَ الرَّزَّاقُ" یعنی ساری مخلوق کو اللہ ہی رزق پہنچانے والا ہے اور خود رزق سے بے نیاز ہے۔ "ذُو الْقُوَّةِ" رزق پہنچانے پر بلکہ ہر مراد پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔ "اَلْمَتِيْنُ" بڑی قدرت والا۔

In fact, Allah is the All-Sustainer, Possessor of power, the Strong

(۲) {وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ}

ترجمہ: اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے وہ بڑا ہی سننے والا ہے۔ (العنکبوت۔ ۶۰)

How many an animal there is that does not carry its provision. Allah gives provision to it as well as to you

اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کی روزی کا انتظام خود فرمادیا۔ اللہ کی کتنی مخلوق ہے جو اپنی روزی ذخیرہ نہیں کرتی،۔ سب کا روزی رساں وہی اللہ ہے جو چیونٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں پرندوں کو ہواؤں میں اور مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ پھر جو ذات پاک (اللہ تعالیٰ) جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے، تو کیا وہ اپنے وفادار بندوں کو رزق نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہ ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے۔ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جاسکتی۔ مطلب یہ ہے کہ رزق کسی خاص جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لئے عام ہے، وہ جو بھی ہو جہاں بھی ہو مہیا فرماتا ہے۔ اکثر جانور ''نیا دن اور نئی روزی'' کے توکل پر عمل پیرا ہیں۔

سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکّل کرو جیسا توکل کرنے کا حق ہے، تو وہ تمہیں ایسی روزی دے جیسی پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح بھوکے خالی پیٹ اٹھتے ہیں شام کو سیر واپس ہوتے ہیں''

(۳) {وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ}

ترجمہ: اور (کون) تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے (یہ سب کچھ خدا ہی کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہر گز نہیں) کہہ دو کہ (مشرکو) اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو (النمل ۔ ۶۴)

And Who provides you sustenance from the sky and the earth?

کیا رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہے جو انسانوں 'حیوانوں' پرندوں 'حشرات اور تمام جانداروں کو روزی دیتا ہو؟ اور اگر رب کریم کسی کی روزی روک لے تو کون ہے جو روزی کا انتظام کر سکے؟ ہر گز کوئی نہیں صرف وہی رزاق ہے جو زبردست طاقت والا ہے۔ اسباب سماوی مثلاً چاند سورج اور ستاروں کا طلوع و غروب اور بارش وغیرہ اور اسباب ارضی مثلاً ہوا مٹی پانی وغیرہ سے۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر، زمین سے اس کے چھپے خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں آسمان و زمین کی برکتوں کو کھول دیتا ہے۔ دوسرے مقام پر جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

(۳) {اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ يَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ}

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا؟۔ (الملک ۔ ۲۱)

Or who is there to give you sustenance, if He withholds, His sustenance?

اللہ تعالی بارش نہ برسائے، یا بارش اور رزق پیدا کرنے والے اسباب (فطری) روک لے یا رزق پیدا کرنے والے اسباب کی اثر انگیزی ختم کر

دے۔ بارش ہو ہوا بھی چلے زمین کی زرخیزی بھی ہو مگر غلہ پیدا نہ ہو۔ یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے، جیسا کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے خوراک کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی اور ہے جو اللہ کی مشیت کے برعکس تمہیں روزی مہیا کر سکے؟۔

(۴) {وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا}

ترجمہ: اور روئے زمین پر جو بھی جانور موجود ہے اس کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔ (ہود۔٦)

There is no creature on earth whose sustenance is not undertaken by Allah.

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے، وہی زمین پر رہنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری، ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔ ایک ایک چڑیا کا گھونسلہ اور ایک ایک کیڑے کا بِل اس کے علم میں ہے اور وہ اس کی جگہ پر اس کو سامانِ زیست پہنچا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر جان دار کو، وہ جہاں بھی ہو۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا سمندروں کی تہوں میں، گھنے جنگلوں میں یا آباد شہروں میں، اس کا رزق پہنچا رہا ہے۔ اس حکیمانہ طریقہ کار کی صحیح توجیہ کرنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔

(۲۲) رزق کے انتظامات کا ذکر قرآن حکیم میں

رزق کے انتظامات کا ذکر قرآن حکیم متعدد مقامات پر متفرق اسالیب میں کیا گیا ہے اور انسان کو دعوت فکر دی گئی ہے کہ وہ قدرت کے مخفی

خزانوں اور نہاں سرچشمہ ہائے حیات کو دریافت کرے اور دیکھے اللہ رب العزت نے آسمان و زمین کی پنہائیوں میں اس کے لیے کیا کیا راحت و آرام کے سامان پیدا فرمائے ہیں۔

خالق کائنات نے بے شمار مخلوقات کو تخلیق فرمایا ان میں انسان کو اشرف المخلوقات تخلیق فرمایا، انسان کو زمین پر بھیجنے سے پہلے خالق نے رزق کے حصول کا انتظام فرما دیا، مختلف انواع واقسام کے رزق، اناج، غلے، پھل اور میوہ جات انسان کے لیے، بلکہ بقیہ تمام مخلوقات کے لیے ان کی فطری جبلوں کے عین مطابق مہیاء فرمادیے۔ نومولود کا رزق شکم مادر میں آنے سے پہلے ''الرزاق جل جلالہ'' نے انتظام فرمادیا۔ امر الٰہی سے بچہ کی پیدائش ہوتے ہی ماں کے سینے میں فطری ضرورت کے مطابق دودھ کی نہریں بچے کو رزق فراہم کرتی ہیں۔ الرزاق جل جلالہ ہی اپنی جملہ مخلوقات کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ اور وہ اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں تک رزق پہنچانے کے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ}

ترجمہ: اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست۔

(الذاریات:۵۸)

In fact, Allah is the All-Sustainer, Possessor of power, the Strong.

جو مخلوق جہاں ہے۔جس فطری ماحول میں بھی ان کا بسر اوقات ہے انھیں اپنے فطری ماحول میں رزق مہیا کرنے کے اسباب پیدا فرما دیے ہیں ،جس طرح مچھلی کو پانی میں حشرات کو زمین کی تہوں میں پہاڑی کیڑے کو پہاڑ کی چوٹی

میں رزق ملتا ہے۔ پروردگار نے حصول رزق کی جبلی خصوصیات تمام مخلوقات میں ودیعت فرما دی ہیں کھانا، پینا، فطری امور میں خالق فطرت نے انسان کو آزاد نہیں چھوڑا ہے۔

خالق کائنات نے زمین میں برکتیں رکھی ہیں۔ ان برکات سے مراد وہ حساب اور سر وسامان ہے جو کروڑں سال سے متواتر زمین کے پیٹ سے نکل رہا ہے اور خورد بینی کیڑوں سے لے کر انسان کے بلند ترین تمدن تک کی روز افزوں ضروریات پوری کی جارہی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی برکت تو ہوا اور پانی ہیں جن کے توسط سے ہی زمین پر نباتی، حیوانی اور پھر انسانی زندگی ممکن ہے اور یہ اسی برکت کا فیض ہی ہے کہ زمین ہر قسم کی نباتات اگاتی ہے.جس کے پھل اور پھول انسان اور جملہ مخلوقات کے کام آتے ہیں، یہ بھی اسی خیر و برکت کا سبب ہے کہ انسان ایک دانہ زمین میں بوتا ہے وہ اسے سینکڑوں دانوں کی شکل میں واپس کرتی ہے۔ انسان ایک گٹھلی یا ایک قلم زمین میں لگاتا ہے مگر پھل عرصہ دراز تک وہ اور اس کی نسلیں کھاتی ہیں۔ قرآن حکیم زمینی نشانیوں کی طرف انسان کو متوجہ کر رہا ہے کہ یہ خالق کائنات کے نشان ربوبیت میں سے ہیں۔ جس طرح آسمان شامیانے کی طرح، چمکتے ہوئے قمقموں کے ساتھ موجود ہے اسی طرح زمین نیچے اپنی گوناگوں نباتات کے ساتھ فرش بنی ہوئی ہے ۔ یہ رب ذوالجلال ہی کی قدرت و حکمت ہے کہ اس نے زمین پر پہاڑ گاڑ دیے جو اس کے توازن کو برقرار رکھے ہوئے ہیں ورنہ زمین ساری مخلوق کے ساتھ کسی ایک طرف لڑھک جاتی۔ خالق نے زمین میں جو چیزیں پیدا فرمائی انہیں ایک خاص توازن و تناسب' اصول و ضابطے کے

تحت پابند فرمایا۔ یہ اسی توازن و تناسب کی برکت ہے کہ زمین انسان کی رہائش اور تمدن و معیشت کے لیے سازگار ہوئی۔

انسان کے لیے کرہ ارض کی تخلیق جہاں وہ اپنی حیات کی مقررمدت پوری کرتا ہے دعوت غوروفکر ہے۔ زمین کو دیکھے اسے کتنا وسیع و عریض بنادیا ہے ۔ اربوں کی تعداد میں تو صرف انسان اس دنیا میں بس رہے ہیں۔ اسی زمین پر ان کے رہنے کے مکانات اور وسیع سیر گاہیں بھی ہیں۔ انسانوں کے علاوہ بے شمار انواع کے چرندوپرند کا بھی یہ مسکن ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ کرنا ہوتو ذرا ان صحراؤں کو دیکھیں جو لاکھوں میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ تمام اشیاء خالق کائنات کی تخلیق کردہ زمین میں سمائی ہوئی ہیں اوراس کے باوجود زمین کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے، جس خالق نے اتنی وسیع زمین بنائی اس میں انسانی آسائش کے لیے تمام ضروری سامان مہیا کیے' اس کی الوہیت اوروحدانیت کا انکار عقل سلیم والاانسان نہیں کرسکتا۔

زمین پر نباتات اور حیوانات وجود میں آئے اور خوب پھیلے ان میں ہر ایک کے اندر بڑھنے کی صلاحیت ہے ۔انہیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لیے خاص اندازہ مقرر ہے۔ ہر چیز بڑھتے بڑھتے ایک خاص حد پر رک جاتی ہے، وہ اس سے آگے نہیں بڑھتی مثلاً پودوں اور درختوں میں اپنی نسل بڑھانے کی اتنی زیادہ استعداد ہے کہ اگر کسی ایک پودے کو اس کی اندرونی استعداد کے اعتبار سے بڑھنے دیا جائے تو کچھ عرصہ بعد ساری سطح زمین پر درخت ہی درخت نظر آئیں۔ عالم حیوانات پر نظر ڈالیں انہیں کثرتِ افزائش نسل کی صلاحیت عطا فرمائی مگر ان کی تعداد ایک خاص حد تک اپنے علم و

حکمت سے رک دیتا ہے۔ اسی طرح بعض میں اپنی جسامت بڑھانے کی صلاحیت اتنی زیادہ ہے جیسے پتنگے کو اگر بڑھنے دیا جائے تو وہ ہاتھی کے برابر ہوجائے۔ مگر قدرت ایک خاص حد پر اس کی جسامت کو بڑھنے روک دیتی ہے۔ اگرمذکورہ اشیاء اپنی مقررہ حد پر نہ رکیں تو زمین پر بقیہ مخلوقات کے لیے رہائش ناممکن ہوجائے۔ انسان کو معیشت اور تمدن کے لیے جتنی اشیاء کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ یہ ساری زمین پر پہلے مہیا کردی گئی ہیں ان تمام کی فراہمی اور ہر ایک کی بقا کا انتظام خالق کائنات کے حکم سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) {وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ٥ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ}

ترجمہ: اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی اور اس میں تمہارے لیے روزی کے اسباب بنا دیئے اور ان کے لیے بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔ (الحجر۔ ۲۰)

As for the earth, We have stretched it out and placed on it firm mountains, and We have caused to grow in it everything well-balanced, and created in it sources of sustenance for you and those (creatures) for whom you are not the sustainers.

معاش کا واحد ''معیشۃ'' ہے اس سے معنی وسائل معاش کے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء، نوکر، غلام اور جانور بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ جانوروں کو تابع فرمایا جن پر سواری بھی کرتے ہیں، سامان بھی لاد کر لے جاتے

ہیں اور انہیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہیں۔ یہ سب انسان ماتحت ہیں ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی انسان کرتے ہیں لیکن ان سب کا حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) {وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا}

ترجمہ: اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) رکھی اور اس میں سب سامان معیشت (جملہ مخلوق کے لئے غذائیں) مقرر کیا ۔ (حٰم السجدہ۔ ۱۰)

He has placed firm mountains in it (the earth) towering above it, And put blessings in it, and proportioned its foods therein

''کائنات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کی تخلیق کئی دوروں میں تدریجی طور پر ہوئی ہے۔ تدریجی تخلیق دوسرے لفظوں میں منصوبہ بند تخلیق ہے۔ اور جب کائنات کی تخلیق منصوبہ بند انداز میں ہوئی ہے تو یقینی ہے کہ اس کا ایک منصوبہ ساز ہو جس نے اپنے مقررہ منصوبہ کے تحت اس کو ارادۃً بنایا ہو۔

اسی طرح یہاں زمین کے اوپر جگہ جگہ پہاڑ ہیں جو زمین کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں کروڑوں قسم کے ذی حیات ہیں۔ ہر ایک کو الگ الگ رزق درکار ہے۔ مگر ہر ایک کا رزق اس طرح کامل مطابقت کے ساتھ موجود ہے کہ جس کو جو روزی درکار ہے وہ اپنے قریب ہی اس کو پالیتا ہے۔ اسی طرح کائنات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ تمام چیزیں ابتداءً منتشر ایٹم کی صورت میں تھیں۔ پھر وہ مجتمع ہو کر الگ الگ اشیاء کی صورت میں متشکل ہوئیں۔ اسی طرح کائنات

کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیع کائنات کی تمام چیزیں ایک ہی قانون فطرت میں نہایت محکم طور پر جکڑی ہوئی ہیں۔ یہ مشاہدات واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق علیم اور خبیر ہے۔ وہ قوت اور غلبہ والا ہے۔ پھر دوسرا کون ہے۔جس کو انسان اپنا معبود قرار دے۔" (تذکیر القرآن)

"وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا" سے مراد ہے کہ خالق کائنات نے زمین کی آغوش میں جس قدر مخلوقات ڈالی ہیں اسی حساب و کتاب سے اس میں غذائی ذخائر بھی جمع کر دیے ہیں۔ یہ ذخائر تاقیامت انسانوں کی طرف سے کی جانے والی سعی و تدبیر کے نتائج سے برآمد ہوتے رہیں گے۔ زمین پر جو بھی مخلوق پیدا ہوگی ان کے حصے کا رزق خالق نے زمین کی تحویل میں عطا فرما دیا ہے رزق حاصل کرنے کی تدابیر بھی انسان کو الہام فرمادیں ہیں۔ خالق نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے اپنے علم واسع 'حکمت بالغہ' تدبر اور قدرت کاملہ سے ان کے لیے خوراک اور روزی کے مناسب انتظامات فرمادئیے۔ زمین کو بارش کا پانی جذب کرکے ہر طرح کے پھل 'غذائی اجناس اگانے کا حکم فرمادیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۳) {وَهُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِۦ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَٰبِهٍ ٱنظُرُوٓا۟ إِلَىٰ ثَمَرِهِۦٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَيَنْعِهِۦٓ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَأٓيَٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ}

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے

ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے ان کے گچھے میں سے، خوشے ہیں جو نیچے کو لٹک جاتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار بعض ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو ان میں دلائل ہیں' ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ (انعام۔ ۹۹)

''موجودہ زمانے میں جن لوگوں نے مارکسی تصور اشتراکیت کا اسلامی ایڈیشن قرآنی نظام ربوبیت کے نام سے نکالا ہے وہ "سواءً للسّائِلین" کا ترجمہ سب مانگنے والوں کے لیے برابر کرتے ہیں، اور اس پر استدلال کی عمارت یوں اٹھاتے ہیں کہ اللہ نے زمین میں سب لوگوں کے لیے برابر خوراک رکھی ہے، لہٰذا آیت کے منشا کو پورا کرنے کے لیے ریاست کا ایک ایسا نظام درکار ہے جو سب کو غذا کا مساوی راشن دے، کیونکہ انفرادی ملکیت کے نظام میں وہ مساوات قائم نہیں ہو سکتی جس کا یہ قرآنی قانون تقاضا کر رہا ہے۔ لیکن یہ حضرات قرآن سے اپنے نظریات کی خدمت لینے کے جوش میں یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سائلین، جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، صرف انسان ہی نہیں ہیں بلکہ مختلف اقسام کی وہ سب مخلوقات بھی ہیں جنھیں زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا واقعی ان سب کے درمیان، یا ایک ایک قسم کی مخلوقات کے تمام افراد کے درمیان خدا نے سامان پرورش میں

مساوات رکھی ہے؟ کیا فطرت کے اس پورے نظام میں کہیں آپ کو غذا کے مساوی راشن کی تقسیم کا انتظام نظر آتا ہے؟ اگر واقعہ یہ نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نباتات اور حیوانات کی دنیا میں، جہاں انسانی ریاست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ریاست براہ راست تقسیم رزق کا انتظام کر رہی ہے، اللہ میاں خود اپنے اس قرآنی قانون کی خلاف ورزی.... بلکہ معاذ اللہ، بے انصافی.. فرما رہے ہیں! پھر وہ یہ بات بھی بھول جاتے ہیں کہ سائلین میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جنہیں انسان پالتا ہے، اور جن کی خوراک کا انتظام انسان ہی کے ذمہ ہے۔ مثلاً بھیڑ بکری، گائے، بھینس، گھوڑے، گدھے، خچر، اور اونٹ وغیرہ۔ اگر قرآنی قانون یہی ہے کہ سب سائلین کو برابر خوراک دی جائے، اور اسی قانون کو نافذ کرنے کے لیے نظام ربوبیت چلانے والی ایک ریاست مطلوب ہے، تو کیا وہ ریاست انسان اور ان حیوانات کے درمیان معاشی مساوات قائم کرے گی؟" (تفہیم القرآن)

(۲۳) فراخ اور تنگ رزق میں قدرت کی نشانیاں

فراخ اور تنگ رزق میں بھی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یہ دنیا دارالامتحان ہے اس میں فقر اور غنا دونوں طرح انسان کا امتحان لیا جارہا ہے۔ تنگی رزق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالی اس لیے اس کی روزی مین کمی کر رہا ہے وہ اس سے ناراض ہے یا کثرت رزق سے یہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالی اس پر مہربان ہے بلکہ دونوں حالتیں امتحان کی ہیں اصل سزا و جزا تو عالم آخرت میں مرتب ہوگی۔ کسی انسان کے لیے رزق کا کشادہ ہونا اور کسی کے لیے اس کا

تنگ ہو جانا یہ مشاہدہ انسان روز کرتا رہتا ہے۔ ہر انسان کو مختلف قسم کے حالات پیش آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے اور کبھی جیب میں ایک پیسہ تک بھی نہیں ہوتا۔ مومنوں کو حالات کے اس ردو بدل میں حکمت الٰہی کے کئی جلوے نظر آتے ہیں۔ مؤمن اس تقسیم رزق سے سبق حاصل کرتے ہیں کہ کافر و مشرک کے اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے، اور اس کے بر عکس ایمان کے اخلاقی نتائج کیا ہیں؟۔ جو انسان صدق دل سے اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اسی ذات کو رزق کے خزانوں کا مالک سمجھتا ہو، وہ کبھی اُس کم ظرفی کا شکار نہیں ہوسکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ}

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی ہی جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جسکے لئے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے؟ بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (الروم۔۳۷)

Did they not see that Allah extends provision to whomsoever He wills, and straitens (it for whomsoever He wills) Surely in this there are signs for a people who believe

مومن کشادہ رزق پر تکبر نہیں کرتا، بلکہ شکر کرکے اللہ کی مخلوق کے ساتھ تواضع اور فیاضی سے پیش آئے گا، اور اللہ کا مال اسکی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرے گا۔ رزق تنگی کے ساتھ ملے، یا فاقے ہی کرنے پڑیں، پھر بھی صبر کا دامن تھامے رکھے گا، دیانت و امانت اور خودداری اس کا شیوہ

ہوگا، اور آخر تک اللہ سے رحم و کرم کی آس لگائے رہے گا۔ بے شک یہ اعلی اخلاقی بلندی نہ کسی دہریے کو نصیب ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی مشرک بے دین کو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) {لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ}

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بیشک وہ ہر چیز سے واقف ہے (الشوریٰ۔ ۱۲)

To Him belong the keys of the heavens and the earth. He extends provision for whomsoever He wills, and straitens (it for whomsoever He wills). Surely He is All-Knowing in respect of every thing

(۳) {وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ٥ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ}

ترجمہ: اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے وہ بڑا ہی سننے والا ہے۔ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (العنکبوت۔ ٦٠)

رزق میں وسعت یا کمی پروردگار کی حکمت و مصلحت

اہل ایمان کو تسلی دی جارہی ہے کہ ان کے پاس وسائل رزق کی فراوانی اگر نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ نہیں ہے بلکہ رزق میں وسعت یا کمی کا تعلق تو اللہ کی حکمت و مصلحت سے ہے وہی بہتر جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنا دے اور اپنے احباب کو اتنا ہی دے کہ جس سے ان کا مشکل سے گذارہ ہو سکے۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جسے چاہے زیادہ دے، وہ اس کا پیارا نہ ہو، اسی طرح آپ کے ہاتھ روکنے سے آپ غنی اور دوسرا فقیر نہیں بن جاتا۔ نہ آپ کی سخاوت سے وہ غنی اور آپ فقیر بن سکتے ہیں۔ فقیر و غنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ افسوس آج ہمارے پاس نہیں ہے، یہ فقیر جو امید لے کر آیا تھا کیا کہے گا۔ فقروغنا کے مختلف احوال بھیجنا اسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ آپ کا کام میانہ روی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ○ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا}

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کر لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل ہی کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ یقیناً تیرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے۔ (الاسراء۔ ۲۹)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں: ''محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا، اس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں، اللہ کے ذمہ ہے۔ لیکن یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام کو فرمائی ہیں جو بیحد سخی واقع ہوئے تھے۔ باقی جس کے جی سے مال نہ نکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا۔ حکیم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم''۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے باخبر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے موافق معاملہ فرماتا ہے۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی درستی حالت فقر کے اندر رہنے میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اس کے برعکس بعض بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اس کے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غنائے ظاہری محض امہال و استدراج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ}

ترجمہ: وہی ہے جو تمہیں اپنی (نشانیاں) دکھلاتا ہے اور تمہارے لئے
آسمان سے روزی اتارتا ہے نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے
ہیں جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتے ہیں۔ (غافر۔۱۳)

It is He who shows you His signs and sends down provision for you from the sky; and no one takes lesson but the one who turns to Him

اہل ایمان سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا کم یا زیادہ ہونا سب پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ انسان پر جو حالات آئیں صبر و شکر کرنا چاہیئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے، اور ڈرتا رہے کہیں چھین نہ لی جائے اور مشکل کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مشکلات دور فرما دے گا۔

''اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت سے کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ عقل و شعور میں اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہستی ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات کرتا ہے علاوہ ازیں وہ کبھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج کر دیتا ہے اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے اور یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں''۔
(احسن البیان)

رزق کی کشادگی اور تنگی میں دلائلِ توحید باری تعالیٰ

رزق کے خزانے اللہ تعالی کی دست قدرت میں ہیں وہ جس کے لیے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے کسی کی مجال نہیں اعتراض کرسکے۔ یقینا رزق تقسیم کرنے میں بھی اس کی حکمت کی صدہا نشانیوں میں سے ہیں حقیقت میں ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دل نور ایمان سے منور ہوتے ہیں' اسی طرح دنیا میں روزق کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی انسان کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے۔ رزق کا زیادہ یا کم ملنا عقل و ذہانت اور علم و لیاقت پر ہرگز منحصر نہیں ہے۔ سب کے مشاہدے میں ہے کہ بیوقوف یا فاسق مزے اڑارہے ہیں، اور ذہین اور متقی انسان فاقے سے گزار رہے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ}

ترجمہ: اور کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے؟ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ (الزمر۔ ۵۲)

Do they not know that it is Allah who extends provision to whomsoever He wills, and straitens (it for whomsoever He wills). Surely in that, there are signs for a people who believe.

(۲۴) خوشخبریاں دینے والی ہواؤں میں نشانیاں

نزول باران رحمت سے پہلے کی ہوائیں

خوشخبریاں دینے والی ہواؤں میں بھی باری تعالیٰ کی آیات (نشانیاں) کارفرما ہیں۔ انسان چشم بصیرت کھول کر دیکھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ یہ ٹھنڈی اور عطر بیز ہوائیں اس کے لیے کس قدر راحت افزا ہیں اور اس کے قلب و جان کو کس قدر شاہانی مسرت عطا کر رہی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡـفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ}

ترجمہ: اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کیلئے اور تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرنے کے لیے اور اس غرض کے لیے کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو (الروم۔۴۶)

And among His signs is that He sends winds giving good news (of rain), and so that He gives you a taste of His mercy, and that the ships may sail with His command, and that you may search for His grace, and you may be grateful.

یہ آیت کریمہ بہت ہی جامع ہے اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کی تمام نشانیوں (مظاہر ربوبیت) کا ذکر اختصار سے کیا گیا ہے۔ ہواؤں کے نظام

سے جڑے ہوئے ان تمام مظاہر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں جو تم میں موجود ہیں ان کا انکار کوئی دل کا اندھا ہی کر سکتا ہے۔ بارش کے آنے سے پہلے بھینی بھینی ہواؤں کا چلنا اور لوگوں کو بارش کی امید دلانا۔ اس کے بعد بارش برسانا تاکہ بستیاں آباد ہوں اور جاندار زندہ رہیں سمندروں اور دریاؤں میں جہاز اور کشتیاں چلیں، کیونکہ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ ان جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہو۔

(۲۵) شہد کی مکھی، غور و فکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی

شہد کی مکھی بھی عجائبات قدرت میں سے ہے ان کی منظم زندگی انسانوں کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔ وہ جس انداز رس چوس کر شہد تیار کرتی اور اس کی حفاظت کے لیے چھتہ بناتی ہیں وہ انجنیرنگ اور کیمیاوی اشیاء کی تیاری میں انسانوں کے لیے بھی ایک رول ماڈل اور اعلیٰ نمونہ کا کام دیتا ہے یہ بھی جملہ عجائب قدرت الٰہی میں سے ہے۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں جو عام مکھی یعنی ذباب سے بڑی ہوتی ہے۔ وحی سے مراد یہاں پر الہام، ہدایت اور ارشاد ہے یا فطری اشارہ یا وہ تعلیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی جبلت میں رکھی ہے جس طرح بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے تاکہ وہاں سے اپنے لیے غذا حاصل کر سکے حالانکہ اس وقت وہ بے سمجھ ہوتا ہے۔ یہ اسی فطری (اوحیٰ) الہام کا اثر ہے کہ شہد کی مکھی پھلوںسے رس حاصل کر کے

شہد بنا لیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ o ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ}

ترجمہ: آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی ٹٹیوں میں اپنے گھر (چھتے) بنا۔ اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے 'جس کے رنگ مختلف ہیں' اور جس میں لوگوں کے لئے شفا' ہے غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔ (النحل۔ ٦٩)

Then, eat from all the fruits, and go along the pathways of your Lord made easy for you. From their bellies comes out a drink of various colors in which there is cure for people. Surely, in that there is a sign for a people who ponder

قرآن پاک اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ شہد کی مکھی کے پیٹ سے مختلف قسم کی رطوبتیں خارج ہوتی ہیں۔ جن کو علم طب میں (enzymes) کہتے ہیں۔ یہ جو کئی امراض کے علاج کے لیے مفید ہیں۔

شہد کی مکھی قدرت کا ایک حیرت انگیز شاہکار ہے۔ ریاضی کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے انتہائی معیاری قسم کا چھتہ بناتی ہے۔ پھر خاص منصوبہ

بندی سے پھولوں کا رس چوس کرلاتی ہے۔ اس کو ایک مکمل نظام کے تحت چھتوں میں ذخیرہ کرتی ہے۔ پھر صحت کے قوانین کے مطابق شہد جیسی منافع بخش چیز تیار کرتی ہے جو انسان کے لیے غذا بھی ہے اور دواء بھی۔ یہ سب کچھ اتنے عجیب اور ایسے منظم انداز سے ہوتا ہے کہ اس پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں پھر بھی اس کی تفصیل مکمل نہیں ہوئی۔

شہد کا یہ معجزاتی کارخانہ تمام انسانی کارخانوں سے زیادہ پیچیدہ اور زیادہ کامیاب ہے۔ تاہم بظاہر وہ ایسی مکھیوں کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے۔ جنہوں نے کہیں اس فن کی تعلیم نہیں پائی۔ حتیٰ کہ ان کو اپنے اعمال کا ذاتی شعور بھی حاصل نہیں۔ اس سے باآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ کوئی اس نظام کو چلانے والا ہے جو اپنی مخفی ہدایات کے ذریعہ مکھیوں سے یہ سب کچھ کروا رہا ہے۔ شہد کی مکھیوں کو اگر کوئی دیکھنے والا دیکھے تو وہ ان کی حیران کن حد تک بامعنی سرگرمیوں میں قدرت کی کارفرمائی کا زندہ مشاہدہ کرنے لگے گا۔

شہد کی مکھی کی مثال دینے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح شہد کی مکھی بہت زیادہ محنت کے ذریعہ پھولوں کا رس چوس کر شہد بناتی ہے جس میں لوگوں کے لیے غذا اور شفا ہے۔ اسی طرح انسانوں کو چاہیئے کہ وہ اس کائنات میں غور وفکر کر کے علم و حکمت کی وہ چیزیں حاصل کریں جو ان کی روح کی غذا بھی ہوں اور ان کی اخلاقی بیماریوں کا علاج بھی۔ جو اشیاء شہد کی مکھی کے لیے "رس" ہیں وہی انسان کی سطح پر پہنچ کر "معرفت" بن جاتی ہیں۔''

شفاء للناس

بہت سی بیماریوں کے علاج کے لیے صرف شہد یا کسی دوسری دوا میں

شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن نے شہد کو شفاء للناس کہا ہے۔ جس کی افادیت کو آج سائنس نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ شہد کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ زرد، سفیدی مائل یا سرخی مائل یا سیاہی مائل۔ اوران رنگوں کے بھی مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ تاہم ہر قسم کے شہد میں چند مشترکہ خواص ہیں۔ سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ یہ بہت سی بیماریوں کیلیے شفا کا حکم رکھتا ہے۔ ماسوائے اس کے کہ یہ مریض خود سوء مزاج کا شکار ہو جیساکہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دست آرہے تھے اس کا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں اضافہ ہوگیا۔ اس نے پھر حاضر ہوکر عرض کیاکہ دست زیادہ آنے لگے فرمایا:

"صَدَقَ اللّٰهُ وَ كَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ"

(اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے) پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہی کیفیت ہوئی۔ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے اور طبیعت صاف ہوگئی۔

اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں 'کیموس فاسد'' ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لیے دست آتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ مسہلات دی جائیں تاکہ وہ 'کیموس فاسد'' خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں گویا حضور ﷺ کا مشورہ اس طبی اصول کے موافق تھا۔ اس حدیث پاک پر ڈاکٹر خالد غزنوی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''یہ حدیث علم العلاج اور ماہیت

مرض کے بارے میں ایک روشن راہ ہے، کیونکہ اسہال کا سبب آنتوں میں سوزش ہے، جو کہ جراثیمی زہر یعنی Toxin یا وائرس سے ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے مریض کی آنتوں میں حرکات کو فوری طور پر بند کر دیا جائے تو سوزش بدستور رہے گی یا جراثیمی زہر وہیں رہ جائے گا۔ اس لیے علاج کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے آنتوں کو صاف کیا جائے۔ پھر جراثیم مارے جائیں۔ شہد میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ یہ دونوں کام کر سکتا ہے''۔

(۲۶) سورج کا مقررہ راستے پر چلنا قدرت کی نشانی

سورج کا مقرر راستے پر ہم شب و روز محو سفر رہنا خداوند قدوس کی قدرت کاملا کا ایک بین نشان ہے۔ یہ خالق کائنات کا ایسا شہکار عظیم ہے جس کا جلوہ ہر آنکھ ہمہ وقت کر رہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) {وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ}

ترجمہ: اِن کے لیے ایک اور نشانی رات ہے، ہم اُس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو اِن پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے (یہ) خدائے غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے (یسین۔۳۸)

And a sign for them is the night. We strip (the cover of) the day from it, and they are suddenly in darkness.? And the sun is quickly proceeding towards its destination. That is the designing of the All-Mighty, the All-Knowing.

(۲) {وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا}

ترجمہ: اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا 'اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔ (نوح۔۱۶)

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ سورج اپنے اس مدار (فلک) پر چلتا رہتا ہے، جو رب تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کردیا ہے، اسی سے اپنی صبح کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر اختتام کرتا ہے۔ یہ پوری پابندی کے ساتھ اپنے ایک مقررہ محور و مدار پر گردش کرتا ہے۔ مجال ہے کہ اپنے محور و مدار سے ذرا ہٹ سکے یا اس کی پابندئ اوقات میں منٹ یا سیکنڈ کا بھی فرق آسکے۔ اپنے مقرر راستے سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوتا، کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے۔ قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ ایک وقت آئے گا جب اسے حکم دیا جائیگا کہ جہاں سے غروب ہوا ہے ادھر واپس آئے یہی وقت ہے جب باب توبہ بند کردیا جائے گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ گردشِ شمس و قمر کا مرہونِ منت ہے۔ روزاول سے نہ سورج اور نہ چاند کا محور بدلتا ہے اور نہ ان کی رفتار میں تبدیلی آتی ہے اس کے باوجود ان کی گردش سے عالمِ وجود میں آنے والا ہر دن اپنے گذشتہ دن سے کیفیت میں مختلف ہوتا ہے۔ ہر نیا دن اپنا الگ وجود رکھتا ہے۔ اس کا دورانیہ اور موسم مختلف ہوتے ہیں۔ مزید امتیاز یہ کہ چاند سورج اور زمین کی گردش ساری کائنات پر یکساں اثرات مرتب نہیں کرتی۔ کسی خطے میں سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے تو کسی خطے میں غروب ہورہا ہے۔ اگر کسی جگہ اندھیرا پھیل رہا ہوتا ہے تو کہیں پر روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ کسی جگہ گرمی کی شدت لوگوں کو جھلسا رہی ہوتی ہے تو کہیں

برف باری عذابِ جان بنی ہوتی ہے اور تو اور کسی خطے کے لئے موسمِ گرما نعمت بن کر آتا ہے تو کسی خطے کے لئے زحمت۔ کسی خطے والے موسمِ سرما کے آنے کا انتظار کرتے ہیں تو کوئی اس کے جانے کا، موسم کی یہ تبدیلیاں بھی اسی سورج اور زمین کی گردش کے سبب سے ہیں جو سب کے لئے مشترک ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اپنے آپ ہو رہا ہے یا اس کے پیچھے کوئی مدبر اور کارفرما طاقت ہے؟۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پیچھے ایک مقتدر اور علیم و حکیم ذات ہے جس کے قبضے میں ہر چیز ہے اور وہ اپنے بنائے ہوئے نقشہ اور اپنے قدرت کے منصوبہ کے مطابق ہر چیز کو استعمال کر رہی ہے۔

Surely, in the creation of the heavens and the earth, and in the alternation of night and day, there are signs for the people of wisdom

حدیث پاک میں ہے کہ سورج روزانہ غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ (صحیح بخاری)

(۲۷) رات اور دن کی آمد و رفت قدرت کی عظیم نشانی

رات اور دن کی آمد و رفت بھی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔ یہ سلسلہء روز شب ابد سے قائم ہے اور سورج کے بے نور ہونے اور قیامت قائم ہونے تک سورج کے طلوع و غروب کی صورت میں گردش لیل و نہار کی حالت میں قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کائناتِ ہستی میں حضرتِ انسان

کی تخلیق احسن تقویم پر فرمائی اور دوسری تمام مخلوقات کو اس کے آگے مسخّر کر دیا۔ گویا نباتات و جمادات 'چرند و پرند' ستارے اور سیارے، سورج اور چاند سب کو انسانوں کی خدمت پر لگا دیا اور انسانوں کو ایک قلیل متاع حیات دے کر اس دنیا میں مختصر سی مدت کے لئے بھیج دیا اور اس کے لئے دنیا میں مختلف حالات مقدر کر دیئے۔ شب و روز کا نہایت انوکھا نظام تشکیل فرما کر اس کے بطن سے روز نئے حادثات رونما کرنے کا انتظام فرمایا جن سے انسان آئے دن دوچار ہوتا رہتا ہے۔ بقول اقبالؒ:

سلسلۂ روز و شب ، نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب ، اصلِ حیات و ممات

(۱) {وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ}

ترجمہ: اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے (ذریعہ) رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (الجاثیہ۔۵)

And in the alternation of the day and the night, and in the provision He has sent down from the sky, then has revived the earth after its death, and in changing of the winds, there are signs for a people who understand

اگر ہمیشہ رات یا ہمیشہ ہی دن ہوتا تو اس کائنات کا منظر خوشنما اور دلفریب نہ ہوتا جیسے اب ہے۔ رات دن کا باقاعدگی سے یکے بعد دیگرے

آنا، پھر ایک کا گھٹتے چلے جانا اور دوسرے کا بڑھنا اپنے اندر بے شمار دلائل رکھتا ہے جو اہل بصیرت کو پکار پکار کر دعوت فکر دے رہے ہیں کہ اس نظام کائنات کو چلانے والا بڑی حکمت وقدرت، وسیع علم و تدبر والا ہے۔ کرہ ارض کی بوقلمونیوں کو دیکھتے ہی صاحب بصیرت انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے تخلیق کرنے والے کی قدرت، حکمت اور علم بینظیر اور لاجواب ہے اور ان حقائق کے مشاہدہ کے بعد ہر وہ انسان جس کے قلب میں یقین ایمان کی روشنی موجود ہے اور عقل و شعور کا چراغ منور ہے وہ اس سے باآسانی علم و معرفت کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم جدید سائنسی دور سے پہلے نازل ہوا مگر سائنسی دور میں بھی اس کی کی کوئی بات خلاف عقل ثابت نہیں ہو سکی۔ کائنات کی تمام اشیاء کلام اللہ کے آفاقی پیغام کی تصدیق بن گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

(۲) ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ (آل عمران ۔ ۱۹۰)

رات اور دن کی آمد و رفت میں انسانوں کے لیے یہ عظیم فائدہ بھی ہے کہ برسوں کا حساب کتاب اور دنوں کی گنتی معلوم کر سکیں۔ اگر متواتر دن یا رات ہوتی تو تاریخ کے علم کا انسان فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

{وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا}

ترجمہ: ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنایا ہے، رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم لوگ اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور اس لئے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو اور ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما دیا ہے۔ (الاسراء۔ ۱۲)

We have made the night and the day two signs, then We made the sign of night marked by darkness and the sign of day bright, so that you may seek grace from your Lord, and that you may know how to number the years and how to compute, and We have expounded everything in detail

عقلمند انسان جب آسمان و زمین کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتا ہے اسے کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم نظام ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے۔ جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ عمل سے باہر نکل سکے۔ اتنی طویل و عریض کائنات کا یہ نظام، جس میں ذرہ بھر خلل واقع نہیں ہوتا، بے شک اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی ہے اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ حق

تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اسی ذات نے بغیر ستون کے آسمان ' فلک میں گردش کرنے والے سیارے اور تاروں کا نظام، ہر ایک کا اپنی حدود میں گردش کرنا، انسان، چرند پرند، مچھلیاں، رات اور دن کی منظم گردش، بارش کا ماحول، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ انسان اگر خلوص دل سے ان پر غور و فکر کرے تو اس کا وجود عظمت الٰہی سے لرز اٹھے اور اپنے آپ کو قدرت الٰہی کے حوالے کر دے۔ قرآن پاک نے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ یہ (آیات) نشانیاں صرف انھیں انسانوں کے لیے نشان راہ کا کام دیں گی جو عقل سلیم سے کام لیں گے اور ان پر غور و فکر کر کے حق تعالیٰ کی معرفت تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

(۲۸) سمندر کی تسخیر میں قدرت کی نشانی

سمندر کی تسخیر بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اتنے مہیب اور عظیم سمندر کو انسان اپنی حاجات کی تسکین کے لیے استعمال کرتا ہے اس میں بادبانی اور جہاز رانی انسانوں اور ان کے سامان کی نقل و حمل کے لیے استعمال ہوتے ہیں دیکھنے والوں اور صاحب بصیرت کے لیے اس نشانی میں درس پند و موعظت ہے۔ خالق کائنات اپنی قدرت کی نشانی بتا رہا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے۔ جس میں کشتیاں برابر آمد و رفت کر رہی ہیں۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر وہ خود اور ان کے ساتھ ایماندار بندے نجات پا گئے تھے باقی روئے زمین پر ایک انسان بھی نہ بچا تھا، ہم نے اس زمانے والے لوگوں کے آباؤ اجداد کو کشتی میں بٹھا لیا تھا

جو بالکل بھرپور تھی۔ کیونکہ اس میں ضرورت کا کل اسباب بھی تھا اور ساتھ ہی حیوانات بھی تھے جو اللہ کے حکم سے اس میں بٹھا لیئے گئے تھے ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا تھا، وہ جہاز بڑا باوقار مضبوط اور بوجھل تھا، یہ صفت بھی صحیح طور پر حضرت نوح کی کشتی پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح خشکی کی سواریاں بھی اللہ نے ان کے لیئے پیدا کر دی ہیں مثلاً اونٹ جو خشکی میں وہی کام دیتا ہے جو تری میں کشتی دیتی ہے۔ اسی طرح دیگر چوپائے جانور ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کشتی نوح نمونہ بنی ہو اور پھر اس نمونے پر اور کشتیاں اور جہاز بنتے چلے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ}

ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لیئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ (یسین۔ ۴۱)

And it is a sign for them that We boarded their children in the loaded ship

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے یعنی جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر لیا تاکہ اسے تمہارے لیئے ایک یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے اسے یاد رکھیں۔ ہمارے اس احسان کو فراموش نہ کرو کہ سمندر سے ہم نے تمہیں پار کر دیا اگر ہم چاہتے تو اسی میں تمہیں ڈبو دیتے اور اگر کشتی ڈوب جاتی کوئی نہ ہوتا جو اس وقت تمہاری فریاد رسی کرتا نہ کوئی ایسا تمہیں ملتا جو تمہیں بچا سکتا۔ لیکن یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ خشکی اور تری کے لمبے چوڑے سفر تم با آرام و راحت سے طے کر رہے ہو اور ہم تمہیں اپنے ٹھہرائے ہوئے وقت تک ہر طرح سلامت رکھتے ہیں۔ سورۃ الجاثیہ میں

ارشاد فرمایا:

{اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ}

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیئے دریا کو تابع بنا دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔ (الجاثیہ۔ ۱۲)

Allah is the One who has subjugated for you the sea, so that the ships may sail in it with His command, and so that you may seek His grace, and so that you offer gratitude.

اس آیت میں سمندر کے مسخر کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ انسان اس کے ذریعے اللہ کا فضل تلاش کرے۔ آج کی سائنس نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ سمندر اور اس کی تہہ میں بہت ساری معدنی و حیوانی نعمتیں پوشیدہ ہیں۔ اللہ تعالی نے بحر و بر میں، خشکی اور تری میں، میدانوں اور پہاڑوں میں، جنگلوں اور صحراؤں میں ہر جگہ اپنے مظاہر قدرت اور حکمت اور انعامات کا عالم سجا رکھا ہے تاکہ انسان اپنے منعم حقیقی کو پہچان کر اس کا شکر ادا کرے

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ}

ترجمہ: اور وہی تو (تمہارا رب) ہے جس نے دریا کو تمہارے اختیار میں کیا

تاکہ اس میں سے تازہ گوشت (مچھلیاں) کھاؤ۔ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جسے تم پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر میں پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ (اسکا) شکر کرو۔ (نحل ۱۴)

He is the One who has subjugated the sea, so that you may eat fresh meat from it, and may take out from it ornaments you wear, and you see the boats cleaving through it, and so that you may seek His bounty, and that you may be grateful.

''سمندر میں لوہے کا ٹکڑا ڈالیں تو فوراً ڈوب کر پانی کی تہ میں چلا جائے گا۔ مگر اسی لوہے کو جب جہاز کی شکل دے دی جائے تو وہ بھاری بوجھ لیے ہوئے سمندر میں تیرنے لگتا ہے اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ خدا کا خاص قانون ہے. جس کے ذریعہ اس نے سمندر جیسی مہیب مخلوق کو انسان کے لیے کار آمد بنا رکھا ہے۔ اسی طرح سمندر کے اندر حیرت ناک انتظام کے تحت مچھلی کی صورت میں تازہ گوشت تیار کیا جاتا ہے اور اس کے اندر انسانی زینت کے لیے قیمتی موتی بنتے ہیں۔ خدا کے لیے انتظام دنیا کی دوسری صورتیں بھی ممکن تھیں۔ مثلاً ایسا ہو سکتا تھا کہ زمین پر سمندر نہ ہوں یا انسان جس طرح خشکی پر چلتا ہے اسی طرح وہ سمندر میں چلنے لگے۔ مگر خدا نے ایسا نہیں کیا اس کا مقصد آدمی کے اندر شکر گزاری کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ آدمی جب اپنے پیروں سے سمندر میں نہ چل سکے اور کشتی اور جہاز پر بیٹھے تو نہایت آسانی سے سمندر کو عبور کرنے لگے تو اس کو دیکھ کر قدرتی طور پر آدمی

کے اندر شکر کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ جس سمندر کو میں اپنے قدموں کے ذریعہ پار نہیں کر سکتا تھا، خدا نے کشتی اور جہاز کے ذریعہ اس کو پار کرنے کا انتظام کر دیا۔ وہ فضا جس میں میں خود نہیں اڑ سکتا تھا، اس میں ہوائی جہاز کے ذریعہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ اڑنے کی صورت پیدا کر دی۔ اس قسم کے فرق نظام قدرت میں اسی لیے رکھے گئے ہیں کہ وہ انسان کے شعور کو جگائیں اور اس کے اندر اپنے رب کے لیے شکر اور احسان مندی کا جذبہ پیدا کریں۔" (تذکیر القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں کے ذکر کے ساتھ دریاؤں کا ذکر بھی فرمایا ہے:

{مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ٥ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ٥ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ٥ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ٥ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ٥ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ٥ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ٥ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ٥ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ}

ترجمہ: اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔ پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں پس اپنے

پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جو مخلوق زمین پر ہے
سب کو فنا ہونا ہے۔ اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت)
جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی (الرحمن۔۲۷)

یہاں تک کہ:

{وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ}

ترجمہ: روئے زمین کے (تمام) درخت اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے۔ (لقمان۔۲۷)

And if all trees that are on the earth were to be pens, and the ocean (converted into ink) is supported by seven seas following it, the words of Allah would not come to an end. Surely, Allah is Mighty, Wise.

کلمات اللہ سے مراد حق تعالیٰ کے علوم ہیں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں، اس لیے ان کی گنتی اور شمار محال ہے۔ روئے زمین پر جتنے درخت ہیں ان کی قلمیں بنالی جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور جب ایک سمندر کا پانی ختم ہونے لگے تو یکے بعد دیگرے سات سمندروں کے پانی روشنائی بنتے چلے جائیں۔ قلمیں گھس کر رہ جائیں گی۔ سات سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا، لیکن علم الٰہی کا ایک قلیل حصہ بھی رقم نہیں ہو سکا ہو گا۔

اسی طرح دریاؤں (River) کے ذکر کے ساتھ کتنے ہی انبیاء علیھم

السلام کے حالات وابستہ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر یہی پانی جوزندگی کے لیے حیات کی علامت ہے نبی کے حکم کی نافرمانی کے نتیجے میں ان پر عذاب بن کر ٹوٹ پڑا تھا، حضرت موسی علیہ السلام سے فرعون نے کہا کہ یہ سب نہریں' دریا میرے ہی حکم سے بہہ رہے ہیں یہ متکبرانہ کلام اللہ تعالی کو پسند نہ آیا وہ اسی دریا میں ڈوب کر غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار اس دریا سے نجات پا گئے۔

حضرت یونس علیہ السلام دریا میں مچھلی کے مہمان

حضرت یونس علیہ السلام دریا میں مچھلی کے مہمان رہے آپؑ کا مچھلی کے پیٹ میں کئی دنوں تک زندہ و سلامت رہنا بھی ایک خارق العادت واقعہ اور عظیم معجزہ ہے اس سے خالق کائنات کی ربوبیت تامہ اور عظیم قدرت کا ثبوت ملتا ہے یہ اس کی توحید کا بین ثبوت ہے۔ آپ علیہ السلام کو دریا میں مچھلی کا مہمان بنایا حکم الہی سے اسی پانی سے بچالیے گئے بنی اسرائیل کی تاریخ میں طالوت نامی بادشاہ نے اپنی فوج کا جو امتحان لیا وہ بھی ایک دریا پر پانی پینے کا تھا۔ اسی طرح جنت میں نعمتوں کی وسعت و کثرت کو دریاؤں کے استعارے میں بیان کیا گیا ہے کہ دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی اور باغات کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے۔ بے شک دریا (River) بھی مظاہر قدرت کی توحید کی نشانیاں ہیں اور دریا انسان کے لیے ا تعالی کی قابل قدر نعمتوں میں سے ہیں۔

(۲۹) سمندر کے جہاز قدرت کی نشانی

سمندر کے جہاز قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ خالق کائنات اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں ۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہی چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے پھر تو بادبان بیکار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے ہر وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لئے تو بڑی عبرت ہے وہ اللہ رب العزت کی قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانیوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

{وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ}

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں (جو) گویا پہاڑ (ہیں) اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی رہ جائیں' یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں (الشوریٰ۔ ۳۳)

Translation: If He so wills, He may stop the wind, and they stand still on its surface. Surely in this, there are signs for everyone who is ever patient, fully grateful

''یہ ان لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کی ہے جو اپنی دنیوی کامیابیوں میں مگن ہیں کہ اس دنیا کی زندگی کو کشتی کے سفر کی مانند سمجھو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے کہ پہاڑوں کے مانند بھاری جہاز سمندر کے سینہ پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ جن لوگوں کی نظر خدا کی قدرت پر نہیں ہوتی وہ جب جہاز کو رواں دواں دیکھتے ہیں تو مگن ہو کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کو کوئی خطرہ بھلا کہاں سے اور کس طرح پیش آسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یہ جہاز اپنے مسافروں سمیت سطح سمندر پر ہی پڑے رہ جائیں یا ان کو ان کے مسافروں سمیت ان کی جگہ ہی پر غرق کر دے اور کوئی ان کو بچانے والا نہ بنے۔ اس تمثیل میں اگرچہ پیش نظر بادبانی جہاز ہیں اس لیے کہ اس وقت تک بادبانی جہاز ہی وجود میں آئے تھے لیکن ٹھیک ٹھیک یہی تمثیل آج کے ترقی یافتہ جہازوں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ آج سائنس کی ترقیوں نے انسان کو اسٹیم، بجلی اور ایٹم کو کنٹرول کرنے کا سلیقہ سکھا دیا ہے. جس سے اس کی طاقت میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے لیکن آج بھی ہم آئے دن بڑے بڑے بحری جہازوں کے متعلق اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ بتاشہ کی طرح پانی میں بیٹھ جاتے ہیں، یا ان کی ساری مشینری اس طرح معطل ہو جاتی ہے کہ ایک لاشہ بے جان کی طرح ان کو دوسرے جہازات گھسیٹ کر ساحل پر پہنچاتے ہیں۔'' (تدبر قرآن)

یہ سچ ہے کہ دنیا میں مال کی تجارت 90% بحری راستوں سے ہوتی

ہے، ہوائی راستے بہت مہنگے پڑتے ہیں جبکہ خشکی کے راستے اکثر طویل اور بہت زیادہ دشوار گزار اور پر خطر ہوتے ہیں اور اسی نسبت سے ان پر اخراجات بھی زیادہ آتے ہیں اور نسبتاً کم وزن والا سامان منتقل ہوتا ہے۔ حادثات اس کے علاوہ ہیں۔ اس کے بر عکس دریائی و سمندری راستے اور دیگر آبی گزرگاہیں جنہیں انسان اپنے تجارتی و سفری و تفریحی مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے رب تعالیٰ کے عظیم احسانات ہیں۔

قدرت کی نشانیاں اور اصولی قاعدہ

قدرت کی یہ نشانیاں جن کا ذکر متفرق عنوانات کے تحت گزشتہ صفحات میں ہوتا چلا آرہا ہے ایک ضابطہ اور قانون کے تحت نمودار ہوتی ہیں ان کا بنیادی مقصد انسان کو معرفت الٰہی اور حق شناسی کی تعلیم دینا ہے جو لوگ اولوالاباب اور ارباب بصیرت ہیں وہ ان تمام آیات الٰہیہ سے سبق حاصل کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اپنی فلاح و نجات کو یقینی بناتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

{اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ}

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں اور اس کے فرمان سے سمندر میں چلتے ہوئے جہاز بھی۔ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت

کے بغیر گر نہ پڑے بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا
اور مہربان ہے ۔ (الحج۔ ٦٥)

Did you not see that Allah has subjugated to you everything on the earth, and the ships that sail at sea with His command? And He holds the sky so as it cannot fall on the earth except with His permission. Surely Allah is Very-Kind to the people, Very-Merciful.

اس آیت کریمہ میں قدرت کی نشانیوں کے بارے میں یہ اصولی قاعدہ بیان کیا جارہا ہے کہ تمام زمینی اشیاء ایک خاص توازن کو مسلسل اپنے اندر قائم رکھتی ہیں اگر یہ توازن بگڑ جائے تو اشیاء نافع ہونے کے بجائے مضر بن جائیں۔ پانی میں لوہے کا ایک ٹکڑا ڈالیں تو وہ فوراً ڈوب جاتا ہے۔ مگر پانی کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قانون کا پابند بنا دیا ہے جس کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ لوہے یا لکڑی کو کشتی کی شکل دیدی جائے تو وہ پانی میں نہیں ڈوبتی۔ اگر اللہ تعالیٰ پانی کے لیے یہ طبیعی ضوابط نہ بناتا تو انسان سمندر میں قدم بھی نہ رکھ سکتا۔

(٣٠) عذاب آخرت سے ڈرنے والوں کیلئے نشانی

{إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ}

ترجمہ: اس بات میں نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے یہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہی دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے (ہود۔ ١٠٣)

ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ گمراہی میں بھٹکے انسان اپنی اصلاح کریں لیکن ایسا نہیں ہوتا جو عیش و عشرت میں کھوئے ہوئے ہیں وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ان کے لیے یہ اجڑے ہوئے دیار اور کھنڈرات تفریح کا سامان ہوتے ہیں۔ ان کے سر غنے انہیں یہ بتاتے ہیں کہ ان بربادیوں کا تعلق ان کی سرکشیوں سے نہ تھا بلکہ طبعی اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ زلزلہ آیا اور اس آبادیاں فلک بوس عمارتیں پیوندزمیں ہوگئیں، بارشیں کثرت سے ہوئیں۔ دریاؤں میں پانی آگیا اور طغیانی آگئی جس نے ان تمام علاقوں کو ویران کر دیا۔ بادل آئے جس طرح آتے رہتے ہیں۔ بجلی کڑکی جیسے اکثر کڑکتی رہتی ہے اور اتفاقیہ اس محل یا قلعہ پر آگری اور اس کی بنیادوں کو بھی اکھیڑ کر رکھ گئی۔ اس بگڑی ہوئی اور بڑی کوشش سے بگاڑی ہوئی ذہنیت سے جب ان بستیوں کو دیکھا جائے تو کبھی اپنے اعمال کے محاسبہ کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ آج آثار قدیمہ میں غور و فکر کرنے والے عبرت پذیری کے اس جذبہ سے بالکل بے بہرہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خوش نصیب ہیں وہ انسان جوان گزرے ہوئے واقعات سے درس عبرت حاصل کرتے ہیں اور ان خاموش در و دیوار کی زبان حال سے عبرت کی کہانی سنکر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوتے ہیں جو قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ وہ دن آنے والا ہے جبکہ سب لوگ بارگاہ رب العزت میں پیش کیے جائیں گے اور ان سے ان کے اعمال پر محاسبہ ہوگا اور اسے بھی وہاں جواب دہی کے لیے ضرور حاضر ہونا ہوگا۔

سابقہ انبیاء کرام کے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے وہ گویا بڑی قیامت سے پہلے اس کی ایک چھوٹی نشانی تھے۔ ان میں ایسا ہوا کہ منکرین کو ایک مدت

تک ڈھیل دی گئی۔ اس کے بعد اللہ کا فیصلہ ظاہر ہوا تو سب کے سب ہلاک کر دیے گئے۔ صرف وہ لوگ بچ سکے جو حق کا ساتھ دینے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک نیک بخت قرار پا چکے تھے۔ ان کے علاوہ جو لوگ سرکش اور بدبخت تھے وہ لازمی طور پر عذاب کی زد میں آئے۔

(۳۱) ہواؤں کی گردش، قدرت کی عظیم نشانی

قدرت کی یہ عظیم نشانی جسکا مشاہدہ ہر انسان کرتا ہے۔ ہواؤں کی گردش اور اسکا مختلف سمتوں سے اور خاص رفتار سے چلنا رب تعالی کی خاص نشانیاں ہیں۔ ان میں انسانوں کے لیے بے شمار فائدے ہیں۔ جس طرح پانی انسانی زندگی کا اہم عنصر ہے اسی طرح ہوا بھی اہم ہے اگر اللہ تعالی اس ہوا کو چند لمحوں کے لیے ساکن کر دے تو کائنات کی تمام جاندار مخلوق صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ انسانی زندگی کے اس لازمی عنصر کو قدرت نے اپنے فضل و کرم سے اس طرح عام کر دیا کہ ہر جاندار اپنے انداز سے آرام و سکون سے سانس لے سکتا ہے۔ ہواؤں کا وجود انسان کے سانس لینے کا ذریعہ ہے، اگر ایک لمحہ کیلئے بھی ہوائیں رک جائیں تو انسانوں اور حیوانوں میں سے کوئی ذی روح زندہ نہ رہ سکے۔ انسانی زندگی کی بقاء ہوا، پانی اور خوراک کی محتاج ہے، ان میں اہم ضرورت ہوا کی ہے، کیونکہ ہوا کے بغیر کوئی ذی روح ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد پانی ہے، کیونکہ خوراک کی نسبت انسان پانی کا زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ اللہ کے نظام پر غور کریں کہ انسان کو اپنی بقاء کے لئے جس چیز کی زیادہ ضرورت تھی، جس کے بغیر وہ ایک منٹ بھی زندہ نہیں

رہ سکتا تھا، اس کے حصول کو قدرت نے آسان کر دیا ہے کہ انسان ہو یا حیوان، وہ بغیر کسی مشقت کے ہر وقت اور ہر جگہ ہوا کو بآسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کیلیئے اسے نہ کوئی قیمت اور ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، نہ کسی کا احسان مند ہونا پڑتا ہے۔ پانی کی ضرورت بقائے انسانی کیلیئے ہوا کی بہ نسبت کم ہے،اس لئے اس کا حصول بھی اس قدر عام نہیں ہے، تاہم ایک ذی روح دن میں متعدد بار پانی پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ}

ترجمہ: ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان میں عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ (بقرہ۔ ۱۶۴)

and in the clouds employed to serve between heaven and earth, there are signs for those who have sense.

اس لئے پانی اگرچہ ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتا، تاہم اس کی ضرورت کے پیش نظر رب تعالی نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے ہیں کہ انسان اکثر بغیر کسی مشقت اور قیمت کے پانی حاصل کرلیتا ہے اور کبھی کبھی اسے معمولی مشقت اور معمولی قیمت سے ضرورت کے مطابق پانی مل جاتا ہے اور غذا و خوراک کی ضرورت چونکہ ہوا اور پانی کی نسبت کم ہوتی ہے، اس لئے اسے غذا و غیرہ کے حصول کے لئے مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

غور کیجئے کہ انسانی بقاء اور اس کی ضرورت کے مطابق جس ذات نے ہوا، پانی اور خوراک کا یہ نظام بنایا ہے، کیا آپ اس ذات کی عظیم حکمت اور

علم کا انکار کر سکتے ہیں؟ جب کہ وہ ذات ہمہ وقت اور ہر جگہ ہواؤں کے سمندر کو رواں دواں رکھتی ہے۔ کیا اس کی بے پناہ قدرت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟۔ انسانی ضروریات کے مطابق ہوا، پانی اور خوراک کی ترسیل کو کیا کوئی شخص ایک اتفاقی حادثہ قرار دے سکتا ہے؟۔ جو شخص غور و فکر اور تدبر سے بالکل عاری نہیں ہو گیا، اس کو بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کائنات کے نظام کے پیچھے ایک ہستی اعلی اور مطلق العنان قادر و قاہر حکمراں کی تدبیر اور حکمت کام کر رہی ہے اور اس عظیم و وسیع کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ اس کی حکمت اور قدرت کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ اسی طرح بارش سے قبل یہ ہوائیں قحط زدہ اور بارش سے ناامید انسانوں کے دلوں کو شادان و فرحان کر دیتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ}

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم کو اپنی رحمت کے مزے چکھائے (الروم۔ ۴۶)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

{وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ}

ترجمہ: اور اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے (فاطر۔ ۹)

Allah is the One who sends the winds, then they raise up

the clouds, then We drive them to a dead land and revive the land through them after its death. In similar way shall be the Resurrection.

آتش فشاں پہاڑ کرۂ ارض پر آگ اگلتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں نکلنے والا' لاوا، گیس گندھک، زہریلے مادوں کا اخراج ہوتا، یہ سب کے سب انسانی جانوں کے لئے زہر ہیں۔ یہ زہریلے مادے اگر اپنی اخراج کی جگہ پر ہی جم جائیں تو سارا علاقہ زہریلا ہوجائے گا۔ سارے انسان مختلف امراض کے علاوہ اجتماعی ہلاکت کا شکار ہوجائیں گے اس عظیم تباہی سے بچانے کے لئے خالق کائنات نے ہواؤں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر جاری رکھیں اوراس تبدیلی میں اللہ تبارک تعالیٰ کی عظیم نشانیاں ہیں۔

اسی طرح ان ہواؤں کوایک خاص انداز سے چلانا بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہی ہوائیں بڑے بڑے جہازوں کی نقل وحرکت کا سبب ہیں۔جس سے انسان ٹنوں کے حساب سے اپنا تجارتی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرتے ہیں۔اگر یہ ہوا رک جائے توجہاز اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرسکیں اور اگر ہوا میں تیزی (طوفان) آجائے تو یہ جہاز مع سامان غرق ہوجائیں۔ قدرت نے ان ہواؤں کو مناسب انداز سے چلانے میں اہل بصیرت کو غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ}

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں (جو) گویا پہاڑ (ہیں) اگر وہ چاہے تو ہوا بند کردے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے

نشانیاں ہیں۔ (الشوریٰ ۔ ۳۳)

(۳۲) سورج اور چاند گرہن قدرت کی نشانی

سورج چاند اور ستارے بے شک اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نشانیاں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ جب انسان ان عظیم نشانیوں کی عظمت اور گردش کے محکم نظام میں غورو فکر کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے اعتراف پر ضرور مجبور ہوجائیں گے۔ آفاق میں خالق کائنات کی عدیم المثال شہنشاہیت کا جو مشاہدہ کروایا گیا اس میں نظام شمسی بھی شامل ہے جو زمین کے علاوہ آٹھ سیاروں پر مشتمل ہے۔ اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت سورج اور چاند میں گہن لگنا بھی ہے۔ سورج گرہن کا شمار بھی عجائب قدرت میں ہے۔ یہ اُس وقت واقع ہوتا ہے، جب سورج، چاند اور زمین ایک سیدھ میں جمع ہوجاتے ہیں اور چاند، سورج اور زمین کے درمیان آجاتا ہے جس کی وجہ سے سورج کا کچھ حصہ یا تقریباً پورا سورج زمین والوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ سورج کے مقابلے میں چاند انتہائی چھوٹا ہونے کی وجہ سے چاند کا قرص سورج کے قرص کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے مکمل سورج گہن کے موقع پر چاند کے عکس کے سیاہ قرص سے سورج کی شعاعیں پھوٹنے لگتی ہیں اور آتشیں حلقہ نظر آنے لگتا ہے۔ سورج گہن کے متعلق علم نجوم کی بنیاد پر اور طاقتور دوربینوں اور سٹیلائٹ کے ذریعے مشاہدے کی بنیاد پر قبل از وقت بتا دیا جاتا ہے کہ وہ کس علاقے میں کس وقت شروع ہوگا، کتنا دکھائی دے گا اور کس وقت ختم ہوگا۔ ان ساری سائنسی معلومات پر پورا بھروسا

کرلیا جاتا ہے کیوں کہ وہ من و عن صحیح ثابت ہوتی ہیں اور بھروسا کرنے کے معاملے میں عام مسلمان اور علمائے کرام سب برابر ہوتے ہیں۔

علم ہیئت اور امور فلکیات کے ماہرین، گھنٹے، منٹ اور سکنڈ کی تعیین کے ساتھ اس کے لگنے سے پہلے ہی سے خبریں دے دیتے ہیں اور جس وقت کی وہ اطلاع دیتے ہیں اس میں ایک منٹ کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب سورج، زمین اور چاند ایک سیدھ میں جمع ہوجاتے ہیں اور زمین سورج اور چاند کے درمیان آجاتی ہے. جس کی وجہ سے زمین کا سایہ چاند پر پڑنے لگتا ہے۔ زمین کا جس قدر سایہ چاند پر پڑے، اتنا ہی چاند گہن بھی واقع ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہی حصہ تاریک یا بے نور ہوجاتا ہے۔ چاند گہن کی پیش گوئی سالہا سال سے کی جاتی رہی ہے لیکن اب طاقتور دوربینوں، عصری آلات اور سٹیلائٹ کی وجہ سے اس کی توجیہ بھی ممکن ہوچکی ہے۔

یہ گہن ہے کیا؟ کچھ دیر کے لیے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ان کی روشنی جزئی اور کلی طور پر چھین لیتا ہے یہی گرہن ہے۔ یہ گرہن اللہ تعالی کے حکم سے لگتا ہے۔ گرہن لگنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں ان میں اپنے بندوں کو ڈرانا اور ان کے دلوں میں خوف پیدا کرنا بھی ہے۔ تاکہ بندے رب سے ڈر کر قیامت کی ہولناکیوں کو یاد کریں اور اس کے حضور توبہ واستغفار کریں۔ رب تعالیٰ اپنے بندوں کو آفاق وانفس کی بہت سی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے تاکہ وہ اس سے ڈریں اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ}

ترجمہ: ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں

بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبر دار ہے؟۔ (فصلت۔۵۴)

حدیث پاک میں سرورِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

{إن الشمس والقمر آيتان من آيات الله لا ينكسفان لموت أحد ولا لحياته ولكن الله يخوف بهما عباده، فإذا رأيتم شيئا من ذلك فافزعوا إلى ذكر الله وإلى الصلاة وعجلوا للاستغفار}

ترجمہ: بلاشبہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان دونوں میں گہن کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے نہیں لگتا؛ بلکہ ان کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ تو جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر، نماز، دعا اور استغفار کی طرف دوڑ پڑو۔

سورج و چاند گرہن کے وقت ہم کیا کریں؟

جب چاند یا سورج گہن لگتا تو رحمت دو عالم ﷺ صحابہ کو جمع کر کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اس نماز میں قراءت لمبی ہوتی تھی اور رکوع و سجدہ بھی بہت لمبے ہوتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔ اس نماز کے مشروع ہونے پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ جمہور علماء اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی نشانیوں میں غور وفکر کرنے اور ان سے عبرت و موعظت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں اس کی ان عظیم نشانیوں کو دیکھ کر رب تعالی کا خوف پیدا ہو اور اس کی قدرت کاملہ پر ہمارا ایمان مستحکم ہو اور ہم اس کی ناراضگی سے ڈریں

اور صالح اعمال کریں جو رب تعالی کی رضا اور خوشنودی کا باعث بنیں۔

اس کائنات کے نظام میں غور و فکر کرنے سے اہل عقل پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ اس کائنات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جسے عقل اور تمیز عطا کی گئی ہے۔ اسے اللہ نے تصرف کے کچھ اختیارات بھی دیئے ہیں اور اخلاقی حس بھی عطا کی ہے۔ لہذا یہ بات سراسر عقل اور حکمت کے خلاف ہے کہ اس سے اس کی دنیاوی زندگی کے بارے میں بازپرس نہ ہو اور اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا نہ دی جائے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان عمر بھر ظلم و ستم کیئے جاتا ہے۔ لوگوں کو پریشان بھی کرتا ہے۔ ان کے حقوق بھی غصب کرتا ہے۔ لیکن اسے اس دنیا میں کوئی سزا نہیں ملتی۔ اسی طرح بعض دفعہ ایک نیک طبع اور دیندار انسان کی ساری عمر سختیاں اور مصائب برداشت کرتے اور تنگی و تنگ دستی کے عالم میں گزر جاتی ہے اور اسے کبھی راحت میسر نہیں آتی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے۔ اس سے ایک عقلمند انسان لازماً یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہونی چاہیئے۔ جس میں ہر ایک کو اس کے کیئے کا بدلہ دیا جا سکے۔ اس طرح انہیں اخروی زندگی کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی گرفت سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔

(۳۳) انسان کے اپنے اندر قدرت کی نشانیاں

قرآن عظیم ان لوگوں کو جو کائنات کی تخلیق اور اپنی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں اور اسے فضول نہیں سمجھتے، عقل مند اور اہل خرد قرار دیتا ہے۔

دینی تعلیمات میں اہل خرد سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم ہستی کے ہر ہر جزء کو اللہ کے موجود ہونے کی نشانی قرار دیتے ہیں اور تخلیق کی حکمت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ بیشک عقل مند انسان عالم ہستی میں غور و فکر کر کے اپنی معرفت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ معرفت اس کے لیے باد نسیم کے تازہ جھونکے کی مانند ہے جو اس انسان کے جسم و روح کو تر و تازہ کر دیتی ہے اور یہ ایسے سورج کی طرح ہے جو اس کے دل کو نور اور حرارت فراہم کرتا ہے۔ اہل خرد ہر حال میں حق تعالی کے جلوے دیکھتے ہیں۔ نسیم صبح کے تازہ جھونکے درختوں کے پتوں کو حرکت دیتے ہیں اور لہلہاتے کھیتوں کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتے ہیں تو اہل عقل و دانش کو رب تعالی کی تخلیق اور آفرینش کی خوبصورتی اور نظم و ہم آہنگی کے سوا کچھ نہیں نظر آتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ}

ترجمہ: ہم ان (منکرین) کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے (جسمانی' حیاتیاتی' اور نفسیاتی نظاموں کے) اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن (اپنے حیرت انگیز حقائق کی بنا پر) برحق ہے۔ اور کیا تیرے رب کا (اس کائنات کی) ہر بات کا شاہد ہونا کافی نہیں ہے (فصلت۔ ۵۳)

We will show them Our signs in the universe and within their own beings until it will become manifest to them that it is the truth. Is it not enough about your Lord that He is witness to everything

اس آیت پاک میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب انسانوں کو مظاہر فطرت

میں غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے۔ انسان عناصر و جواہر کا مجموعہ ہے جو عالم اصغر کہلاتا ہے جو لوگ غور و فکر نہیں کرتے۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں جو راز پوشیدہ ہیں اس سے یہ غافل ہیں۔ صرف آنکھ کی ساخت ہی پر غور کر لیں، جو نزاکتیں اور لطافتیں اس میں ملحوظ رکھی گئی ہیں، اسی طرح جسم انسانی کے دوسرے اعضا کس طرح بنائے گئے ہیں ان کے کیا کیا کام ہیں؟۔ ان کی بناوٹ میں ان کاموں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مناسبتیں رکھی گئی ہیں۔ اسی طرح ہاتھ کی وضع قطع کو دیکھیں تو یقین آجاتا ہے کہ یہ کسی حکیم ہستی کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کے اردگرد جتنی چھوٹی بڑی چیزیں ہیں ان میں غور کریں تو ماننا پڑے گا کہ جس رب ذوالجلال کو ماننے کی قرآن دعوت دے رہا ہے، اس کے بغیر اور کوئی رب نہیں، نہ پہاڑ، نہ دریا، نہ چاند، نہ سورج' نہ ستارے اور نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا انسان۔ اہل عقل و دانش بقول قرآن پاک کے بہت کم ہیں۔ اور اکثریت غور و فکر اور عقل و خرد سے کام نہیں لیتی اور اسی لیے یہ حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡحَقَّ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ}

ترجمہ: (بات یہ ہے کہ) ان میں اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لئے منہ پھیر لیتے ہیں (انبیاء۔ ۲۴)

Yet most of them do not know the truth, and therefore they are averse.

اہل دانش کی خصوصی برتری

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر عقل و دانش کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ قرآنی آیات اور آیات کائنات میں غور فکر کریں کہ خالق نے یہ ساری کائنات

حکمت کے تحت تخلیق فرمائی ہے وہ خود حکیم و دانا ہے اس کا کوئی فعل حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جو اہل علم و حکمت اپنے وجود میں قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں خالق نے اپنی محکم کتاب میں ان کی برتری کا ذکر یوں فرمایا:

{يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ}

ترجمہ: وہ جس کو چاہتا ہے دانائی (حکمت) بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بیشک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں (البقرہ۔ ۲۶۹)

He gives wisdom to whom He wills, and whoever is given wisdom is certainly given a lot of good. Only the people of understanding observe the advice.

حکمت سے مراد عقل و فہم، علم ہے اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم و فہم، قوت فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب و سنت کا علم و فہم ہے یا سارے ہی مفاہیم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ''دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے" (صحیح بخاری)

سورہ زمر کی آیت (۹) میں ارشاد ہوتا ہے:

{قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

اُولُوا الۡاَلۡبَابِ}

ترجمہ: آپ ﷺ فرمادیں بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہوسکتے ہیں (اور) نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

{وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ}

ترجمہ: اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے یقین رکھنے والی قوم کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (الجاثیہ۔۴)

محمد اسد نے اپنی تفسیر The Meaning of Quran میں تقویٰ کا ترجمہ خدا شعوری (God conciousness) سے کیا ہے، ظاہر ہے کہ خدا شعوری کے بے شمار مدارج ہوسکتے ہیں۔ ان میں سے ایک درجہ یہ بھی ہے جو اس کائنات کا مشاہدہ اور اس کے نظام تخلیق میں غور و خوض کرکے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳۴) خانہ کعبہ زمین پر قدرت کی عظیم نشانی

خانہ کعبہ زمین پر قدرت کی عظیم نشانی ہے ایک سادہ کمرہ جس میں ہمہ وقت تجلیات و انوار الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے اہل اسلام پروانوں کی مانند اس شمع کا طواف کرنے میں سرگرم رہتے ہیں اس گھر کا وجود اہل عالم کے لیے خالق کائنات کا عظیم انعام ہے اس کے ثمرات اور برکات سے دنیا بھر کے مسلمان مسلسل مستفید ہورہے ہیں۔ بیت اللہ پوری امت کا قبلہ اور توحید و نماز کا مرکز ہے۔ اس کا طواف کرکے اور اپنی نمازوں اور اپنی تمام مسجدوں کا

اس کو قبلہ قرار دے کر ہم اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ جس خدائے واحد کی عبادت کے لئے یہ گھر تعمیر ہوا ہم اسی کے بندے، اسی کی طرف رخ کرنے والے، اسی کے عبادت گزار اور اسی کی شمع توحید پر پروانہ وار نثار ہیں۔ بیت اللہ شریف اِس بات کی کھلی ہوئی نشانی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا گھر یہی ہے، اِس لیے قبلہ بھی اِسی کو ہونا چاہیے۔ اِن نشانیوں میں سے تین چیزوں کی طرف خاص اشارہ فرمایا ہے:

(۱) ایک یہ کہ یہ مقام ابراہیم ہے،

(۲) دوسرا یہ کہ جو اِس حرم میں داخل ہوجائے، مامون ہوجاتا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ اِس کا حج ہمیشہ سے ایک دینی فریضہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

یہ تینوں چیزیں عرب میں سیدنا ابراہیم کی قائم کردہ روایت کی حیثیت سے لوگوں کے اجماع اور تواتر سے ثابت تھیں اور کوئی منصف مزاج اِن کا انکار نہیں کرسکتا تھا۔ دیگر آسمانی کتابوں میں بھی اِن کے لیے ناقابل تردید شواہد موجود ہیں اور اُس کے پڑھنے والے اِس حقیقت کی تردید نہیں کرسکتے تھے کہ سیدنا ابراہیمؑ کے ہاتھوں جس بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر اُس میں ہوا ہے، اُس کا مصداق اگر کوئی ہوسکتا ہے تو بیت المقدس نہیں، بلکہ یہی مکہ کا بیت الحرام ہوسکتا ہے۔ اس گھر کو تمام جہاں کے لئے برکت، فضیلت، امن کا مرکز قرار دیا اور یہ وضاحت فرمائی کہ خود اس گھر کے وجود میں ایسی صریح (ظاہر) و صاف علامتیں (نشانیاں) موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔ انتہائی پاک و متبرک مقام ابراہیم، صفا مروہ، حجر اسود، رکنِ یمانی، عرفات و منیٰ ساری مخلوق نہ صرف انسان بلکہ چرند پرند سب کے لئے امن کی جگہ۔

خانہ کعبہ امنِ عالم کا مرکز (Centre of World Peace)

{وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ}

ترجمہ: اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے کی اور امن پانے کی جگہ مقرر کرلیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ (البقرہ۔۱۲۵)

{طَهِّرَا بَيْتِيَ} پاک رکھنے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ کُوڑے کرکٹ سے اُسے پاک کیا جائے۔ بیت اللہ کی اصل پاکی یہ ہے کہ اس میں اللہ کے سوا کسی کا نام بلند نہ ہو۔ جس نے بیت اللہ میں اللہ کے سوا کسی دُوسرے کو مالک، معبُود، حاجت روا اور فریاد رس کی حیثیت سے پکارا، اس نے حقیقت میں اُسے ناپاک کیا۔ پاک صاف رکھنے سے مقصد ظاہر ہے کہ ان ساری چیزوں سے پاک صاف رکھنا جو اس گھر کے مقصد تعمیر کے منافی ہوں عام اس سے کہ وہ ظاہری گندگی اور نجاست ہو جس سے عبادت گزاروں کی طبیعت میں تکدر پیدا ہو، یا ارباب لہو ولعب کے ہنگامے ہوں جن سے ان کی یکسوئی میں خلل واقع ہو یا اصنام و اوثان ہوں جو خدا کے گھر کو شرک و بت پرستی کا گڑھ بنا کے رکھ دیں۔ ان ساری چیزوں سے اس گھر کو پاک رکھنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ذمہ داری ڈال دی گئی تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کا حق ادا کیا لیکن بعد میں آنے والے جب شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تو اس نے اس گھر کی تولیت کی اس شرط کے برعکس اس کے کونے کونے میں بتوں کو لا بٹھایا اور ان لوگوں کو اس گھر سے نہایت ظلم اور بیدردی سے نکالا جو اس کو از سر نو ذکر الٰہی کے زمزموں، طواف و اعتکاف کی رونقوں اور رکوع و سجود سے آباد و معمور کرنا چاہتے تھے۔ قرآن نے یہاں خانہ کعبہ کی ابتدائی تاریخ کی اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ قریش اس گھر سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں لیکن جب انہوں نے ان کو سمجھنے سے انکار کر دیا تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس کی تولیت کے منصب سے ان کی معزولی کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالی نے اپنے گھر (کعبہ) کو تمام انسانوں کے لئے مرجع اور مرکز امن بنایا انسانیت کا مرجع ہونے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ حج کے ایام میں ساری دنیا سے اللہ کی بندگی کرنے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ بلکہ اسکا وسیع تر مطلب یہ ہے کہ مومن اپنی پوری زندگی میں اس گھر کے ارد گرد چکر لگاتا ہے۔ کعبہ ہی اسکے ایمان کا مرکز ہے، کعبہ ہی مومن کی اصلی عبادت گاہ ہے۔ یہیں سے مومن کو توحید کی غذا ملتی ہے اور مومن اسی کو اپنی پانچ وقت کی نمازوں میں قبلہ بناتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

{وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ}

ترجمہ: (ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت

پرستی سے پناہ دے (ابراھیم۔۳۵)

یہ پاک شہر قربِ قیامت تک دنیا کے ویران ہونے کے وقت تک ویرانی سے محفوظ رہے اوراس شہر والے امن میں رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مکّہ مکرمہ کوویران ہونے سے امان عطا فرمائی اور کوئی بھی اسے ویران کرنے پر قدرت نہ پاسکا اوراسے اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا کہ اس میں نہ کسی انسان کا خون بہایا جائے، نہ کسی پر ظلم کیا جائے، نہ وہاں شکار مارا جائے، نہ سبزہ کاٹا جائے۔مکہ مکرمہ میں قیام کا مقصود صرف عبادت الٰہی ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں کھیتی باڑی نہیں رکھی، اس لیے کہ وہاں کے لوگوں کو دنیاوی الجھن نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ تمام عبادت میں نماز افضل عبادت ہے کہ آپ نے خصوصیت سے اسکا ذکر فرمایا۔مکہ مکرمہ کی نماز دوسری جگھوں کی نماز سے بہتر واعلیٰ ہے۔مکہ مکرمہ کی زمین کھیتی باڑی کے لائق نہیں پھر بھی وہاں کے لوگ سیر ہوکر کھاتے ہیں بھوکے نہیں رہتے۔ دنیا کماتی ہے وہ کھاتے ہیں۔ ساری دنیا کے دل مکہ مکرمہ کی طرف جھکتے ہیں۔

"ساری دنیا کے اہل ایمان ہر سال اپنے وطن کو چھوڑ کر بیت اللہ آتے ہیں۔ یہاں کسی کے لیے کسی ذی حیات پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔ حرم کعبہ کو دائمی طور پر عبادت کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔ اس مقام کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا جاتا ہے۔ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی یاد کی جاتی ہے۔ اور اللہ کے لیے رکوع و سجود کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ دنیا کا سب سے زیادہ خشک علاقہ تھا جہاں ریتلی زمینوں اور پتھریلی چٹانوں کی وجہ سے کوئی فصل پیدا نہیں ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ وہ انتہائی طور پر غیر محفوظ تھا۔ چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان کو اس علاقہ میں لے جاؤ اور

اس کو وہاں بسا دو۔ حضرت ابراہیمؑ نے ادنی تامل کے بغیر اس کی تعمیل کی۔ اور جب خاندان کو اس بے آب وگیاہ مقام پر پہنچا چکے تو دعا کی کہ خدایا میں نے تیرے حکم کی تعمیل کر دی۔ اب تو اپنے بندے کی پکار کو سن لے اور اس بستی کو امن و امان کی بستی بنا دے۔ اور اس خشک زمین پر ان کے لیے خصوصی رزق کا انتظام فرما۔ دعا قبول ہوئی اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ علاقہ آج تک امن اور رزق کی کثرت کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ مومن کو دنیا میں اس طرح رہنا ہے کہ وہ بار بار یاد کرتا رہے کہ خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو اس کو بہر حال ایک روز لوٹ کر خدا کے یہاں جانا ہے۔ وہ جن انسانوں کے درمیان رہے، بے ضرر بن کر رہے۔ وہ زمین کو خدا کی عبادت کی جگہ سمجھے اور اس کو اپنی کثافتوں سے پاک رکھے۔ اس کی پوری زندگی خدا کے گرد گھومتی ہو۔ وہ بظاہر دنیا میں رہے مگر اس کا دل اپنے رب میں اٹکا ہوا ہو۔ وہ ہمہ تن اللہ کے آگے جھک جائے۔ پھر یہ کہ دین جس چیز کا تقاضا کرے، خواہ وہ ایک "چٹیل میدان" میں بیوی بچوں کو لے جا کر ڈال دینا ہو، بندہ پوری وفاداری کے ساتھ اس کے لیے راضی ہو جائے۔ اور جب تعمیل حکم کر چکے تو خدا سے مدد کی درخواست کرے۔ عجب نہیں کہ خدا اپنے بندے کی خاطر چٹیل بیابان میں رزق کے چشمے جاری کر دے۔ دنیا کی رونق، خواہ کسی کو دین کے نام پر ملے، اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ نے اس کو امامت و پیشوائی کے منصب کے لیے قبول کر لیا ہے۔ دنیا کی چیزیں صرف آزمائش کے لیے ہیں جو سب کو ملتی ہیں۔ جبکہ امامت یہ ہے کہ کسی بندے کو قوموں کے درمیان خدا کی نمائندگی کے لیے منتخب کر لیا جائے۔'' (تذکیر القرآن)

(۳۵) مقام ابراہیم قدرت کی نشانی

مقام ابراہیم قدرت کی نشانی ہے وہ جگہ جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ یہ مقام تاریخی قدامت کے حوالے سے بھی ایک حوالہ اور سند کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اس مقام کی عظمت مسلمہ اور ایک ماضی کے عظیم واقعہ کی یاد دلانے والی ہے۔ مطاف میں (طواف کرنے والی جگہ) ایک جنگلا بنا ہوا ہے۔ اس میں محفوظ ایک پتھر کا نام مقام ابراہیم ہے جس کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں کہ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے کعبۃ ا کی تعمیر کی تھی۔ تعمیری مرحلوں کے دوران یہ پتھر نرم پڑ جاتا تھا اور ضرورت کے تحت یہ پتھر اوپر نیچے بلند و پست اور طول و عرض میں گھٹتا بھی تھا اور بڑھ بھی جاتا تھا۔ اس کی اسی نرمی والی کیفیت کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان اس پر ثبت ہو گئے اور آج ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود موسمی اور بیرونی تغیرات اس پر حاوی نہ ہو سکے اور یہ اپنے نقوش کے ساتھ جوں کا توں موجود ہے جو ایک معجزہ ہے۔ قرآن مجید میں دو جگہ اس کی عظمت کے بارے میں ذکر آیا ہے۔

(۱) {فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ}

ترجمہ: اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ (آل عمران۔۹۷)

In it there are clear signs: The Station of Ibrahim!

(۲) {وَٱتَّخِذُوا۟ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى}

ترجمہ: اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز

کی جگہ بنالو۔ (البقرہ۔۱۲۵)

Make from the Station of Ibrahim a place of prayer.

تاریخی حیثیت

تواریخ میں لکھا ہے کہ 17 ہجری میں زبردست سیلاب آیا تھا جس کی وجہ سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دیوار کعبہ کے پاس آگیا تھا۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ اپنے دور خلافت میں جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس کو اپنے سابقہ مقام پر واپس رکھوادیا، مگر اس مرتبہ اس میں سیسہ پلا کر رکھوایا، تاکہ اپنی جگہ سے دوبارہ نہ ہل سکے۔ مہدی عباسی کے دور میں اس میں شگاف پڑگیا تھا تو مہدی نے 161 ہجری میں ایک ہزار دینار صرف کرکے سونے کا پتر اچڑھوادیا، تاکہ آئندہ ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہے۔

236 ہجری میں متوکل عباسی نے آٹھ ہزار مثقال سونا اور ستر ہزار درہم چاندی ان پرانے پتروں پر چڑھوائی، مگر 251 ہجری میں جعفر بن فضل عامل مکہ نے ان نئے پتروں کو اتروا کر انھیں درہم و دینار میں تبدیل کردیا۔ خلیفہ معتمد کے زمانے میں مقام ابراہیم کے سات ٹکڑے ہوگئے جن کے منتشر ہونے کے خوف سے مقام ابراہیم کو دارالخلافہ منگوالیا گیا جہاں بشر نے اپنے ہاتھوں سے ان کی اصلاح کی اور سیسہ پگھلا کر کیلوں کے ذریعے ان ساتوں ٹکڑوں کو جوڑا اور پھر 1992 مثقال سونے کے دو چوکھٹوں میں اسے نصب کردیا۔ مقام ابراہیم زمانۂ قدیم میں ایک قبہ نما چھوٹی سی عمارت میں رکھا ہوا تھا جسے دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ کسی کا مزار ہے۔ اس قبے کی وجہ سے مطاف چھوٹا پڑ رہا تھا، کیوں کہ ہر سال حجاج کرام کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، چنانچہ 1960 عیسوی

کے عشرے میں حرمین شریفین میں توسیع کے منصوبے بنائے تو مطاف میں کشادگی کو برقرار رکھنے کے لیے اس قبہ نما عمارت کو شہید کیا اور پھر باب کعبہ سے مزید فاصلہ بڑھایا، تاکہ طواف کرنے والوں کو دشواری نہ ہو۔

22 اکتوبر 1967ء مطابق 19 رجب 1387ھ کو شاہ فیصل شہیدؒ نے اپنے ہاتھوں سے اس کا افتتاح کیا اور یہ مقام زائرین کے لیے کھول دیا۔

عمدۃ المناسک میں لکھا ہے کہ مقام ابراہیم کی لمبائی دس بالشت اور چوڑائی سات بالشت ہے اور زمین سے ایک ہاتھ اونچا رکھا ہوا ہے جو باب کعبہ کے بالمقابل مطاف میں ہے۔ یہ جنت کا پتھر ہے۔ اس کی ایک اور فضیلت یہ ہے کہ ہر طواف کرنے والے کو حکم ہے کہ جب وہ سات چکروں پر مشتمل اپنا طواف مکمل کرلے تو دو رکعت نماز نفل اس کے پیچھے ادا کرے۔

اس کی تاریخی حیثیت کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ مستند تاریخوں میں اس کا ذکر آیا ہے اور نسل در نسل موروثی طور پر آنے والی روایات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ مقام فی الواقع ایک سنہری مذہبی یادگار کا حوالہ رکھتا ہے۔

(۳۶) حجر اسود قدرت کی نشانی

(Black Stone Sign Of Nature)

مسجد حرام مکہ مکرمہ میں موجود یہ مقدس پتھر بے شک اللہ عزوجل کی کھلی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ پتھر تقدس اور عظمت کا حامل ہے اس کا احترام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے۔ مذہبی لحاظ سے اسے بڑی اہمیت دی گئی۔ حجر اسود، ناہموار، مگر چمک دار سیاہ سرخی مائل، بیضوی شکل کا یہ پتھر ہے جسے چاندی کے خول میں خانۂ کعبہ کے ایک کونے میں کچھ بلندی

پر نصب کیا گیا ہے۔ یہ پتھر بہت قدیم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہزاروں سال پہلے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی، اس کا صرف ایک یہی پتھر آج باقی ہے جو برابر اس عظیم الشان تعمیر کی عظمت یاد دلاتا رہتا ہے۔ اسی مبارک پتھر کو لبوں یا ہاتھوں سے مس کر کے خانۂ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ بے شک اس مقدس پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاک لبوں نے بوسہ دیا ہوگا اور خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے اپنے پاکیزہ ہاتھوں اور لبوں سے اس کا بوسہ لیا ہے اور امت مسلمہ کے بے شمار متقین اور صالحین اور گناہگار اس عمل کو جاری رکھیں گے اور تاقیامت یہ عمل جاری رہے گا۔ حجر اسود کو حدیث میں "ید الله علی الارض" زمین پر اللہ کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ یہ حقیقی معنوں میں نہیں، بلکہ تمثیلی معنوں میں ہے انسان کے اندر اٹھنے والے ربانی جذبات اپنی محسوس تسکین کے لیے یہ چاہتے تھے کہ وہ اللہ تعالی کے ہاتھ کو چھوئیں اور اس کو چھو کر اپنے جذبے کو مطمئن کریں۔ حجر اسود کو چوم کر انسان اپنے اس پاکیزہ جذبہ کی تسکین حاصل کرتا ہے۔

سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

{الركن يعني الحجر يمين الله في الارض يصافح بها خلقه مصافحة الرجل أخاه}

ترجمہ: حجر اسود اس دنیا میں اللہ رب العزت کا دایاں ہاتھ ہے اور اس سے اسی طرح مصافحہ کیا جاتا ہے جس طرح ایک شخص اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے (مصنف عبدالرزاق)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالی سے مصافحہ کے وہ معنی نہیں جو عرف عام میں لیے

جاتے ہیں ۔ یہ مصافحہ دراصل عہد کا مصافحہ ہے۔ ہم جس وقت حجر اسود کا استلام کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

{اللهم ایمانا بك وتصديقاً بكتابك ووفاء بعهدك}

ترجمہ: اے اللہ تجھ پر ایمان کے ساتھ، تیری کتاب کی تصدیق کے ساتھ اور تجھ سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے ساتھ۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے دوران طواف اس پتھر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

{إنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أنى رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلك ما قبلتك}

ترجمہ: میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے ، نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان ، لیکن میں تجھ کو صرف اس لیے بوسہ دیتا ہوں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ پھر آپؓ نے اسے بوسہ دیا۔ (موطا کتاب الحج)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں "یہ پتھر کعبہ کے اس گوشہ کی دیوار میں لگا ہے جس کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوں تو بیت المقدس سامنے پڑے گا اور اسی لیے حجر اسود کے مقابل گوشہ کا نام رکن شامی ہے ۔ اس گوشہ کے تحقق سے بیت المقدس کی سمت کا اشارہ مضمر ہے ۔ اس گوشہ میں اس پتھر کے لگانے سے مقصود یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کے طواف کے شروع اور ختم کرنے کے لیے وہ ایک نشان کا کام دے" (سیرت النبی ﷺ)

یہ حجر ابیض کیا تھا؟

احادیث پاک میں ہے کہ یہ جنت سے لایا گیا اس کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے اس کا رنگ کالا ہوگیا۔ سرور دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اللہ کی قسم' رب تعالی حجر اسود کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھتا ہوگا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا' یہ پتھر ہر اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اسے اخلاص نیت سے چوما ہوگا یا مسح کیا ہوگا (ترمذی)۔

طواف کی ابتداء اور انتہاء اسی حجر اسود کی جگہ سے ہوتی ہے اس لیے طواف کرنے والے کے لیے مسنون ہے کہ شروع کرتے وقت یہیں سے تکبیر کہے اور ہوسکے تو اسے بوسہ دے' اگر بوسہ نہیں دے سکتا تو ہاتھ سے اسے چھوکر بوسہ دے اور اگر یہ بھی ناممکن ہے تو چھڑی کے ذریعے چھوکر چھڑی کے اس حصے کو بوسہ دے۔

(۳۷) آبِ زَم زَم قدرت کی نشانی

(Zam Zam Holy Water)

مسجد حرام مکہ مکرمہ میں موجود یہ مبارک کنواں صدیاں گزرنے کے باوجود پہلے دن کی طرح رواں دواں ہے۔ بے شک یہ کنواں اللہ عزوجل کی عظمت و قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا کھودا ہوا چشمہ ہے زمزم کا پانی شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تقریباً 4

ہزار سال قبل ایک معجزے کی صورت میں مکہ مکرمہ کے بے آب و گیاہ ریگستان میں جاری کیا' یہ کنواں مرور زمانہ کے ساتھ خشک ہو گیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اشارہ ء ربی سے اسے دوبارہ کھدوایا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ صحرائے عرب کے لق و دق صحرا میں دو خشک پہاڑ جہاں ایک بچہ پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے، ماں یہ منظر دیکھ کر تڑپ رہی ہے کہ مشکیزے میں موجود پانی کب کا ختم ہو چکا، صحرا کی تپتی دھوپ اور جھلساتی لُو کے تھپیڑوں نے انھیں جان بلب کر دیا ہے۔ ماں کی ممتا اپنے بیٹے کو بلبلاتا، سسکتا اور تڑپتا کیسے دیکھ سکتی تھی؟ وہ پانی کی تلاش میں سامنے صفا پہاڑ پر چڑھ گئ لیکن پانی نہیں ملا اور صفا سے اتر کر تیزی سے دوسری طرف مروہ پہاڑ پر جا پہنچی۔ تین چار چکر لگا کر ماں کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ واپس آئی، بیٹے کو پہلے کی طرح تڑپتا بلکتا دیکھ کر واپس پلٹی، دوبارہ وہی چکر، پہاڑ سے اترتی اور تیزی سے دوسرے پہاڑ پر چڑھ جاتی۔ پانی کی تلاش میں سات چکر لگا چکی تھی، لیکن پانی کہیں نہ ملا۔۔ اور پھر وہ بے قرار ماں دوڑ کر اپنے بچے کی طرف آئی جو جاں بلب ہو چکا تھا۔ سینکڑوں ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں سے پیار کرنے والا رب یہ منظر دیکھ رہا تھا اس نے فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام کو وہاں بھیجا، آپ علیہ السلام نے ایڑی زمین پر ماری اور زمین سے پانی کا چشمہ ابل پڑا، بظاہر آخری سانس لیتے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بے تاب ماں حضرت ہاجرہ علیہ السلام ابلتے پانی کا چشمہ دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئیں اور پانی کے گرد منڈیر بنا دی تاکہ پانی اِدھر اُدھر نہ بہہ سکے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر حضرت ہاجرہ علیہ السلام اس پانی کے گرد منڈیر نہ بناتیں تو آج یہ پانی ایک دریا کی شکل اختیار

کرلیتا"۔ اس عجیب و غریب پانی نے ماں بیٹے کو کھجور اور کھانے سے بھی بے نیاز کردیا۔ پانی پیتے ہی پیاس کے ساتھ ساتھ بھوک کا احساس بھی ختم ہوگیا

بے شک زم زم حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک لافانی اور عظیم یادگار ہے جسے رب تعالی نے تاقیامت ساری دنیا کو مستفیض فرمانے کے لیے زندہ اور جاری فرمایا ہے ،زمزم کو نوش کرتے ہوئے مومنوں کے دل یقین و ایمان کے خزانے سے بھر جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان اسے صرف ایک پاک اور متبرک پانی سمجھ کر نوش کرتے ہیں اور اس کے روحانی خواص سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ۔اللہ تعالی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے زمزم سے ساری دنیا کو روشناس فرمایا ہے یہ اپنی مثال آپ ہے اور اس میں بے شمار قیمتی راز پوشیدہ ہیں۔

کنوئیں کی تفصیل

آب زم زم کا کنواں خانہ کعبہ کے جنوب مشرق میں تقریباً 21 میٹر کے فاصلے پر تہہ خانے میں واقع ہے ،اس کنویں کی گہرائی تقریباً 98 فٹ (30 میٹر) اور اس کے دھانے کا قطر تقریباً 3 فٹ 7 انچ تا 8 فٹ 9 انچ ہے۔ 1953ء تک یہ پانی ڈول کے ذریعے نکالا جاتا تھا، مگر اب مسجد حرام کے اندر اور باہر کے مختلف مقامات پر آبِ زمزم کی سبیلیں لگادی گئی ہیں۔ زم زم کا پانی مسجد نبوی میں بھی عام ملتا ہے اور حجاج کرام یہ پانی دنیا بھر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ آبِ زم زم دنیا کا وہ واحد پانی ہے ،جس کو پینے کے بعد بیماریوں سے شفاء ملتی ہے اور جس کے پیتے وقت مانگی جانے والی دعا بھی قبول ہوتی

ہے۔ زمزم کا چشمہ ایک ایسی پاک اور مقدس سر زمین سے جاری ہوا ہے جس کی تاریخ سے نہ صرف مسلمانان عالم بلکہ دنیا کی دوسری قومیں بھی بخوبی واقف ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ چشمہ زمزم قدرت کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک بہت ہی بڑا درجہ رکھتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

زم زم کی فضیلت

حجر اسود کی مشرقی اور مقام ابراہیم کی جنوبی سمت میں موجود اس کنواں کا پانی روئے زمین کا سب سے افضل اور متبرک اور تمام پانیوں کا سردار ہے جیسا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے "روئے زمین پر سب سے بہترین پانی زم زم کا پانی ہے اس میں کھانے والے کے لیے بہترین کھانا اور بیمار کے لیے شفاء ہے۔ (الترغیب والترہیب)

اس پانی کی فضیلت کا اندازہ اس سے بھی لگتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسرء اور معراج پر لے جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اطہر اسی پاک پانی سے دھویا گیا (بخاری)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آبِ زم زم کے کنویں پر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پانی کا ایک ڈول نکالا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے اس میں سے کچھ پانی نوش فرمایا پھر اس میں کلی فرمائی اور ڈول کو کنویں میں انڈیل دیا۔ گویا یہ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک بھی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

زم زم اور سائنس

سائنسی طور پر اس امر کی تحقیق کی جا چکی ہے کہ زم زم میں انسانی صحت کے لیے مفید اجزاء موجود ہیں۔ پیاس بجھانے کے علاوہ یہ پانی ہاضم خوراک بھی ہے اور اس کے پینے سے کئی امراض کا خود بخود قلع قمع ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر میں اس پاک پانی کو مختلف ٹسٹوں سے چیک کیا گیا ہے جس سے اس کا پانی صاف و شفاف اور ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک ہونا سائنسی طور پر ثابت ہو گیا ہے۔ مشرق و مغرب کے بڑے بڑے ڈاکٹر و طبیب اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ زم زم کا پانی استعمال کرنے سے معدہ، آنتوں، پھیپھڑوں اور دماغ کے تمام اعضاء پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ اسکے علاوہ دمہ، پیچش، ذیا بیطس اور دل کی دھڑکن وغیرہ میں بھی اس کا استعمال بے حد مفید ثابت ہوا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے آب زمزم بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے سائنسداں اس کی عظمت و حرمت، اسکی افادیت کو پہلے بھی تسلیم کرتے تھے آج بھی کرتے ہیں اور ہمیشہ تسلیم کرتے رہیں گے۔ انہی مغربی ممالک کے سائنس دانوں نے زمزم کے بارے میں ایک عرصہ تک اس تحقیق میں سرگرداں رہ کر جو انکشافات کیئے ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔ آب زمزم کی کیمیائی تحلیل کر کے سائنسدانوں نے متعدد معدنی اجزاء دریافت کیئے ہیں۔

صفا و مروہ قدرت کی نشانیاں

صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نشانی اور شعار بنایا تاکہ بندے ان کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا

کریں اس کا ذکر کریں اور ان کے پاس دیگر مشروع اعمال انجام دیں۔ یہ دونوں مقدس مقامات کا درجہ رکھتی ہیں ان کے درمیان سعی ہر حاجی اور معتمر کیلئے لازمی حیثیت اختیار کرگئی ہے ان پہاڑیوں کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ سے آیا ہے۔

{إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ}

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اس لئے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے کرنے والوں کا اللہ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔ (البقرہ۔۱۵۸)

"شَعَائِرُ" کے معنیٰ علامات (نشانیوں) کے ہیں خواہ مکانات ہوں جیسے کعبہ مشرفہ' عرفات' مزدلفہ' تینوں جمرات' صفا' مروہ 'منیٰ' مساجد یا زمانے جیسے رمضان، اشہر حرام، عیدالفطر و اضحیٰ جمعہ' ایامِ تشریق یا دوسری علامات جیسے اذان، اقامت' نمازِ باجماعت، نمازِ جمعہ، نمازِ عیدین، یہ سب شعائر دین ہیں۔ اصطلاح میں اِس سے مراد وہ مظاہر ہیں جو اللہ اور رسول کی طرف سے کسی حقیقت کا شعور قائم رکھنے کے لیے بطورایک نشان کے مقرر کیے گئے ہوں۔ چنانچہ قربانی جس طرح حقیقت اسلام کی علامت ہے، حجر اسود کا استلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہدو یثاق کی علامت ہے، رمیِ جمرات شیطان کے خلاف جنگ اوراُس پر لعنت کی علامت ہے، اِسی طرح صفا و مروہ کی سعی اسمٰعیل علیہ السلام کی قربان گاہ کا طواف ہے جو نذر کی علامت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اِن شعائر میں اصل مرکز نگاہ تو وہ حقیقتیں ہوا کرتی ہیں جن کی یہ

علامت ہوتے ہیں ، لیکن اِنھی حقیقتوں کے تعلق سے یہ شعائر بھی دین میں تقدس کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ تاہم یہ بات اِن کے بارے میں ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ جو حقیقتیں اِن میں مضمر ہوتی ہیں ، وہ اگر لوگوں کے دل و دماغ میں زندہ نہ رہیں تو اِن شعائر کی حیثیت روح کے بغیر ایک قالب سے زیادہ کی نہیں رہتی۔ اِسی طرح یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ تمام شعائر اللہ اور رسول کے مقرر کردہ ہیں اور اِن کی تعظیم کی حدود بھی اللہ و رسول نے ہمیشہ کے لیے طے کر دی ہیں۔

محل وقوع

صفا و مروہ مکّہ مکرمہ کے دو پہاڑ ہیں جو کعبہ معظمہ کے مقابل جانب شرق واقع ہیں مروہ شمال کی طرف اور صفا جنوب کی طرف جبل ابی قبیس کے دامن میں ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی حج و عمرہ کی جاتی ہے۔ دونوں کا فاصلہ تقریبا ایک کلومیٹر ہے۔ صفا سے سعی کا آغاز اور مروہ پہ اختتام ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو قربانی کے لیے جس قربان گاہ پر پیش کیا ، وہ یہی مروہ ہے ۔ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ان دونوں پہاڑوں کے قریب اس مقام پر جہاں چاہِ زمزم ہے بحکم الٰہی سکونت اختیار فرمائی اس وقت یہ مقام سنگلاخ بیابان 'نہ یہاں سبزہ' نہ پانی نہ کھانے پینے کا کوئی سامان تھا۔ رضائے الٰہی کے لئے ان مقرب شخصیات نے صبر کیا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے اور پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تھے جب ان کی جاں بلبی کی حالت ہوئی تو حضرت ہاجرہؓ بے تاب ہو کر صفا پہاڑی پر تشریف لے گئیں وہاں بھی پانی نہ پایا تو اُتر کر

نشیب کے میدان میں دوڑتی ہوئی مروہ تک پہنچیں اس طرح سات مرتبہ چکر لگائے اور اللہ تعالیٰ نے "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" کا جلوہ اس طرح ظاہر فرمایا کہ غیب سے ایک چشمہ زمزم ظاہر فرمایا اور ان کے صبر واخلاص کی برکت سے ان کے اتباع میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے والوں کو مقبول بارگاہ کیا اور ان دونوں پہاڑیوں کو محل اجابت دعا بھی بنایا۔

ایک مرد جس کا نام " اساف " تھا اور ایک عورت جس کا نام " نائلہ " تھا ان دونوں خبیثوں نے خانہ کعبہ کے اندر زنا کیا ان دونوں پر یہ قہر الٰہی نازل ہوا کہ یہ دونوں مسخ ہو کر پتھر کے بت بن گئے پھر زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں نے ان دونوں مجسموں کو کعبہ سے اٹھا کر صفا و مروہ کی دونوں پہاڑیوں پر رکھ دیا اور ان دونوں بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اور ان کی تعظیم کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب اسلام آیا اور لوگ بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو ان بتوں کی تعظیم کے لئے تھا جب بتوں کی تعظیم حرام ہوئی تو صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیے انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو اصل میں حج کے لئے ہے کفار نے اپنی جہالت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہ دور ہو گئے اور انصار مدینہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ کے طواف کو برا سمجھتے تھے تو اسلام کے بعد بھی ان کو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم پہلے سے اس کو مذموم سمجھتے ہیں اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی اور فریق اول اور ثانی دونوں کو مطلع کیا گیا کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں، یہ تو اصل میں اللہ کی نشانیاں ہیں ان کا طواف کرنا چاہیئے۔

یہ ایک علامتی واقعہ ہے جو بتاتا ہے کہ اللہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ کا کوئی بندہ اگر اللہ کی راہ میں بڑھتے ہوئے اس حد تک چلا جائے کہ اس کے قدموں کے نیچے ریگستان اور بیابان کے سوا کچھ نہ رہے تو اللہ اپنی قدرت سے ریگستان میں اس کیلئے رزق کے چشمے جاری کر دے گا۔ حج اور عمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کا مقصد اسی تاریخ کی یاد کو تازہ کرنا ہے۔ ''بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیلؑ کو لے کر جب یہاں آئی تھیں، اور وہ پیاس سے بے تاب ہو گئے تھے تو حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں، اور آخر زم زم کا چشمہ ان کو نظر آیا یہ صفا و مروہ کی سعی انھی کی اس مضطربانہ دوڑ کی یادگار ہے۔'' (سیرت النبی از علامہ ندوی)

سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور تعلیمات میں اللہ کی نشانیاں اتنی واضح ہیں کہ یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آپ کی زبان پر اللہ کا کلام جاری ہوا ہے۔ مگر یہودی علماء آپ کے منکر ہوئے ان کو خطرہ تھا کہ اگر وہ رسول عربی ﷺ کی رسالت کو مان لیں تو ان کی مذہبی اور تجارتی اجارہ داراری ختم ہو جائیگی۔ اپنی کامیابی کا راز انہوں نے حق کو چھپانے میں سمجھا، حالانکہ ان کی کامیابی اس میں تھی کہ وہ رسول برحق ﷺ کی حمایت کا اعلان کرتے۔

(۳۸) جمرات شعائر اللہ

جمرات جو منیٰ میں واقع ہیں اور حجاج کرام کنکریاں مارتے ہیں انہیں شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ یہ علامتی شیطان ہیں جنہیں کنکریوں سے مارا جاتا ہے۔ قیام منیٰ کے دوران میں ایام تشریق یعنی دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو

جن تین پتھر کے ستونوں کو حجاج کنکر مارتے ہیں انہیں اصطلاح میں رمی جمرات کہتے ہیں۔ مشہور قول یہی ہے کہ شیطان نے اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی تاکہ آپ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل کی قربانی سے رک جائیں۔ آپ نے اس کو کنکریاں ماریں یعنی رجم کیا۔موجودہ رمی جمار اسی عمل کی یادگار ہے۔جمرات بھی شعائر اللہ میں سے ہیں کیونکہ حجاج جب ان پر پتھر برساتے ہیں، تو وہ حقیقت میں ان پر نہیں برساتے بلکہ اللہ تعالی کے دشمنوں پر برساتے ہیں۔ دشمن خواہ وہ ابلیس کی ذریات (اولاد) سے تعلق رکھنے والے ہوں یا انسانوں کے کسی گروہ سے ہوں، لعنت کرتے رہیں اور ان کے خلاف جہاد کے لئے ہر وقت تیا رہیں۔ اوران کے خلاف زندگی بھر اعلانِ جہاد کرتے ہیں اور اپنے قول و فعل سے یہ تأثر دیتے ہیں کہ ہم جب اپنے وطن واپس جائیں گے، تو اسی جذبے سے ہر طاغوتی قوت سے لڑیں گے۔

اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں ''اس سے مقصود مجرد امتثال امر ہے تاکہ مکمل طور پر حکم الٰہی کے اتباع کا مظاہرہ ہو سکے۔ عقل و نفس کو اس میں کسی طرح کا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ مزید برآں اس فعل کے کرنے میں حضرت ابراہیمؑ سے تشبہ مقصود ہے، اس لیے کہ اس مقام پر ابلیس ملعون ظاہر ہوا تھا تاکہ آپ کے دل میں شبہ پیدا کرے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اس کو کنکریاں ماریں تاکہ وہ ان کے پاس سے دفع ہو جائے اور اس کی (گمراہ کرنے کی) امید منقطع ہو جائے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے توشیطان حقیقت میں ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اس کو دیکھا تھا، اس لیے انھوں نے اس کو مارا تھا۔ میں نے شیطان کو نہیں دیکھا ہے،

پھر کس لیے اس کو کنکریاں ماروں ۔ اس کو جان لینا چاہیے کہ یہ شبہ بھی شیطان ہی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس خیال کو تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ شیطان کو ذلیل و خوار کرنے کا تمہارا ارادہ کمزور پڑ جائے اور تم یہ خیال کر بیٹھو کہ اس عمل سے کوئی فائدہ نہیں ۔ یہ تو محض ایک کھیل تماشا ہے ، اس لیے اس میں انہماک بے جا ہے ۔ تم کو چاہیے کہ تم پوری دل جمعی اور ثابت قدمی کے ساتھ شیطان کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے کنکریاں مارو اور اپنے نفس سے اس کو دفع کرو اور یہ بھی جان لو کہ تم بادی النظر میں پتھر پر کنکریاں مارتے ہو، لیکن وہ درحقیقت شیطان کے منہ پر پڑتی ہیں اور اس کی کمر توڑ دیتی ہیں ۔ اس لیے کہ اس کی ذلت و خواری اس عمل سے سب سے زیادہ ہوتی ہے. جس میں عقل اور نفس کے لیے کوئی سامان حظ نہیں ہوتا اور صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اطاعت محض کے جذبے سے انجام دیا جاتا ہے ۔ (احیاء العلوم)

(۳۹) حضرت عیسیٰؑ کے چار معجزات بطور نشانی

اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزات عطا فرماتا رہا تاکہ اس کی صداقت ظاہر ہو اور بالاتری نمایاں ہو سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا زور تھا انہیں ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچہ تھا چنانچہ انہیں مردہ کو زندہ کر دینے' مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے اس کی نقل کرنے پر

قادر نہیں تھا۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور شعر وادب اور فصاحت اور بلاغت کا دور تھا چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء اور شعرا عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ دراصل معجزات کے ظہور پذیر ہونے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاندین اور منکرین کے سامنے اپنے رسول کی صداقت و حقانیت کی ناقابل انکار دلیل پیش کر دی جائے اور منکرین پر یہ واضح کر دیا جائے کہ رب تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہے یہ محیر العقول واقعات ان کے اشاروں پر اسی لیے ہو رہے ہیں۔ اور عام طور پر ہر نبی کو ان کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق معجزات عطا فرمائے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ}

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا" (اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا) "میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت میں ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے

ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ (آل عمران ۔ ۴۹)

قرآن مجید نے ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے ان کو لفظ ''آیت'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور ''آیت'' کے معنی ہیں "العلامة الظاهرة" (جو کسی کو پہچاننے کے لیے کھلی نشانی ہو)۔ اس کے بعد شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں۔ (۱) مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر اس میں پھونک مار کر زندہ کرنا۔ (۲) مادر زاد اندھے کو بینا کرنا (۳) کوڑھی کو تندرست کرنا (۴) اور مردہ کو زندہ کرنا۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں۔ اور پانچویں قسم علمی معجزہ کی تھی آپ بتایا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ یہ چیزیں کھائی ہیں اور فلاں چیزیں تمہارے گھروں میں ہیں۔

(۴۰) حضرت صالحؑ کی اُونٹنی اللہ کی نشانی

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے جب قوم کو اللہ عزوجل کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس سرکش قوم نے آپ سے یہ معجزہ طلب کیا کہ آپ اس پہاڑ کی چٹان سے ایک حاملہ اونٹنی نکالیں جو خوب فربہ اور ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک ہو۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور چٹان کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ فوراً ہی پھٹ گئی اور اس میں سے ایک نہایت خوبصورت اور بلند قامت اونٹنی نکل آئی اور ساتھ حاملہ بھی تھی۔ نکلتے ہی اس نے ایک بچہ کو بھی جنم دیا یہ اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ میدانوں میں چرتی پھرتی رہتی۔ اس بستی میں ایک ہی تالاب تھا جس میں

پہاڑوں کے چشموں سے پانی آکر جمع ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو یہ (اونٹنی) معجزہ ہے۔ ایک روز تمہارے تالاب کا سارا پانی یہ پی ڈالے گی اور ایک روز تم پینا۔ قوم نے چند دن تو اس تکلیف کو برداشت کیا کہ ایک دن اُن کو پانی نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ اس دن تالاب کا سارا پانی اونٹنی پی جاتی تھی۔ اس لئے ان لوگوں نے فیصلہ کرلیا کہ اس اونٹنی کو قتل کرڈالیں۔ قوم کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی نشانی کے طور پر ظاہر فرمائی ہے۔ تمہارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی نشانی ہے۔ اِسے کوئی تکلیف پہنچاؤ گے تو سمجھ لو کہ امان کی دیوار گرگئی۔ اِس کے بعد قہر الٰہی کے سیلاب کو کوئی چیز تمہاری بستیوں میں داخل ہونے سے نہیں روک سکے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ}

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل (نشانی) آچکی ہے یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل (نشانی) ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسکو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کہ کہیں تم کو دردناک عذاب نہ آ پکڑے (الاعراف۔ ۷۳)

''یہ ثمود، حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھے سنہ ۹

ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کا ان کے مساکن اور وادی سے گزر ہوا، جس پر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ معذب (عذاب یافتہ) قوموں کے علاقے سے گزرو تو روتے ہوئے، یعنی عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہوئے گزرو (صحیح بخاری)

ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھا، جسے ہم نکلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرما دی۔ اس اونٹنی کے متعلق انہیں تاکید کر دی گئی کہ اسے بری نیت سے کوئی ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے۔ لیکن ان ظالموں نے اس اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا، جس کے تین دن بعد انہیں چنگھاڑ (صَیْحَۃ، سخت چیخ اور رَجْفَۃ، زلزلہ) کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا، جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔'' (احسن البیان)

(۴۱) چیونٹی قدرت کی نشانی

چیونٹی جو بظاہر ایک حقیر کیڑا ہے اپنے اندر بصیرت و حکمت کے ان گنت سامان رکھتا ہے۔ اس ننھی مخلوق میں خداوند علیم وقادر نے انسانوں کے لیے تفکر و تدبر کے سامان رکھے ہیں۔ اسکی منظم زندگی 'ذخیرہ خوراک کو یکجا کرنا، قوت شامہ کی تیزی وغیرہ ایسے پہلو ہیں جن پر جتنا زیادہ فکر و تدبر کیا جائے

اتنا ہی انسان کے لیے ہدایت اور روشنی کے خزانے کھلتے جاتے ہیں۔ اس کی تخلیق بھی کتنی عجیب ہے؟ یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اسی لیے کہ اس میں فہم وادراک، صبر اور احساس اس قدر ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس کے چھوٹے سے جسم اور حجم کو دیکھنے کے بعد نہیں سمجھ سکتا، اور شاید آج کی بہت سی جدید سائنسی ایجادات اسی میں غور وفکر کرنے سے معرض وجود میں آئی ہوں کیونکہ اس کی تخلیق میں بہت ہی دقت نظر اور نظم وترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے چیونٹیاں سردی کے زمانہ میں ان چیونٹیوں کے لئے کھانے دانے کا انتظام کرتی ہیں جو باہر نہیں آسکتیں، اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہوتی ہیں جو دانوں کا آٹا بناتی ہیں اور وہ ہر وقت اسی کام میں مشغول رہتی ہیں۔

چیونٹیوں کے عجائبات

چیونٹیوں کے عجائبات ایک وسیع دنیا ہے اہل علم و دانش نے اس ننھی مخلوق کے عجائبات پر کتابیں تصنیف کیں ہیں۔ جن کا مطالعہ انسان کے سامنے اس بظاہر حقیر اور ننھی مخلوق کی فطرت میں جاگزیں خوبیوں اور کمالات کے اسرار و عجائب کھول دیتا ہے۔ ان کے متعلق سائنس نے جو حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں اس سے قطع نظر ایک عام انسان بھی اگر ان کی کسی بڑی جماعت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں ان کے عسکری نظام اور فوجی ڈسپلن کو دیکھے تو حیرانی ہوتی ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ پوری فوج ایک قائد کی قیادت میں مارچ کر رہی ہے۔ گروپ کے دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ان کے رضا کاروں اور اسکاؤٹوں کی لائن ہوتی ہے جو اپنی

معین حدود کے اندر برابر تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ وہ نگرانی کی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔ جونہی ان کو کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے وہ اپنے حدود کے اندر اس سے گروپ کو آگاہ کرتے ہیں اور گروپ اپنے آپ کو اس سے بچانے کی تدبیر اختیار کرتا ہے۔ وہ منظر ان کا خاص طور پر دیدنی ہوتا ہے جب ان کا کوئی قبیلہ مستقل طور پر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اپنے تمام غذائی ذخائر اور اپنی تمام اولاد کے ساتھ نقل مکانی کرتا ہے۔

چیونٹیوں کے یہ کارنامے تو ہر انسان کو نظر آتے ہیں لیکن سائنس دانوں نے ان کے جن عجائب کا انکشاف کیا ہے کہ ان کی بعض قسمیں انسانوں کی طرح بعض جانوروں کو پالتی ہیں اور ان کو اپنے اغراض و ضروریات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ یہ اپنے لیے کھیت بناتی اور ان میں بیج بوتی ہیں اور جب فصل تیار ہوتی ہے تو اس کو بلوں (تہہ خانوں) میں محفوظ کر دیتی ہیں۔ اور کچھ چیونٹیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی فطرت میں صرف کھانا کھانے کا مخصوص گھر بنانے کا میلان ہوتا ہے، جس کو کھانے کا باغیچہ کہتے ہیں یہ وہاں پر مختلف کیڑے مکوڑوں کا شکار کر کے لاتی ہیں اور پھر وہاں آرام سے بیٹھ کر کھاتی ہیں۔ اسی طرح ان میں سے کچھ کی ذمہ داری یہ ہوتی کہ وہ اپنے لئے گھر بنانے میں لگی رہیں کچھ چیونٹیاں اس طرح کے پتے کاٹ لاتی جو ان کے اندازہ کے مطابق گھر میں استعمال کے لیے ہوتے ہیں، اور بعض اپنے گھر کے اردگرد پہرہ داری کرتی ہیں۔ اسی طرح ان کی باقاعدہ فوج بھی ہوتی ہے جو مخصوص افسروں کی کمان میں دشمن پر حملہ آور ہوتی ہے۔ ان کے ہاں تربیت اور ٹریننگ کا باقاعدہ نظام ہے۔ غرض وہ ساری خصوصیات ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں جو انسانوں کے

اندر پائی جاتی ہیں بس صرف شکل و صورت اور درجہ و مرتبہ کا فرق ہے۔ ان تمام تفصیلات کے پیش نظر کیا مادہ کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اتنی دقیق چیزوں کو پیدا کر سکے جن میں ایک چیونٹی بھی ہے جو اتنے بڑے دقیق حساب وکتاب سے رہتی ہے پس ان تمام چیزوں کے پیش نظر حیوانات میں بھی قدرت کی عظیم نشانیاں انسانوں کے لیے قابل توجہ ہیں چنانچہ قرآن پاک نے اس بارے میں پہلے وضاحت فرمادی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ}

ترجمہ: جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بےخبری میں سلیمان اور اسکا لشکر تمہیں روند ڈالے (نمل۔۱۸)

until when they reached the valley of the ants, one of the ants said, :O ants, enter your dwelling places, lest Sulaiman and his armies crush you unknowingly

معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور موجود ہوتا ہے۔ گو وہ انسانوں سے بہت کم اور مختلف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا، جس طرح تسخیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لاؤ لشکر کا ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔

چیونٹیوں کی بستیاں

چیونٹیوں ایک معاشرتی اور سوشل زندگی گزارتی ہیں۔ ان کے طور طریقے انسانی معاشرے سے ملتے جلتے ہیں وہ ایسی مثالی اور عمدہ معاشرتی سیٹ اپ میں بستیاں قائم کرتی ہیں جو انسانوں کے لیے قابل تقلید ہوتی ہیں۔ جن کے نقش قدم پر چلنے سے انسان اپنی سماجی و اقتصادی زندگی خوب سے خوب تر بنا سکتا ہے۔ مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں ان کی بستیاں بکثرت تھیں۔ ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔

ماہرین حیوانات نے سالہا سال سے تجربے کیے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیاتِ اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور بشری انداز کے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ انسانوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں ان میں تعاون باہمی کا جذبہ، تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کے ادارات نوعِ انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ چیونٹیوں کی صرف وہی قسمیں نہیں ہیں جن سے ہم اپنے علاقوں میں آشنا ہیں بلکہ سائنس کی تحقیقات نے جو معلومات فراہم کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بے شمار قسمیں مختلف علاقوں اور زمینوں میں پائی جاتی ہیں جن میں صامت و ناطق ہر قسم کی چیونٹیاں ہیں۔ حضرت سلیمان جس طرح پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان حشرات کی آواز بھی سنتے اور سمجھتے تھے۔ اور یہ علم ان کے پاس خداداد تھا۔ قرآن پاک کی وضاحت کے صدیوں بعد کہیں ماہرین علم حیوانات نے ان حقائق اور معلومات کو ثابت کیا ہے۔

چیونٹی اور کلام حضرت سلیمان علیہ السلام

چیونٹی نے یہ اس لئے کہا کہ وہ جانتی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں صاحب عدل ہیں جبر اور زیادتی آپ کی شان نہیں ہے اس لئے اگر آپ کے لشکر سے چیونٹیاں کچل جائیں گی تو بےخبری ہی میں کچل جائیں گی کہ وہ گزرتے ہوں اور اس طرف التفات نہ کریں چیونٹی کی یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور سے سن لی اور ہوا ہر شخص کا کلام آپ کے سمع مبارک تک پہنچاتی تھی جب آپ چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے تو آپ نے اپنے لشکروں کو ٹھہرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو گئیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر اگرچہ ہوا پر تھا مگر بعید نہیں ہے کہ یہ مقام آپ کا جائے نزول ہو۔

(۴۲) پرندوں کی پرواز میں قدرت کی نشانیاں

پرندوں کی پرواز میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں یوں تو کائنات کی ہر چیز دعوت نظارہ دے رہی ہے اور اس کے اندر فکر و تدبر کرنے سے انسان خالق کائنات کے وجود اور اسکی توحید تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ چونکہ طیور ہمارے ماحول میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اور تقریباً ہر جگہ ہم ان کا سامنا کرتے رہتے ہیں اس لیے ان کے ذریعے حقیقت تک رسائی آسان ہوجاتی ہے

خالق کائنات نے جس طرح انسانوں کو مناسب سے قویٰ عنایت فرمائے، اسی طرح پرندوں کو ان کے حالات کی مناسبت سے فطری قوتیں

عطا فرمائیں ، ہر پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام سے وابستہ ہے۔ اسے کسی درسگاہ سے اڑنے کی تعلیم نہیں لینی پڑتی۔ کوئی چیز فضا میں ٹھہر نہیں سکتی، وہ ہوا کی لطافت اور زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے زمین پر آ گرتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے پروں اور ان کی دم کی ساخت میں کچھ ایسا توازن قائم کیا ہے کہ نہ زمین کی کشش ثقل انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور نہ ہوا کی لطافت انہیں نیچے گراتی ہے اور فضا میں بے تکلف تیرتے پھرتے ہیں۔ یعنی باوجودیکہ پرندے بوجھل، موٹے جسیم ہوتے ہیں اور ثقیل چیز طبعاً پستی کی طرف مائل ہوتی ہے وہ فضا میں نہیں رک سکتی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ ٹھہرے رہتے ہیں۔ پرندے جب اڑنے لگتے ہیں تو اپنے پروں کو پھڑپھڑاتے اور پھیلاتے ہیں۔ پھر جب فضا میں پہنچ جاتے ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت پروں کو پھیلائے رکھیں۔ وہ انہیں بند بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی گرتے نہیں۔ انسان نے پرندوں کی اڑان اور ان کی ساخت میں غور و فکر کر کے ہوائی جہاز تو ایجاد کر لیا۔ مگر جس ہستی نے ایسے طبعی قوانین بنا دیے ہیں جن کی بنا پر پرندے یا ہوائی جہاز فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اس ہستی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انسان نے کوئی کوشش نہیں کی۔

پرندوں کی پرواز کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ}

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی ہوا میں گھرے ہوئے (اڑتے رہتے) ہیں؟ ان کو اللہ ہی تھامے رکھتا ہے۔ ایمان والوں کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (نحل۔ ۷۹)

Did they not look at the birds how they are controlled in the atmosphere of the sky? No one holds them but Allah. Surely, in that there are signs for a people who believe.

آیات الٰہی میں اشارہ یہ ہے کہ اگر انسان آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے معلوم ہو کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کی چیزیں اللہ ہی کی عنایت سے ملی ہیں۔ پرندوں کا فضا میں اڑنا۔ آخر اللہ کے سوا کون ہے جو ان کو فضا میں تھامتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الملک میں فرمان عزوجل ہے:

{اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ}

ترجمہ: کیا انہوں نے اپنے سروں پر اڑتے پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے ہیں اور ان کو سکیڑ بھی لیتے ہیں؟ اللہ کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا۔ بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (الملک۔ ۱۹)

پرندوں کی تسبیح

پرندوں کی تسبیح انسانوں کی تسبیح سے مختلف چیز ہے۔ قرآن حکیم میں ہر چیز کے تسبیح خواں ہونے کا ذکر ہے جسے انسان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ پرندوں اور دیگر اشیاء کی تسبیح سے مراد یہ ہے کہ وہ اضطراری طور پر مرضی خالق کے سامنے سرنگوں ہیں اور منشائے ربی کے موافق اپنی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

{اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ}

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے، اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے (النور۔ ۴۱)

کائنات کی ہر چیز اپنے عمل سے اللہ تعالی کی تسبیح کی دعوت دیتی ہے۔ ان کی ظاہری حالت، جو ہمارے مشاہدے میں آتی ہے، اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جس طرح وہ اپنے ظاہر میں ہر آن اپنے رب کے آگے سر نگوں اور اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم ہیں اسی طرح ان کا باطن بھی ہر لمحہ اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہے۔ اگرچہ ہم ان کی زبان اور ان کی حرکات سے اچھی طرح آشنا نہ ہونے کے سبب نہیں سمجھ سکتے۔

تمام مظاہر عالم تسبیح و تہلیل میں مشغول

{تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ}

ترجمہ: ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح (کی حقیقت) نہیں سمجھ سکتے (اسراء۔ 44)

All the seven skies and the earth and all those therein extol His purity. And there is not a single thing that does

not extol His purity along with His praise, but you do not understand their extolling. Surely He is Forbearing, Most-Forgiving.

مذکورہ آیت کریمہ کئی حقائق سے پردہ اٹھا رہی ہے (۱) اجرام سماوی میں نہ صرف مخلوقات موجود ہیں بلکہ ان میں کچھ صاحب عقل بھی ہیں۔ جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں ذوی العقول ہیں یا غیر ذوی العقول ہیں سب اللہ تعالی کی حمد و ثنا کر رہی ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہر زندہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ سب اس کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہیں۔ گو ہم ان کی تسبیح و تحمید کو نہ سمجھ سکیں۔

جیساکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

{اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ}

ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح بیان کریں۔ اور پرندوں کو بھی کہ جمع رہتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے (ص۔ ۱۹)

اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے پرندے بھی زبور کی قرأت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ اسی طرح پتھروں کے بارے میں ارشاد ہے:

{وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ}

ترجمہ: اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ (البقرہ۔ ۷۴)

آیات پاک و حدیث مبارک سے ثابت ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے، جسے گو ہم نہ سمجھ سکیں، مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک اس سے مراد تسبیح دلالت ہے یعنی یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ساری کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ رب العزت ہے۔ یہ تمام اشیاء اپنی زبان حال سے انسان کو دعوت دے رہی ہیں کہ وہ بھی اس حمد وثنا میں ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور انھی کی طرح صرف اپنے پروردگار ہی کی بندگی کرے۔ جس طرح اہل زمین و اہل آسمان اللہ کی اطاعت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہے، یہ انسانوں اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمہیں تو اللہ نے شعور اور ارادے کی آزادی دی ہے تمہیں تو دوسری مخلوقات سے زیادہ اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دیگر مخلوقات تو تسبیح الٰہی میں مصروف ہیں۔ لیکن شعور اور ارادہ سے بہرہ ور مخلوق اس میں کوتاہی کا ارتکاب کر رہی ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ چیونٹیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکڑی کے ایک ستون سے تکیہ فرما کر خطبہ فرمایا کرتے تھے جب منبر بنایا گیا اور حضورؐ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ ستون رویا حضور اکرم ﷺ نے اس پر دستِ کرم پھیرا اور شفقت فرمائی اور تسکین دی۔ (بخاری)

اور حدیث پاک میں ہے سرورِ عالَم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (مسلم)

(۴۴) لوہا قدرت کی عظیم نشانی

لوہا بنی نوع انسان کے لیے ایک اہم دھات ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

{وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ}

ترجمہ: اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں۔ (الحدید۔۲۵)

And We sent down iron, wherein is great military might and benefits for the people,

تمام مفسرین نے اس آیت میں "وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ" کے معنی "لوہا اتارا" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یعنی ہم نے لوہا پیدا کیا اور لوگوں کے لئے معادن سے نکالا اور انہیں اس کی صنعت کا علم دیا۔ صنعت سکھانے کے معنی یہ ہیں کہ لوہے سے بیشمار چیزیں بنتی ہیں یہ سب اللہ تعالی نے انسان کو الہام وارشاد فرمائی ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار بابرکت چیزیں آسمان سے زمین کی طرف اتاریں (۱) لوہا (۲) آگ (۳) پانی (۴) نمک۔ لوہے کے متعلق فرمایا اس میں جنگی قوت بھی ہے اور اس کے علاوہ انسانی معاشرہ کو بام عروج پر پہنچانے میں بھی اس کو بڑا دخل ہے۔ انسان لوہے سے جنگی ہتھیار بناتا ہے جیسے تلوار، نیزہ، بندوق وغیرہ جن کے ذریعے دشمن پر وار اور اپنا دفاع کیا جاتا ہے۔ سامان حرب کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بناتا ہے جو گھریلو روز مرہ استعمال اور مختلف صنعتوں میں کام آتی ہیں جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، سوئی اور عمارت

وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی مشینیں اور سازوسامان وغیرہ۔

لوہا اتارنے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو انسان اتمام حجت کے بعد بھی حق کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہ ہوں اور اپنے ظالمانہ نظام کے لیے اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنے پر ہی تلے ہوں ان کو طاقت کے ذریعہ سے زیر کیا جائے۔ چنانچہ خالق کائنات کی ہمیشہ یہی سنت رہی ہے کہ جب اس نے کسی قوم کی طرف اپنا پیغمبر بھیجا تو اتمام حجت کے بعد اس کو دو صورتوں میں سے کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیش آئی۔ اگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوئی، اکثر کفر پر جمے رہے تو خالق نے کوئی ارضی و سماوی عذاب بھیج کر اہل کفر کو تباہ کر دیا اور اہل ایمان کو بچا لیا اور اگر اہل ایمان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا تو رسول اور اس کے ساتھیوں کو کفار سے جہاد بالسیف کا حکم دیا گیا جس سے کفر کا خاتمہ ہو۔ اس دنیائے آب و گل میں حصول کامیابی کے لیے قوت کا مالک ہونا ضروری ہے۔ مادی اسباب و علل حاصل کیے بغیر محض روحانی کرشموں سے اس دنیا کو سرنگوں نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی تقدیر بدلنے کے لیے لوہا دنیا میں اتار گیا تاکہ اس کے ذریعے استحکام و توانائی حاصل کی جاسکے۔

ہر خیر کا منبع اللہ تعالیٰ ہی ہے

رب تعالیٰ اپنی اس عنایت کی طرف انسانوں کو خاص متوجہ فرماتا ہے جو اس نے لوہے کے اندر انسانوں کی بہبود کے لیے مضمر رکھی ہے۔ دوسری طرف "انزلنا" کا لفظ ہر چیز کے اصل منبع و مصدر کا سراغ دیتا ہے کہ کوئی چیز

کہیں سے حاصل ہو لیکن حقیقت میں اللہ تعالی کی نازل کردہ ہوتی ہے۔ جب انسان کی نظر اس پہلو پر ہوگی تو وہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کر سکے گا۔

جس سے معلوم ہوا کہ خالق کائنات کے نزدیک لوہے کا اصل فائدہ جہاد کی قوت فراہم کرنا ہے۔ لوہے کے دوسرے تعمیری و تمدنی فوائد مزید بر آں اور ضمنی ہیں۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قرآن پاک نے یہاں لوہے کا ذکر اصل میں ابتدائی ذریعہ جنگ کی حیثیت سے کیا ہے۔ اس زمانے میں بیشتر اسلحۂ جنگ اسی سے بنتے تھے۔ اب لوہے کی حیثیت ثانوی رہ گئی ہے، اصل اہمیت دوسری چیزوں کو حاصل ہو گئی ہے۔ حالات کی تبدیلی سے ان دوسری چیزوں کو اب وہی اہمیت حاصل ہو جائے گی جو پہلے لوہے کو حاصل تھی۔ صاحب ''تفہیم القرآن'' کا بھی اس آیت کے حوالے سے یہی مؤقف ہے۔

'' لوہا اتارنے کا مطلب زمین میں لوہا پیدا کرنا ہے جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن میں فرمایا:

{وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ}

ترجمہ: اس نے تمہارے لیے مویشیوں کی قسم کے آٹھ نر و مادہ اتارے (الزمر) ______ چونکہ زمین میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں آیا ہے خود بخود نہیں بن گیا ہے اس لیے ان کے پیدا کیے جانے کو قرآن مجید میں نازل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن)

''دین میں دو چیزیں مطلوب ہیں۔ ایک پیروی دین، اور دوسری حمایت دین۔ ترازو گویا پیروی دین کی علامتی تمثیل ہے۔ جس طرح ترازو پر

کسی چیز کا کم و بیش ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کی کتاب بھی حق کی ترازو ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے اعمال خدا کی کتاب پر جانچ کر دیکھتے رہیں کہ وہ کس حد تک درست ہیں اور کس حد تک درست نہیں۔ اسی طرح لوہا گویا حمایت دین کی علامتی مثال ہے۔ جب بھی دین کا کوئی معاملہ پڑے تو وہاں آدمی کو لوہے کی طرح مضبوط ثابت ہونا چاہیئے۔ اس کو فولادی قوت کے ساتھ دین کا دفاع کرنا چاہیے۔'' (تذکیر القرآن)

آج سائنسی ترقی نے مذکورہ آیت کریمہ کے مفہوم میں حیرت انگیز اضافہ فرمادیا ہے اور جب انسان اس کے معنی '' طبعی طور پر آسمان سے اتارا '' ..... پر غور و فکر کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ایک اہم سائنسی معجزے کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جدید ماہرین فلکیات نے انکشاف کیا ہے کہ دنیا میں پایا جانے والا لوہا بیرونی خلا کے عظیم ستاروں سے آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوہا زمین پر تشکیل نہیں پایا بلکہ ستاروں کے پھٹنے کے عمل سے شہابوں کی صورت میں '' زمین پر اتارا گیا ہے '' بالکل اسی طرح جیسے متذکرہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ اس حقیقت کا سائنسی طور پر ساتویں صدی میں نزولِ قرآن کے وقت ادراک نہیں ہو سکتا تھا جو عصر حاضر کے ماہرین نے کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر کیا امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل' طاؤس و رباب آخر

(۴۵) میٹھا اور کھارا پانی قدرت کی نشانی

خالق کائنات نے اپنی قدرت کی ایک نہایت محیر العقول نشانی بیان فرمائی ہے۔ انسان کو قدرت الٰہی کے ایک حیران کن کرشمے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ پانی دو الگ قسم کے ہیں۔ ایک میٹھا، خوش ذائقہ اور دوسرا تلخ و نمکین، ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر چل رہا ہے۔ انہیں علیحدہ علیحدہ رکھنے کے لیے خالق نے رکاوٹیں قائم فرما دی ہیں تاکہ یہ ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔ یہ رکاوٹیں اتنی لطیف اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نلکا لگائیں تو پانی میٹھا نکلتا ہے۔ چند فٹ کے فاصلہ پر دوسرا نلکا لگائیں تو پانی کھارا نکلتا ہے۔ دریائے نیل بحر روم میں جا کر گرتا ہے اس کا کئی میلوں تک پانی سمندر میں جوں کا توں چلا جاتا ہے نہ اس کا رنگ تبدیل ہوتا ہے اور نہ ذائقہ بدلتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

{مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ O. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ}

ترجمہ: اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے (الرحمن۔ ۲۰)۔

دوسرے مقام پر ارشاد عزوجل ہے:

{وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا}

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے سمندر آپس میں ملا رکھے ہیں، یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا ' ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط روک کردی۔ (الفرقان۔۵۳)

He is the One who joined the two seas, so as this is sweet, very sweet, and this is bitter, very bitter, and made between them a buffer and an insurmountable barrier.

''مرج'' کے معنی دو چیزوں کو اس طرح ملانا یا ان کا آپس میں اس طرح ملنا ہے کہ ان دونوں کی انفرادی حیثیت اور خواص برقرار رہیں۔ (مفردات امام راغب)

غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کس کی طاقت ہے جو زیر زمین میٹھے پانی کے ذخیروں کو کڑوے پانی سے علیحدہ رکھتی ہے۔ اور جو حالت مدو جزر میں سمندر کے کڑوے پانی کی موجوں کو میٹھے پانی پر چڑھنے کے باوجود باہم ملنے نہیں دیتی۔ یہ کس کی صفت ہے جس نے سمندروں میں میٹھے پانی کے چشمے جاری فرمادیے؟۔ یہ رب العالمین کی ذات اقدس ہے جس کی حکمت کے کرشمے انسان کو ہر جگہ اس کی عظمت و کبریائی کی شہادت دیتے ہوئے نظر آئیں گے۔ آیت پاک کا یہ مفہوم بھی ہے کہ میٹھے پانی سے مراد حق ہے اور کڑوے پانی سے مراد باطل ہے۔ بے شک باطل اپنی کثرت اور شوکت کے باوجود حق کو مٹا نہیں سکے گا' گمراہی کے گھپ اندھیروں میں بھی ہدایت کے چراغ ضرور روشن رہیں گے ان طوفانوں اور ظلمتوں کے باوجود حق کا پرچم لہراتا ہی رہے گا۔

''جب کسی سنگم پر دو دریا ملتے ہیں یا کوئی بڑا دریا سمندر میں جاکر گرتا ہے تو ایسے مقام پر باہم ملنے کے باوجود دونوں پانی الگ الگ رہتے ہیں۔ دونوں کے بیچ میں ایک دھاری دور تک جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ راقم الحروف نے یہ منظر الہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم پر دیکھا ہے۔ یہ واقعہ اس قدرتی قانون کے تحت

ہوتا ہے۔جس کو موجودہ زمانہ میں سطحی تناؤ (Surface tension) کہا جاتا ہے۔
اسی طرح جب سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے تو سمندر کا کھاری پانی ساحلی دریا کے میٹھے پانی کے اوپر چڑھ جاتا ہے۔ مگر سطحی تناؤ دونوں پانیوں کو بالکل الگ رکھتا ہے۔ اور جب سمندر کا پانی دوبارہ اترتا ہے تو اس کا کھاری پانی اوپر اوپر سے واپس چلا جاتا ہے اور نیچے کا میٹھا پانی بدستور اپنی سابقہ حالت پر باقی رہتا ہے۔
حتیٰ کہ اسی سطحی تناؤ کے قانون کی وجہ سے یہ ممکن ہوا ہے کہ کھاری سمندروں کے عین بیچ میں میٹھے پانی کے ذخیرے موجود رہیں اور بحری مسافروں کو میٹھا پانی فراہم کرسکیں۔ انسانی جسم کی اصل پانی ہے۔ پانی سے انسان جیسی حیرت انگیز نوع بنی۔ پھر نسبی تعلقات اور سسرالی روابط کے ذریعہ اس کی نسل چلتی رہی۔
اس طرح کے مختلف واقعات جو زمین پر پائے جاتے ہیں ان پر غور کیا جائے تو ان میں خدا کی قدرت کی نشانیاں چھپی ہوئی نظر آئیں گی (تذکیر القرآن)
'' یہ کیفیت ہر اس جگہ رونما ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں آکر گرتا ہے۔ اس کے علاوہ سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس قائم رکھتا ہے۔ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مراۃ الممالک میں جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں، جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پینے کا پانی حاصل کرتا رہا ہوں '' (تفہیم القرآن)
قدرت کا یہ کرشمہ دنیا میں کئی مقامات پر رونما ہوا ہے مثلاً '' جبل طارق '' کے مقام پر جہاں بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس ملتے ہیں۔ اور ساؤتھ

افریقہ کے ان مقامات پر جہاں بحر اوقیانوس اور بحر ہند ملتے ہیں۔ مصر میں جہاں دریائے نیل، بحیرہ روم میں جاکر گرتا ہے۔ بحیرہ روم کا پانی بحر اوقیانوس کے پانی کے مقابلہ میں گرم، کھارااور کم کثیف ہوتا ہے۔ جب بحیرہ روم جبل طارق پر سے بحر اوقیانوس میں داخل ہوتا ہے تو یہ بحر اوقیانوس کے دہانے پر سے تقریباً ایک ہزار میٹر کی گہرائی تک اپنی گرمی، کھاری پن اور کم کثافتی خصوصیات کے ساتھ کئی سو کلومیٹر دور تک بہتا ہے اور بحیرہ روم کا پانی اپنی گہرائی پر مستحکم رہتا ہے۔

یہ قدرتی رکاوٹیں بڑی بڑی لہروں، طاقتور موجوں اور مدو جزر کو آپس میں ملنے یا حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتیں۔ قرآن پاک نے اسی بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ دو سمندروں کے پانی جس مقام پر آپس میں ملتے ہیں تو ان کے درمیان ایک قدرتی اور انسانی آنکھ کو نظر نہ آنے والی ایک آڑ حائل ہوتی ہے جو ان دونوں پانی کو آپس میں ملنے نہیں دیتی۔ ظاہری طور پر ملے ہوئے ہونے کے باوجود دونوں سمندروں کے پانی اپنے اپنے خواص برقرار رکھتے ہیں۔

عصر حاضر میں جدید سائنسی انکشاف نے ثابت کیا کہ جہاں دو مختلف سمندر آپس میں ملتے ہیں وہاں ان کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل ہوتا ہے جو ان کو ایک دوسرے سے الگ رکھتا ہے اور ہر سمندر کا اپنا درجہ حرارت، کھاری پن اور کثافت ہوتی ہے۔ یہ معلومات حال ہی میں حرارت، کثافت، کھارے پن اور آکسیجن کی حل پذیری معلوم کرنے والے جدید ترین آلات کی مدد سے دریافت ہوئی ہیں۔ یہ ثابت ہوا کہ قرآن پاک اور جدید سائنس میں زبردست مماثلت پائی جاتی ہے قدرت الٰہی کے اس کرشمے کو قرآن کے نزول کے صدیوں بعد بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔

(۴۶) انسانی خوراک میں قدرت کی نشانیاں

رب تعالیٰ نے اس کائنات میں جتنی اشیاء پیدا فرمائی ہیں ان میں نباتات کی خاص اہمیت ہے اس لیے کہ نباتات کے بغیر کوئی بھی انسان یا حیوان زندہ نہیں رہ سکتا ۔ نہ صرف ہماری خوارک بلکہ ضروریات زندگی کی اکثر اشیاء نباتات سے حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً اناج' سبزیاں' میوے' پھل' مصالحہ جات وغیرہ سب نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ ادویات کا ماخذ بھی جڑی بوٹیاں ہیں۔ رب تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک مقرہ ضابطے سے تخلیق فرمایا ہے ۔ اس میں انسان کی عبرت اور تدبر کے لیے قدم قدم پر بہت سے اسباق ودیعت فرمادئے ہیں تاکہ انسان ان مظاہر فطرت پر توجہ کرکے اپنے پروردگار حقیقی کو پہچان سکے ۔ چنانچہ کلام الٰہی میں بڑی تاکید کے ساتھ انسان کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی خوراک پر نظر ڈالے کہ وہ کن کن اسباب اور ذرائع سے ہوکر کس قدر حیرت انگیز طریقے اس کے ہاتھ تک پہنچتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا}

ترجمہ: پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے بے شک ہم ہی نے پانی برسایا پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا پھر اس میں سے اناج اگائے اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ۔ (عبس۔ ۳۰)

ان آیات کریمہ میں غور و فکر کرنے والوں کیلیۓ دلائل کی کمی نہیں ہے انسان اپنی خوراک ہی کے مسئلہ پر ذرا غور و فکر کی نظر ڈالے جس پر زندگی کا انحصار ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح پیدا کیا پھر کس وسعت، کس تنوع اور ضروریات کی نوعیت کے لحاظ سے کتنی گوناگوں شکلوں میں اس کو پھیلا دیا۔ جس طرح ایک خشک بیج کو زمین میں ڈالنے سے کس انداز سے آسمانی (بارش) اور زمینی طاقتیں مل کر اناج اور مختلف میوے تیار کر کے انسانوں اور جانورں کی خوراک کا سبب بنتے ہیں۔ ان مختلف عوامل میں سے کوئی ایک عامل اپنا عمل روک دے تو تمام انسان بھوک سے ہلاک ہوجائیں۔ زمین پر زرخیز مٹی کا جمع ہونا، اس کیلیۓ پانی اور دھوپ اور ہوا کا انتظام، پھر بیج کے اندر نشوونما کی صلاحیت، اس طرح کے بیشمار اسباب ہیں جو بالآخر اناج اور پھل اور سبزی کی شکل اختیار کر کے انسان کی غذا بنتے ہیں۔ اگر انسان اس پر غور و فکر کرے اور اس کی عقل میں فتور نہیں ہے تو وہ نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ جو بارش اس کی غذا کا ذریعہ ہے وہی برابر اس بات کا مشاہدہ کراتی رہتی ہے۔ ساتھ ہی یہ نکتہ بھی اس کی سمجھ میں آجائے گا کہ ربوبیت کا یہ وسیع انتظام مستلزم ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہو۔ ایک دن لازماً اس سے پوچھ گچھ ہونی چاہیے کہ اس نے ان نعمتوں کا حق ادا کیا یا نہیں۔ ہر حق کے ساتھ ذمہ داری کا لزوم ایک امر فطری ہے۔ زمین کی پیدائش، بارش کا نظام، نباتات کا اگنا، اور دوسرے اہتمامات جس نے موجودہ کائنات کو زندہ اشیاء کیلیۓ قابل رہائش بنایا ہے وہ حیرت ناک حد تک قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔

(۴۷) نباتات کے نظامِ زوجیت میں قدرت کی نشانیاں

خالق کائنات نے نہ صرف انسان ' حیوانات اور طیور کو مذکر و مونث پیدا فرمایا ہے بلکہ اس حکیم ذات نے زمین سے جو چیزیں اگائی ہیں انہیں جوڑا جوڑا پیدا فرمایا تاکہ دوسری مخلوقات کی طرح نباتات میں بھی نسل کے اضافہ کا نظام نمو پذیر ہوتا رہے اور یہ جنس دنیا سے ناپیدار نہ ہونے پائے۔ نر اور مادہ کا سلسلہ درختوں ، پودوں ، پھلوں ، پھولوں جھاڑیوں ، گھاس ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہے اس کو نر مادہ میں تقسیم کر دیا۔ نر درخت کے تولیدی اجزا کو ہوائیں اٹھا کر مادہ کے پاس لے جاکر اسے بار دار کرتی ہیں۔ قانون زوجیت کا عمل صرف حیوانات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ حیوانات ، نباتات اور ایسی اجناس جن کو انسان نہیں جانتے وہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی نظام میں حقیقت کی عظیم نشانی بھی موجود ہے۔

معروف ماہر نباتات ''سوئنڈی'' اٹھارھویں صدی عیسوی میں اس تحقیق میں کامیاب ہوا کہ عالم نباتات میں زوجیت اور جفت کا معاملہ تقریباً عمومی اور کلی قانون ہے اور نباتات بھی حیوانات کی طرح نر اور مادہ کے نطفہ کی آمیزش سے بار آور ہو کر پھل دیتے ہیں۔ قرآن حکیم اس سے پہلے اس حقیقت کو فاش کر چکا ہے۔ یہ قرآن حکیم کا ایک علمی معجزہ ہے کہ جس سے اس عظیم برحق کتاب کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر انسان کو معلوم ہے کہ اگر کھجور کے درخت بور نہ دیں یعنی نر کا نطفہ مادہ حصوں ہر نہ چھڑکا جائے تو وہ پھل نہیں دے گا۔ انسان اور بقیہ تمام زندہ موجودات کی زندگی ، بالخصوص نباتات ،

پھلوں کی زندگی رات و دن کے دقیق نظام کے بغیر ممکن نہیں۔

جس طرح دنیا کی تمام اشیاء میں جوڑے کا اصول کار فرما ہے۔ جب کائنات کا سارا نظام اس اصول پر قائم ہے کہ یہاں ہر چیز اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر مکمل ہوتی ہے تو موجودہ عالم دنیا کا بھی ایک جوڑا ہونا چاہیے جس کے ملنے سے یہ مکمل ہو۔ اسی لیے موجودہ دنیا میں جوڑے کا نظام یوم آخرت کو ثابت کردیتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ دنیا عبث نہیں ہے جو یوں ہی پیدا ہوا اور یوں ہی ختم ہو جائے۔ بامعنی دنیا کا لازمی طور پر ایک بامعنی انجام بھی ہونا چاہیے۔ اس طرح مشاہدہ زوجین بیک وقت توحید کو بھی ثابت کررہا ہے اور آخرت کو بھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ}

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود اِن کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے یا اُن اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں (یس۔۳۶)

Exalted is He who created all pairs - from what the earth grows and from themselves and from that which they do not know.

پودوں میں نسل خیزی (Reproduction) ان کے اپنے پھل ہوتے ہیں۔ پھلوں سے پہلے پھولوں کا مرحلہ آتا ہے جس میں نر اور مادہ اعضاء یعنی اسٹیمنز (Stamens) اور اوویولز (Ovueles) ہوتے ہیں جب کوئی زردانہ (Pollen) کسی پھول تک پہنچتا ہے، اسی وقت وہ پھول بار آور ہو کر پھل میں

دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھل پک جاتا ہے اور (اس پودے کی) اگلی نسل کو جنم دینے والے بیج تیار ہو جاتے ہیں۔ تمام پھل یہ بتاتے ہیں کہ (پودوں میں بھی) نر اور مادہ اعضا ہوتے ہیں۔ یہ وہ سچائی ہے جسے قرآن کریم نے بہت پہلے بیان فرما دیا ہے۔ پودوں کی بعض انواع میں غیر بارآور (non fertilized) پھولوں سے بھی پھل بن سکتے ہیں۔ (جنہیں مجموعی طور پر پارتھینوکارپک فروٹ (parthinocarpic fruit) کہا جاتا ہے) ان میں کیلے کے علاوہ انناس، انجیر، مالٹا اور انگور وغیرہ کی بعض اقسام شامل ہیں۔ ان پودوں میں بھی بہت واضح صنفی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

{وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى}

ترجمہ: اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) نباتات کے جوڑے نکال دیئے۔ (طٰہٰ۔ ۵۳)

and sent down water from the heavens; and We brought forth with it pairs of different vegetations :

پہلے زمانے میں انسان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پودوں میں بھی جانوروں کی طرح نر (male) اور مادہ (female) ہوتے ہیں۔ البتہ جدید نباتیات یہ بتاتی ہے کہ ہر پودے کی نر اور مادہ صنف ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ پودے جو یک صنفی (Unisexual) ہوتے ہیں۔ ان میں بھی نر اور مادہ کے امتیازی اجزاء یکجا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ}

ترجمہ: اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق

لو (الذارت۔ ۴۹)

And of everything We have created pairs that you may be mindful.

اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا ایک اور نشان پیش کیا جارہا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ باہم اختلاط سے افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہے۔ انسان اور حیوانات میں جوڑے کا ہونا سب کو ہمیشہ سے معلوم ہے۔ نباتات کی دنیا میں بھی زوجیت کا یہ اصول حسن اور خوبی سے کارفرما ہے مگر اس کا پوری طرح انکشاف اب ہوا ہے۔ سائنسی تحقیقات جب اپنی ترقی کے مزید مراحل طے کریں گی تو جمادات وغیرہ میں بھی یہ اصول زوجیت کارفرما نظر آئے گا۔ ان سب کے علاوہ بھی تفاوات اور متقابلات کی ایک اور الگ عالم آباد ہے۔ جیسے رات اور دن، شقاوت و سعادت، ہدایت و ضلالت، سیاہی و سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان' آسمان وزمین' سورج و چاند' خشکی و تری' گرمی و سردی' جن وانس' روشنی و تاریکی' حق و باطل اور نَر و مادّہ غرض انسان کہاں تک گنتا جائے۔

(۴۸) میاں بیوی کے درمیان پیار ومحبت قدرت کی نشانی

میاں بیوی کے درمیان محبت قدرت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک ہے۔ یہ مودت و الفت اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ اس کے ذریعے تدبر منزل بحس و خوبی موجود رہے اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں بھی اس عنصر سے فائدہ ہو۔ خالق کائنات نے انسانوں ہی کی جنس سے عورتیں پیدا فرمائیں تاکہ

وہ انسانوں کی بیویاں بن سکیں اور انسان جوڑے جوڑے ہو جائیں " زوج " عربی لغت میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے جوڑا ' ' زوج ' ' ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت حضرت بی بی حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا۔ سلسلہ نسل انسانی ان دونوں سے چلا۔ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی مثلاً عورتیں جنات یا حیوانات میں سے ہوتیں، تو ان سے محبت اور راحت کبھی حاصل نہ ہوتی جو ' اب دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ دوسری جنس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت و وحشت کرتیں۔ پیار و محبت حیات انسانی کا وہ لائق احساس سرمایہ ہے جو خاوند کو بیوی کی آغوش میں ملتا ہے۔ بیوی کی آغوش وہ شبستان سکون ہے جہاں فکر معاش میں سرگرداں، دن بھر کی محنت کے بعد شوہر سکھ، چین حاصل کر کے پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ}

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں (الروم۔ ۲۱)

ہر چیز کا جوڑا پیدا کرنے کی حکمتیں

آیت کریمہ میں انسان کی توجہ ایک عظیم نشانی کی طرف دلائی ہے کہ ہم نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم اس سے تسکین و راحت حاصل کر سکو اور اس تسکین و راحت کے حصول کے لیے تمہارے درمیان محبت و ہمدردی ودیعت فرمائی اس پیار و محبت کی حکمت میں جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں۔ اگر محبت کا چراغ زندگی کی اس کٹھن راہ کو منور نہ کرتا اور جذبہ رحمت و الفت ایک دوسرے کی مدد نہ کرتا، تو زندگی کے سفر کا انجام بہت حسرت ناک ہوتا۔ کریم ذات نے اپنے بندوں کے شکستہ حوصلوں کو بلندی اور ڈگمگاتے قدموں کو استقامت عطا فرماتے ہوئے ان کے دکھوں اور تکالیف کے بوجھ کو کم کرنے کیلئے بیوی کی شکل میں ایک مہربان رفیق سفر عطاء فرمایا۔ دونوں کا یہ ساتھ ان دنوں تک محدود نہیں جب عالم شباب کا آفتاب چمک رہا ہو، حالات خوشگوار ہوں اور خوش قسمتی عروج پر ہو بلکہ پیار و محبت اور شفقت و ہمدردی کا یہ رشتہ زندگی کے کسی بھی حصہ میں نہیں ٹوٹتا۔ غم و الم کے سیاہ بادل جیسے جیسے گھرے ہوتے جاتے ہیں محبت و الفت کی یہ شمع زیادہ نور افشانی کرنے لگتی ہے۔ جب حالات ناساز ہوں رفاقت میں مزید پختگی اور مضبوطی آجاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خواتین میں عموماً جفاکشی، قناعت پسندی، خاوند پر جان قربان کرنے، اولاد کی پرورش کرنے کی، گھریلو معاملات کے اعلی منتظم اور وفاداری و اخلاص کی اعلی صفات ہوتی ہے۔ بیوی کی وفاء اور جفاکشی کا اندازہ اس وقت معلوم ہوتا ہے جب گردشِ ایام کی وجہ سے مصائب و دکھوں کا ہجوم اس کے

خاوند کو کسی وجہ سے مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہمارا پروردگار نہایت مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ اس نے انسان کے اندر جوڑے کی خواہش رکھی تو انسانی جنس سے ہمارا جوڑا پیدا فرمایا اور پھر دونوں کے اندر محبت و ہمدردی کے جذبات بھی رکھ دیے تاکہ دونوں دو قالب یک جان ہو کر زندگی بسر کریں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً}

ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے (النساء۔ ۱)

O men, fear your Lord who created you from a single soul, and from it created its match, and spread many men and women from the two.

قدرت نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے نیند کی حالت میں حضرت بی بی حوا کو تخلیق فرمایا۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوئے اپنے پاس حضرت حوّا کو پایا تو محبت و الفت دِل میں موجزن ہوئی ان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا " عورت " فرمایا کس لئے پیدا کی گئی ہو۔ عرض کیا آپ کی تسکینِ خاطر و راحت کے لئے تو آپ ان سے مانوس ہوئے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا نفس واحد سے پیدا کیا جانا تب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب تمام انسانوں کا اصل الاصول ایک آدم ہی ہوں۔ اگر حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے نہ مانی جائے تو پھر افراد بشری کی تخلیق دو نفسوں

حضرت آدم و بی بی حواء سے ہوئی نہ کہ نفس واحد سے، جیسا کہ قرآن حکیم کا منشا ہے۔ مرد اور عورت کی آفرینش اور ان میں پیار و محبت کے یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی صرف ایک نشانی نہیں، بلکہ اس میں بیشمار نشانیاں سمو دی گئی ہیں، جتنا کوئی انسان نگاہ بصیرت سے غور و فکر کرے گا اتنا ہی اسے معرفت و عرفان نصیب ہوتا جائے گا۔

دوسری نشانی یہ ہے کہ جو انسان یہ سمجھتے ہیں کہ اس کائنات کا ارتقاء خود بخود ہوا ہے ان کا خیال بالکل احمقانہ ہے۔ اگر اس کا ارتقاء خود بخود ہوا ہے تو اس کے نظام میں یہ حیرت انگیز موافقت و ہم آہنگی کہاں سے پیدا ہوئی؟ یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ ایک قادر و حکیم ذات ہے جو اس پورے نظام کو اپنی حکمت کے تحت چلا رہی ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات پر انسان جتنا غور کرے پھر آیت کے ان کلمات {جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً} ہیں جتنا تدبر کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت، حکمت اور قدرت کے جلوے اتنے ہی نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ "مَوَدَّة" (love) یہ ہے کہ مرد بیوی سے اور بیوی مرد سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ جیسا کہ عام مشاہدہ میں آتا ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کی آپس میں ہوتی ہے دنیا میں کسی بھی دو انسانوں کی آپس میں نہیں ہوتی۔ یہ بھی قدرت کی رحمت و الفت کی نشانی ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی سہولت اور آسائش بہم پہنچاتا ہے، جس کا مکلف اسے خالق نے بنایا ہے اور ایسے ہی بیوی بھی اپنی قدرت و اختیار کے دائرہ میں رہ کر کرتی ہے۔ بے شک انسان کو یہ راحت و سکون اور باہمی محبت و الفت انہی جوڑوں سے حاصل ہوتی ہے جو شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوں۔ شریعت مطہرہ انہی کو جوڑے قرار دیتی ہے۔ بغیر نکاح والے جوڑوں کو وہ جوڑا ہی

تسلیم نہیں کرتی بلکہ شریعت مطہرہ انہیں زانی و بدکار' فاسق و فاجر قرار دیتی ہے اوران کے لئے شرعی سزا تجویز کرتی ہے۔

عصر حاضر میں مغربی تہذیب کے نام نہاد علم بردار شیاطین اوران کے پیرو کاران مذموم کوششوں میں ہر وقت مصروف عمل ہیں کہ ان کے لادینی معاشرے کی طرح اسلامی ممالک میں بھی نکاح جیسی پاکیزہ سنت کو غیر ضروری قرار دے کرفاسق وبدکار مرد و عورت کے زانی جوڑے تسلیم کیا جائے اورانہیں سزا دینے کی بجائے ان کے لیے وہ حقوق تسلیم کروائے جائیں جوایک نکاح والے جوڑے کو اسلام دیتا ہے۔ اس غیر فطری نظام سے میاں بیوی کے درمیان محبت والفت کیسے ہوسکتی ہے۔ جوقانون قدرت سے حاصل ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

'' شیطان اپنا تخت پانی کے اوپر رکھتا ہے اس کے بعد اپنے لشکر بھیجتا ہے۔ اس کے سب سے قریب وہ شیطان ہوتا ہے جس نے سب سے زیادہ فتنہ و فساد برپا کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے فلاں فلاں امورانجام دیئے ۔ شیطان کہتا ہے تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے شوہر کو بیوی سے الگ کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :شیطان اس شیطان کواپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے تم نے صحیح کام کیا۔ (مسلم)

حدیث پاک سے معلوم ہواکہ شیطان میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اسے جب بھی دونوں کی زندگی برباد کرنے کا کوئی موقع ملے تووہ اپنے سارے شیطانی لشکر کولے کر پہنچ جاتا ہے وہ چھوٹی سی بات کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ شیطان کے مختلف

طریقے اور حیلے جن میں شک ' بلا ضرورت غیرت مندی، چھوٹی باتوں کو زیادہ کر کے دکھانا، پھر دونوں کے ذہنوں میں یہ وسوسہ ڈالنا کہ اب طلاق کے علاوہ کوئی حل نہیں میاں بیوی کو ان شیطانی چالوں اور پھوٹ ڈالنے کے واقعات سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ میاں بیوی کو ایسے اسباب سے پرہیز کرنا چاہیے جو ان میں محبت والفت ختم کرنے اور جدائی کا باعث بنیں۔

(۴۹) جو ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے

جو لوگ ضد 'سرکشی ' کبر اور تعصب کی وجہ سے اللہ تعالی کی نشانیوں پر غور فکر نہیں کرتے وہ قرآنی فرمان کے مطابق جانوروں سے بدتر ہیں۔ اس لیے کہ حیوانات کو تو عقل و شعور عطا نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ عقل و خرد رکھنے کے باوجود تفکر و تدبر نہیں کرتے اور جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

{يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ}

ترجمہ: (کہ) اللہ کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سن لیتا ہے (مگر) پھر غرور سے ضد کرتا ہے کہ گویا ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ اور جب ہماری

آیتیں اسے معلوم ہوتی ہیں تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (الجاثیہ۔ ۹)

who hears Allah's verses being recited to him, then he remains adamant out of arrogance, as if he never heard them. So give him the – good news' of a painful punishmentWhen he learns about something of Our verses, he takes it as a laughing stock. For such people, there is a humiliating punishment

ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ جو انسان ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ تعالی کی بات نہیں سنتے۔ ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اپنی جہالت سے ہٹیں۔ حق بات کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتے ہیں گویا سنی ہی نہیں۔ ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں کہ آیات قرآنی پر انہیں کوئی معقول اعتراض ہے۔ یا جن عقائد کی تلقین کی گئی ہے وہ غلط ہیں۔ یا ان آیات میں جس نظام حیات کو پیش کیا گیا ہے وہ فرسودہ ہے اور انسان کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ ہر گز نہیں، بلکہ ان میں سے کوئی وجہ انہیں ایمان لانے سے باز نہیں رکھتی صرف ان کا غرور و تکبر انہیں اجازت نہیں دیتا۔ غرور اور تکبر کی اصل علت یہ نہیں ہے کہ ان پر حقیقت واضح نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ اس بات میں اپنی سبکی سمجھتے ہیں کہ قوم کے سردار اور اعیان و اشراف ہو کر ایک ایسے شخص کی بالاتری اپنے اوپر تسلیم کرلیں جو دنیوی وجاہت میں ان کا ہم سر نہیں ہے۔ اس لئے وہ باطل پر اڑ گئے ہیں اور اس سے چمٹے رہنے پر مصر ہیں۔ آیات الٰہی کا تمسخر اڑانا ان کا شیوہ ہے۔ اس انسان میں جو نیک نیتی کے ساتھ آیات الٰہی کو کھلے دل سے سنتا اور سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرتا ہے، اور اس انسان میں جو انکار کا پیشگی فیصلہ کر کے سنتا ہے اور کسی غور و فکر کے بغیر اپنے اسی فیصلے پر قائم رہتا ہے جو ان آیات الٰہی

کو سننے سے پہلے وہ کر چکا تھا بہت فرق ہے۔ پہلا انسان اگر آج ان آیات الٰہی کو سن کر ایمان نہیں لا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کافر رہنا چاہتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مزید اطمینان قلب کا طالب ہے۔ اس لیے اگر اس کے ایمان لانے میں دیر لگ رہی ہے تو یہ بات عین متوقع ہے کہ کل کوئی دوسری آیت الٰہی اس کے دل پر اثر کر جائے اور مطمئن ہو کر ایمان قبول کر لے لیکن دوسرا انسان کبھی کوئی آیت الٰہی سن کر بھی ایمان نہیں لا سکتا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی آیات الٰہی کے لیے اپنے دل کو قفل لگا چکا ہے۔ اس طرح کی حالت میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جن کے دل میں تین صفات موجود ہوتی ہیں:

(۱) وہ کذاب ہوتے ہیں، اس لیے سچ انہیں اپیل نہیں کرتا۔

(۲) وہ بد عمل ہوتے ہیں، اس لیے کسی ایسی ہدایت کو تسلیم کر لینا انہیں سخت ناگوار ہوتا ہے جو ان پر اخلاقی پابندیاں عائد کرتا ہے۔

(۳) وہ اس گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہمیں سب معلوم ہے ہمیں کوئی کیا سکھائے گا، اس لیے اللہ کی جو آیات انہیں سنائی جاتی ہیں ان کو وہ سرے سے کسی غور و فکر کا مستحق ہی نہیں سمجھتے اور ان کے سننے کا حاصل بھی وہی کچھ ہوتا ہے جو نہ سننے کا تھا۔

(۵۰) صابرین و شاکرین کیلئے قدرت کی نشانیاں

صابرین و شاکرین کے لیے قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ صبر اور شکر دو عظیم اوصاف ہیں جو ہر مرد مومن میں ہونے چاہیں۔ پھر جو افراد و اقوام ان خوبیوں سے مالا مال ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں فلاح و سعادت

کے خزینے موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ}

ترجمہ: (یاد رکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال اور انہیں اللہ کے احسانات یاد دلا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر شکر کرنے والے کے لئے۔ (ابراہیم۔۵)

Surely, We sent Musa with Our signs saying to him, :Bring your people out of (all sorts of) darkness into the light, and remind them of the Days of Allah. Surely, there are signs therein for every one who observes patience and gratitude

ان آیات الٰہیہ سے مراد کائنات کی وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بات کو برحق ثابت کرتی ہیں۔ "ایام اللہ" سے مراد تاریخ کے وہ یادگار واقعات ہیں جب اللہ کا فیصلہ ظاہر ہوا اور اللہ کی خصوصی مدد سے حق نے باطل کے پر فتح پائی۔ ایک دلیل اگر کائناتی ہے تو دوسری دلیل تاریخی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ یہی دونوں چیزیں ہماری دنیا میں سب سے زیادہ غیر موجود نظر آتی ہیں۔ آیات اللہ کو غلط تشریح و تعبیر کے پردہ میں چھپا دیا گیا ہے اور ایام اللہ کا یہ حال ہے کہ تاریخ نگاری کا کام جن لوگوں کے ہاتھ میں تھا انہوں نے ایام الانسان تو خوب قلم بند کیے مگر ایام اللہ ان کی کتابوں میں غیر مذکور رہ گئے۔

(۵۱) منکرین آیاتِ الٰہی (نشانیوں) کا انجام

منکرین (نشانیوں) آیات الٰہی کا انجام انتہائی المناک ہوگا اس دنیاوی زندگی میں بھی وہ خسران و ہلاکت سے یقینا دوچار ہونگے اور عالم آخرت میں بھی ان کی ذلت اور تباہی سو فیصد یقینی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) {فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ}

ترجمہ: ظاہر ہے کہ اُس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو بالکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی سچی آیات کو جھٹلائے (اعراف۔۳۷)

So, who is more unjust than the one who coins a lie against Allah or rejects His signs?

(۲) {سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ}

ترجمہ: (آپ دیکھو گے کہ) میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ اُن کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے (اعراف۔۱۴۶)

ان آیات کریمہ میں ایک جامع تنبیہ ہے کہ کون لوگ ان تعلیمات کی قدر

کریں گے، ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور کون ان سے منہ موڑیں گے اور اس کے نتیجہ میں آخرت کی محرومی سے دوچار ہوں گے۔ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی زمین میں رہتے بستے اپنے آپ کو اللہ سے بے نیاز، اس کے حکم سے اپنے آپ کو بالاتر، اور اس کی عطاء کی ہوئی نعمتوں کو اپنا استحقاق ذاتی سمجھتے ہیں، رب تعالیٰ انہیں ہدایت کی طرف مائل ہونے کی توفیق نہیں دے گا ایسے انسانوں کے دل میں خیر اور ہدایت کی رغبت مردہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر ان کو ہدایت کی راہ دکھائی جائے تو وہ اس سے بھاگ جاتے ہیں اور اگر گمراہی کی دعوت دی جائے تو اس پر فوراً چل پڑتے ہیں۔ یہ لوگ انبیاء کرام کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ بطور سزا ایسے لوگوں کو آیات الٰہی کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمہ حیات سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کے بغیر زندگی گزارتے ہیں۔ اللہ کی آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں، ان کے سارے اعمال غارت اور بے ثمر ہو جائیں گے۔ آخرت میں صرف اس عمل کی قدر و قیمت ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کو ہدایت و ضلالت کا قانون سمجھا رہے ہیں۔ آپ کے جلو میں یہ قومیں حق کے ظہور کی عظیم نشانیاں دیکھیں گی، لیکن اِس کے باوجود انکار کر دیں گی، اِس لیے کہ اِن میں زیادہ متکبرین ہیں اور اِس سے پہلے بھی ہماری نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو لوگ تکبر کے ساتھ ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیتے ہیں، اُنھیں ہم ہدایت سے محروم کر دیتے ہیں۔

ان لوگوں کی قلبی بصیرت کے بے نور ہونے کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ ہزار دلیلیں سنتے ہیں بے شمار معجزے دیکھتے ہیں۔ لیکن ایمان نہیں

لاتے ۔ نیکی اور ہدایت کا راستہ جو نورانی قندیلوں سے جگمگا رہا ہے ۔ اس پر عمل کے لیے انہیں کہا جائے توان کا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے اور اندھیروں اور تاریکیوں سے گھری ہوئی ضلالت کی راہ پر چلنے کے لیے بڑے ہی بیتاب نظر آتے ہیں۔ یاد رکھیں آیات الٰہی کی جان بوجھ کر تکذیب اور ان کی طرف سے دانستہ غفلت ولاپرواہی انسان کی ابدی شقاوت کا باعث بن جاتی ہے۔ پہلی قومیں جنہیں تباہ وبرباد کر دیا گیا ان کی وجہ بربادی یہ تھی کہ انھوں نے غرور کے نشہ میں مخمور ہوکر ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ ہماری آیات کی طرف بے التفاتی کی تو ہم نے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ان سے چھین لی اگر تم نے بھی انہیں کی سی روش اختیار کی اور قرآن میں مندرجہ احکام کو بسر وچشم قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا۔

یہ سچ ہے کہ گمراہی کا راستہ نفس کے محرکات کے تحت بنتا ہے اور ہدایت کا راستہ نفس اور ماحول کے اثرات سے اوپر اٹھ کر خالص اللہ تعالی کے لیے وجود میں آتا ہے۔ اب جو انسان اپنی ذات کے لیے زندگی بسر کر رہے ہوں، جو اپنے نفس کے اندر ابھرنے والی خواہشات کو جانتے ہوں وہ گمراہی کے راستہ کو عین اپنی ضرورت سمجھ کر اس کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ ہدایت کا راستہ ان کو اپنے مزاج کے اعتبار سے اجنبی دکھائی دے گا اس لیے وہ اس پر چلنے میں بھی ناکام ہوں گے۔ بڑائی کی نفسیات اس چیز کو باآسانی قبول کر لیتی ہے جس میں اس کی بڑائی باقی رہے۔ اور جہاں اس کی بڑائی مشتبہ ہوتی ہو اس سے اسے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی۔ تکبر کا مطلب ہے کہ اللہ کی آیات واحکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گردا ننا۔ یہ تکبر انسان کے لئے زیبا نہیں کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر، خالق کا

مقابلہ کرنا اور اس کے احکام و ہدایات سے اعراض و غفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ کو تکبر سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر کا نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں آیات الٰہی سے دور ہی رکھتا ہے اور پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انہیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

★(۱) {وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ}

ترجمہ: اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے (اعراف۔۱۴۷)

یعنی احکام الٰہی پر چلنے کی توفیق نہ ہوگی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کریں گے وہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ باقی ان کی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہوگا دنیا میں مل کر رہے گا۔

٭(۲) {وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ}

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔ (اعراف ۱۸۲)

٭(۳) {وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ}

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے۔ جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کچھ شک نہیں ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ (انعام۔ ۲۱)

منکرین آیات کے عمل بے وزن ہونگے

منکرین آیات کے عمل بے وزن ہونگے کیونکہ اعمال میں وزن عقیدہ صالحہ سے پیدا ہوتا ہے۔ عقائد وہ اساس اور بنیاد ہیں جن پر اعمال و افعال کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ لہذا فاسد عقیدہ اور انکار آیات الٰہی کے مرتکب افراد واقوام کو ان کے صالح اعمال کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

روزقیامت سب سے زیادہ نامراد اور خسارے میں وہ لوگ ہوں گے جن کی تمام تگ ودو اس دنیا کی طلب کے لیے ہے۔ انہوں نے دنیا فانی کے عشق میں آیات الٰہی اور خالق سے ملاقات کو بالکل بھلا دیا ان کے اعمال بالکل بے وزن و بے حقیقت ہوجائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا}

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا اس لیے اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے (کہف۔۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات شرعی ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں نازل کیں اور پیغمبروں نے تبلیغ کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی اور دوبارہ اٹھنے سے انکار ہے۔ ان منکرین کے لیے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا

کامیاب کھیل کھیل رہے ہیں اور بڑے اچھے کام کر رہے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں وہی لوگ ہوں گے جن کی تمام تگ و دو اس دنیا کی طلب کی راہ میں ہے۔ فانی دنیا کے عشق نے ان کو ہماری آیات اور ہماری ملاقات سے بالکل بے نیاز و بے خوف کر دیا تو ان کے یہ سارے اعمال بالکل بے وزن و بے حقیقت ہو جائیں گے۔ آج تو یہ اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں لیکن قیامت کے دن ہم ان کو کوئی حیثیت نہیں دیں گے۔ انھوں نے اپنے غرور میں ہماری آیات کی تکذیب کی اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ اب اس کی پاداش میں جہنم کا مزا چکھیں۔ ان لوگوں نے دنیا میں خواہ کتنے ہی بڑے کارنامے کیے ہوں، بہر حال وہ

دنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اپنے محلات، اپنی یونیورسٹیاں اور لائبریریاں، اپنے کارخانے' اپنی سڑکیں اور ریلیں، اپنی ایجادیں اور صنعتیں، اپنے علوم و فنون اور اپنی آرٹ گیلریاں، اور تمام وہ کارنامے جن پر وہ فخر کرتے ہیں، ان میں سے تو کوئی چیز بھی اپنے ساتھ لیے ہوئے وہ اللہ کے ہاں نہ پہنچیں گے تاکہ میزان میں رکھ سکیں۔ وہاں جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ صرف مقاصد عمل اور نتائج عمل ہیں۔ اب اگر کسی انسان کے سارے مقاصد دنیا تک محدود تھے اور نتائج بھی اس کو دنیا ہی میں مطلوب تھے اور دنیا میں وہ اپنے نتائج عمل دیکھ بھی چکا ہے تو اس کا سب کیا کرایا دنیائے فانی کے ساتھ ہی فنا ہو گیا۔ آخرت میں جو کچھ پیش کر کے وہ کوئی وزن پا سکتا ہے وہ تو لازماً کوئی ایسا ہی کارنامہ ہونا چاہیے جو اس نے اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو، اس کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے کیا ہو اور ان نتائج کو مقصود بنا کر کیا ہو جو آخرت میں نکلنے والے ہیں۔ ایسا کوئی کارنامہ اگر اس کے حساب میں نہیں

ہے تو وہ ساری دوڑ دھوپ بلاشبہ اکارت گئی جو اس نے دنیا میں کی تھی۔
حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ روز قیامت بعض لوگ ایسے اعمال لائیں گے جو ان کے خیالوں میں مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے زیادہ بڑے ہوں گے لیکن جب وہ تولے جائیں گے تو ان میں وزن کچھ نہ ہوگا۔

(۵۲) بنی اسرائیل کے لیے نو (۹) نشانیاں

حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے کھلی نشانیاں پیش کیں تو اس نے کہا کہ یہ تو "جادو" ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ داعی کی طرف سے خواہ کتنی ہی صداقت کی بڑی نشانیاں پیش کر دی جائیں، انسان کے لیے یہ دروازہ بند نہیں ہوتا کہ وہ اس بارے میں چند الفاظ بول کر اس کو رد کر دے' وہ آیات الٰہی کو انسانی جادو کہہ دے' یا وہ سچے علمی دلائل کو ناقص کہہ کر ٹال دے' یا وہ واضح قرائن کو غیر معقول کہہ کر نظر انداز کر دے۔ اسی طرح حق کے مخالفین سے جب حق لفظی مخالفت سے نہیں دبتا' تو وہ جارحانہ کارروائیوں پر اتر آتے ہیں۔ یہ ان کی بھول ہوتی ہے کہ یہ کسی انسان کا معاملہ ہے۔ حالانکہ یہ رب العالمین کا معاملہ ہے اور کون ہے جو رب کے ساتھ جارحیت کر کے کامیاب ہو۔ فرعون نے حضرت موسیٰ پر الزام لگایا کہ یہ عجائب جو آپ دکھلا تے ہیں یہ جادو کے کرشمے ہیں جادو کے اثر سے تمہاری عقل بجا نہ رہی' یا مسحور ساحر کے معنی میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ

جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا}

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے دریافت کر لو کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل۔ ۱۰۱)

Surely we gave Musa nine clear signs. So, ask the children of Isra'il, when he came to them, Pharaoh said to him, :I am afraid, O Musa, you are under the spell of magic

{فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ} میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اس مرحلے میں بنی اسرائیل اسلام کی مخالفت کی مہم میں پوری طرح شریک ہو گئے تھے اور قریش اکثر معجزات کے مطالبے انہی کی شہ پر کرتے تھے۔ وہ قریش کو یہ سکھاتے کہ ہمارے پیغمبر نے تو فلاں فلاں معجزے دکھائے تو یہ اگر نبوت کے مدعی ہیں تو یہ بھی اسی طرح کے معجزے دکھائیں۔ ان کی اسی حرکت کے سبب سے قرآن نے انہی کو گواہ بنا کر پیش کیا کہ ان کے نبی نے معجزے دکھائے تو سہی لیکن انہی سے پوچھو کہ یہ سارے معجزے دکھانے کا نتیجہ کیا نکلا؟ اگر نتیجہ یہی نکلا کہ فرعون اور اس کی قوم غرق ہو کے رہی تو آخر یہ راستہ وہ قریش کو کیوں دکھاتے ہیں؟۔ وہ نو نشانیاں جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، عصاء، جو اژدہا بن جاتا تھا، یدِ بیضاء جو بغل سے نکالتے ہی سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا، جادوگروں کے جادو کو برسرِ عام شکست دینا، ایک اعلان کے مطابق سارے ملک میں قحط برپا ہو جانا، اور پھر یکے بعد دیگرے طوفان، ٹڈی دل، سُرسریوں، مینڈکوں اور خون کی بلاؤں کا نازل ہونا۔

(۵۳) اصحاب کہف کا واقعہ قدرت کی نشانی

اصحاب کہف کا واقعہ جس کی تفصیل سورۃ الکہف میں بیان کی گئی ہے اپنے اندر بصیرت و عبرت کا سامان رکھتا ہے۔ ہر صاحب فکر انسان کے لیے کہ کس طرح رب العزت نے اپنی کمال قدرت کا اظہار ان صاحب ایمان پر نیند کی کیفیات طاری فرما کر کیا۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اس سے ملتے جلتے واقعات کا ظہور اصحاب ایمان کے لیے اس عالم ناسوت میں دیگر مواقع پر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اہل حق کی زندگی میں کس قسم کے کٹھن مراحل پیش آتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق بعض اوقات حالات کی سختی کی بنا پر کسی "غار" میں پناہ لیتے ہیں۔ دوسری طرف یہ غار جو ظاہری طور پر ان کے لیے ایک قبر تھا، یہیں سے ان اہل ایمان کی زندگی اور حرکت کا ایک نیا سیلاب پھوٹ پڑتا ہے۔ مخالفین نے جہاں ان کی تاریخ ختم کردینی چاہی وہیں سے دوبارہ ان کے لیے ایک نئی تاریخ شروع ہوجاتی ہے۔ قرآن پاک نے اصحاب کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا جو ہمارے لیے درس ہدایت رکھتا ہے باقی زمان و مکان وغیرہ کی تفصیلات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ قرآن پاک کا ہر واقعے کے بیان میں یہی اسلوب رہا ہے اور یہ ایک ایسی ممتاز خصوصیت ہے جو قرآن پاک کو باقی تاریخی کتب سے منفرد کرتی ہے۔ قرآن پاک میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں ہوتی بلکہ سبق آموزی اور بصیرت افروزی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) ﴿أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾

ترجمہ: کیا آپ سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے؟ (کہف۔ ۹)

اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا واقعہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں جسے زیادہ عجیب سمجھا جائے یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کا نظام، شمس و قمر اور کواکب کی تسخیر، رات اور دن کا آنا جانا اور دیگر بیشمار نشانیاں، کیا تعجب انگیز نہیں ہیں؟ انسان ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا، ان کی قلیل و بے سروسامان جماعتوں کو بڑے بڑے متکبرین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا، خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر "غار ثور" میں تین دن ٹھہرانا، کفار کا غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر انکو واپس لوٹانا آخر گھر بار چھوڑنے والے مٹھی بھر بے سروسامانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق و مغرب میں اس قدر قلیل مدت کے اندر غالب و منصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بیشمار چیزیں "اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟ اصل یہ ہے کہ قریش نے یہود کے مشورہ سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آزمائش کے لیے تین سوال کیے۔ ۱) روح کیا ہے؟ ۲) اصحاب کہف کا قصہ کیا تھا؟ ۳) اور ذوالقرنین کون تھا؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لیے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں جیسے تم سمجھتے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر عجیب و غریب نشاناتِ قدرت موجود ہیں۔

{وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا}

ترجمہ: آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کے بائیں جانب کترا جاتا ہے

اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پاسکیں۔ (کہف۔۱۷)

یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم وجابر بادشاہ کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے "دقیانوس" بتلایا ہے۔ بادشاہ بت پرست تھا اور زبر دستی بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیاوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اور اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائدین سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیت الٰہی اور نور تقویٰ سے بھرپور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صبر واستقلال اور توکل کی دولت سے انہیں مالامال کیا تھا۔ بادشاہ کے سامنے جا کر بھی انہوں نے {لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا} کا نعرہ لگایا اور ایمانی جرأت واستقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل و مصالح آڑے آئے کہ انہیں فوراً قتل نہ کیا۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور وفکر کرلیں۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر وتشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہر حال خطرہ ہے مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں (اور واپسی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کریں) آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تاکہ ضروریات خرید کر لا سکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے۔ جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں

سرکاری طور پر ہماری تلاش ہے اور ہمارے رشتہ داروں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر اچانک نیند طاری کردی۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیئے گئے تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہوگئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کران کا کچھ سراغ لگے۔ اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرما دی اور اس کی جگہ نہیں بتائی۔ فرما دیا کہ سورج کے طلوع کے وقت غار سے ان کے دائیں جانب جھک جاتا ہے اور غروب کے وقت اصحاب کہف کو بائیں طرف چھوڑ دیتا ہے، انہیں دھوپ کی تپش نہیں پہنچتی ورنہ ان کے بدن اور کپڑے جل جاتے یہ اللہ کی ایک نشانی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں اس غار میں پہنچایا' زندہ رکھا دھوپ بھی پہنچے ہوا بھی جائے چاندنی بھی رہے تاکہ نہ نیند میں خلل آئے نہ نقصان پہنچے۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی کامل نشان قدرت ہے۔ ان نوجوان موحدوں کو ہدایت خود اللہ نے دی تھی، یہ راہ راست پا چکے تھے کسی کے بس میں نہ تھا کہ انہیں گمراہ کر سکے اور اس کے برعکس جسے وہ راہ ہدایت نہ دکھائے اس کا ہادی کوئی نہیں "ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فهو المهتدى" اس آیت میں یہ تذکیر فرمائی ہے کہ جہاں تک اللہ کی نشانیوں کا تعلق ہے، ایک سے بڑھ کر ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ ان نشانیوں سے ہدایت وہی حاصل کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ توفیق بخشتا ہے۔ جو اس توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں، کوئی دوسرا ان کا کارساز و رہنما نہیں بن سکتا (اصحاب کہف کے قصہ کی مزید تفصیل تفاسیر میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

اختتامیہ

قرآن مجید اپنے اصل مقصد کے لحاظ سے ایک کتابِ تذکیر ہے۔ اللہ تعالیٰ چند حقائق کی تذکیر انسان کو کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ حقائق انسان کے ذہن نشین رہیں اور وہ تدبر سے زندگی کے صحیح راستے کا انتخاب کر سکے۔ کتابِ الٰہی کے ساتھ ہمارا تعلق زندگی بھر کا ہے۔ اس تعلق کے قائم ہونے، اس کے نشو و نما پانے اور مضبوط سے مضبوط تر ہونے کا عمل ساری زندگی جاری رہنا چاہیے کوئی مرحلہ ایسا نہیں آنا چاہیے جس میں انسان یہ کہہ سکے کہ میں نے قرآن سے جو سیکھنا تھا، سیکھ لیا ہے اور اب میرے لیے اس کو پڑھنا محض تکرار ہے۔

قرآن کو روزانہ پڑھنا اور اس کے کسی نہ کسی حصے پر باقاعدہ غور کرنا، دین کے ایک طالب علم کو یہ چیز اپنے معمولات کا حصہ بنا لینی چاہیے۔ تلاوت تو ہر مسلمان کو کرنی چاہیے۔ قرآن انسان کو خالق کے قریب کرتا ہے، اس کی پہچان کراتا ہے اور اللہ کے ساتھ تعلق استوار کرنے میں انسان کی مدد کرتا ہے۔ ہمیں قرآن عظیم کی آیات سے وہ روحانی غذا حاصل کرنی چاہیے جو نزول قرآن کا منشاء ہیں۔

اے کریم! ہمیں قرآن کا بہتر سے بہتر فہم حاصل کرنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(اللھم اجعل القرآن ربیع قلوبنا ونور صدورنا وجلاء احزاننا وذھاب ھمومنا)۔ (آمین)

کتاب : ''قرآن کی دعوت فکر''

مصنف : مایہ ناز اسلامی سکالر و معروف دانشور، محترم جناب ملک اللہ بخش کلیار صاحب، ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، حکومتِ پاکستان۔

''تدبر فی خلق اللہ'' ایک اہم عبادت ہے۔ اس سے بے شمار علمی تحقیقات، تخلیق کائنات کی بے پناہ حکمتیں اور جدید سے جدید دریافتوں کے دریچے کھلتے ہیں۔

دراصل یہ زمین و آسمان یہ بر و بحر یہ شجر و حجر یہ باغ و بہار یہ دریا و صحرا یہ رات و دن یہ شمس و قمر یہ ستارے و سیارے اور بے شمار کہکشائیں خالق کائنات کی قدرت خلاقی کا کرشمہ ہے۔

انسان جوں جوں اس میں غور و فکر اور تدبر کرتا ہے، خزانہ قدرت کے سربستہ راز کے ہزاروں پردے منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ اور ربُ العزت جل شانہ نے بھی اسی کا حکم دیا ہے۔

کتاب ہٰذا میں اسی موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے لئے نافع بنائے اور مصنف کی کاوشوں کو قبول فرما کر ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

والسلام

ڈاکٹر، مولانا محمد محب اللہ القاسمی الرفاعی

المؤسس و رئیس : جامعہ دارالعلوم رحمۃ للعالمین، کراچی۔



نگہِ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

ملک اللہ بخش کلیار نام ہے محبت کا، امن کا، دوستی کا۔ آپ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ہادیٔ زماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قربت میں مدینۃ المنورہ میں گزرا۔ اور تاحال آپ کا زیادہ وقت حبیبِ ربِّ ذوالجلال کے قدموں میں گزرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب اللہ بخش کلیار کو نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ تمام دُنیا میں جو دینی اور دنیاوی مقام عطاء کر رکھا ہے یہ بہت بڑے نصیب کی بات ہے۔

آپ نے انسانیت کی خدمت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنایا ہوا ہے۔ علمی میدان میں بھی آپ کی بے شمار تخلیقات جو مضامین اور کالموں کی شکل میں اخبارت و رسائل میں شائع ہو رہی ہیں معاشرے کی اصلاح اور اسلامی زندگی کے فروغ میں بھرپور اثرات اور تغیر کی حامل ہیں۔ قبل ازیں قرآن واحادیث کی روشنی میں آپ کو 'مستجاب دُعائیں' اور 'اسرارِ دل' جیسی خوبصورت اور عظیم الشان کتب کی ترتیب و تالیف کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ 'اسرارِ دل' علم، حکمت اور معرفت کا لازوال خزینہ ہے۔

کتاب ہٰذا ''قرآن کی دعوت فکر'' کی ترتیب و تالیف بھی ملک اللہ بخش کلیار کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص سعادت ہے۔ اس کے عنوانات منفرد، جامع اور انسانی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے مضامین ان کی اسلام، قرآن اور اسلامی شعائر سے محبت، چاہت، لگاؤ اور کشش کا واضح ثبوت ہیں۔ آج ہمیں جن چیزوں میں رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہے ملک صاحب نے اس کتاب میں تقریباً تمام موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب انسان کی اسلام اور عملی زندگی کے بارے میں علمی تشنگی کو مٹانے میں مکمل طور پر مددگار و معاون ہے۔

اللہ تعالیٰ ملک اللہ بخش کلیار صاحب کی اس کاوش کو قبول و منظور فرماتے ہوئے دین و دنیا کی بھلائی اور آخرت میں ان کی بخشش کا سبب بنائے۔ آمین۔

سلطان محمود شاہین
چیئرمین بزمِ شوریٰ انٹرنیشنل (اسلام آباد)

Title by: Mubasher Kaleem - 0331-7005399